۲۱ — کتاب

زیرِ لب

صفیہ اختر

انگلیاں فگار اپنی
خامہ خوں چکاں اپنا

(غالب)

پہلی اشاعت پر

مشہور و مقبول شاعر جاں نثار اختر کے نام ان کی اہلیہ یا جیون ساتھی صفیہ اختر مرحومہ کے وہ خطوط جو ۲۲ دسمبر ۱۹۴۹ء سے ۲۹ دسمبر ۱۹۵۳ء تک لکھے اور بھیجے گئے تھے ابھی ابھی "زیر لب" کے نام سے نہایت دیدہ زیب شکل میں شائع ہوئے ہیں۔ ان خطوط کے علاوہ کتاب کے شروع میں ایک خط اختر کے نام رضیہ سجاد ظہیر کا ہے اور دوسرا اختر کے نام کرشن چندر کا ہے۔ صفیہ اختر کی جوانمرگی اور اختر کے نام مرحومہ کے خطوط کا ذکر کرتے ہوئے رضیہ اور کرشن چندر دونوں کے خطوط پُر خلوص تعزیت نامے ہیں جنھیں پڑھ کر آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور ڈھارس بھی بندھتی ہے۔ کتاب کے آخر میں "خاک دل" کے عنوان سے اختر کی وہ نظم بھی شامل ہے جو صفیہ کی یاد میں انھوں نے کہی تھی اور جو رسالوں میں شائع ہو کر ہزارہا دلوں کو متاثر کر چکی ہے۔

عدیم الفرصتی اور علالت کے باوجود یہ کتاب میں شروع سے آخر تک پڑھ گیا۔ جو اثر اس کتاب نے مجھ پر کیا اُسے یا تو یہ کہہ کر ٹال سکتا ہوں کہ وہ بیان سے باہر ہے یا پھر بہت سنبھل کر اسے بیان کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ ذاتی تعلقات اور گھریلو زندگی سے متعلق شوہر کے نام بی بی کے خطوط میں نسائیت کی اتنی قدریں، مانوسیت و ہم آہنگی کی اتنی پاکیزہ مثالیں، اسلوب بیان کی بے تکلفی، خلوص و صداقت، نیک مزاجی و بلند کرداری کی اتنی جھلکیاں ظرافت کا نمک یعنی صحیح معنوں میں جیون ساتھی کا لب و لہجہ جس طرح یہ قدرِ اول کی چیزیں اس کتاب میں موجود ہیں شاید ہی اردو یا کسی بھی زبان میں شوہر کے نام بی بی کے خطوط کے کسی

دوسرے مجموعے میں نظر آسکیں۔

میں کہیں اور لکھ چکا ہوں کہ نرا عاشق بڑا عاشق نہیں ہوسکتا۔ صفیہ اختر کے یہ خطوط اس امر کی آئینہ داری کر رہے ہیں کہ نری بیوی بڑے معنوں میں جیون ساتھی نہیں بن سکتی۔ صفیہ اختر نری بیوی نہ تھی بلکہ بہت پڑھی لکھی، گوناگوں شخصیت رکھنے والی، علم و ادب و زندگی سے مہذب انہماک رکھنے والی خاتونِ وطن تھی اور جب ہی وہ صحیح اور بڑے معنوں میں جاں نثار اختر کی جیون ساتھی بن سکی۔

جنسی تعلقات، ازدواجی رشتے کا ایک سماجی، تہذیبی، پاکیزہ جمالیاتی پہلو ہوتا ہے جو ان تعلقات اور اس رشتے کو معنویت اور قدریں عطا کرتا ہے۔ مشہور انگریزی ادیب Steele نے اپنی بیوی کو لکھا تھا۔ To love you is a libral education

یہی احساس و تجربہ ان خطوط کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ ایک تربیت یافتہ دل و دماغ کا ثبوت تقریر و تحریر میں علمی بحثیں چھیڑ کر ہی نہیں دیا جاتا بلکہ ان معمولی، گھریلو، گمنام، نیم فراموش شدہ چھوٹے چھوٹے کاموں اور باتوں کا ذکر کر کے بھی دیا جاتا ہے، جنھیں ہم کسی مرد یا عورت کی زندگی کا بہترین حصہ کہہ سکتے ہیں۔ "زیرِ لب" کے پڑھنے سے یہ سب باتیں آئینہ در آئینہ ہوتی چلی جاتی ہیں۔

جو لوگ اس گمراہی میں مبتلا ہیں کہ اشتراکیت کو سمجھنے یا ماننے والے ازدواجی زندگی یا گھریلو زندگی کی طہارت کا احترام نہیں کرتے اور ازدواجی رشتے کی پاکیزگی، اس کی بلند قدروں، اس کی درخشندہ ذمہ داریوں، اس کے ڈرامائی چیلنج کو نہیں سمجھتے ان کی گمراہی ان خطوط کے مطالعہ سے کافور ہوجانا لازمی ہے۔

یہ خطوط ایک انسانی نوشتہ یا دستاویز Human Document ہیں جس کی مثال بسا اوقات اچھے اور کامیاب ادب میں بھی نہیں ملتی۔ ان خطوط

کی ادبیت اگر تاب ناک ہے تو ان کی انسانیت تابناک تر ہے۔ ہر خط میں ایک من موہنی شخصیت
کا دل دھڑکتا ہوا سنائی اور دکھائی دیتا ہے۔ آپ بیتی اور جگ بیتی کا سنگم ہر خط میں نظر
آتا ہے۔ کاش اُردو میں ایسی اور کتابیں دستیاب ہوتیں۔ لیکن آئے دن ایسی کتابیں
کہاں شائع ہوتی ہیں۔

فراقؔ گورکھپوری

رضیہ سجاد ظہیر کا خط
جاں نثار اختر کے نام

عزیزم اختر!

اس رات ہم عوامی تھیٹر کی صوبائی کانفرنس کا دوسرا مناظرہ پیش کر رہے تھے "نقاش" دکھایا جا چکا تھا اور پروگرام کا آخری حصہ اسٹیج پر تھا ایک رقص ـ پہلے زندگی زنجیروں میں جکڑی، مجبور، معذور، شکستہ اور نیم جاں، پھر آہستہ آہستہ اس میں حرکت پیدا ہوتی ہے رفتہ رفتہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے لگتی ہے۔ اس کی رگیں تنتی ہیں، سانس پھول رہی ہے جسم پسینے پسینے ہے لیکن اس کے وجود میں جولانی بڑھتی جاتی ہے۔ اور یکایک زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ شکستہ پائی، مجبوری، بے چارگی الوداع! ــــ اب زندگی آزاد ہے۔ مضبوط ہے، خود مختار ہے۔ سارا مجمع جواب تک سناٹے میں تھا جاگ پڑتا ہے تالیوں کی گونج سارے ہال کو ہلانے لگتی ہے۔ اور اسی لمحے جب کہ میں اسٹیج کے پیچھے کھڑی مجمع کی اس جوشیلی تبدیلی کو دیکھ رہی تھی کسی نے آہستہ سے میرا کندھا تھپتھپایا اور دھیمے سے میرے کان میں کہا "تمھیں معلوم ہے صفیہ ختم ہو گئی" ــــ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تخت کا کونا پکڑ لیا۔ پاؤں ایک دم لڑکھڑانے لگے۔ سارا اسٹیج، سارا ہال گھومتا نظر آ رہا تھا تالیوں کی آواز جیسے دور کہیں سے آ رہی تھی ــــ پھر بھی جیسے اپنے آپ سے اتنا ضرور کہہ سکی۔ "نہیں نہیں ـ ایسا نہیں ہو سکتا۔ صفیہ کبھی نہیں مر سکتی!" ــــ اور آج جب کہ لوگ کہتے ہیں اُسے مرے ہوئے سال بھر سے زیادہ ہو گیا۔ میں تم سے پھر وہی بات کہوں گی اختر

کہ صفیہ مری نہیں! کیونکہ وہ مر نہیں سکتی! - جو روح زندگی سے اتنی محبت کرتی ہو گرمئی جدوجہد میں اتنا یقین رکھتی ہو جس کے دل کی وسعتیں ناپید اکنار ہوں؟ کیا وہ محدود ہو سکتی ہے، ختم ہو سکتی ہے، مر سکتی ہے، ناممکن - ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہستی جو ہمیشہ زندگی کی بہتری کی جدوجہد کے لئے قربانی دیتی رہی کسی خوب تر پیکر کی جستجو میں ہم لوگوں کو چھوڑ گئی ہو۔

یہ میری بدنصیبی تھی اختر کہ میں صفیہ سے بہت کم مل سکی۔ لیکن جتنا بھی مل سکی وہ بھی ایک خزانہ ہے۔ جو میرے لئے بہت قیمتی ہے۔ اس لئے کہ وہ لمحات مجھے ایک ایسی ساتھی کی یاد دلاتے ہیں جسکا نام اگرچہ شہیدوں کی فہرست میں کبھی نہیں لکھا جائے گا لیکن جس کی ہستی اُن بیشمار شہیدوں میں سے ایک تھی جن کی قربانیوں کے سہارے مجبور، معذور اور شکستہ پا زندگی ایک نہ ایک دن اپنے پیروں پر ضرور اُٹھ کھڑی ہو گی۔ خود مختار ہو گی، آزاد ہو گی۔ مجھے معلوم ہے صفیہ ان حالات کا شکار ہوئی جن میں ابھی زندگی کی رگیں کھنچ رہی ہیں سانس پھول رہی ہے۔ جسم پسینہ پسینہ ہے۔ لیکن زندہ جاوید ہیں وہ لوگ جنھوں نے موت اور حیات کی اس کشمکش میں حیات کو زندہ رکھنے کی جدجہد کے واسطے اپنا خون دیا۔ صفیہ بھی ان گمنام اَن گنت شہیدوں میں سے ایک تھی۔

میں سمجھ سکتی ہوں کہ جب تم بھوپال چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور صفیہ نے وہاں تنہائی کی زندگی بسر کرنی شروع کی تو اُس پر کیا کچھ گذر گئی ہو گی۔ لیکن کس بہادری اور استقلال سے وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ کس ہمت سے اس نے بچوں کو پرورش کیا۔ روزگار کے بار اور اندر باہر کی زندگی کے بوجھ کو اپنے نازک کندھوں پر کس خوش اسلوبی سے سنبھالا اور مُسکراتی رہی، یہاں تک کہ اس کے اعصاب جواب دے گئے۔ جسم پگھل گیا۔ جان نکل گئی۔ لیکن وہ مسکراہٹ ختم نہیں ہوئی۔ اور اسی لئے میں تم سے کہتی ہوں اختر کہ اگر وہ مسکراہٹ ختم

نہیں ہوئی تو صفیہ بھی ختم نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ جس ایمان، جس یقین، جس مقصد کے سہارے وہ مسکرائی تھی وہ مقصد امر ہے۔

"ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی!

مجھے وہ دن کل کی طرح یاد ہے کہ اس کے انتقال کے چند ہی دن پیشتر سجاد ظہیر صاحب کو چار سال کی سزا ہونے کی خبر آئی تھی۔ دوسرے ہی دن اس نے مجھے اپنے یہاں بلوایا۔ بستر پر پڑی تھی۔ چل پھر نہیں سکتی تھی اٹھنے بیٹھنے کے لئے سہارے کی ضرورت ہوتی تھی، لیکن مجھے دیکھ کر وہ یکایک اُٹھ بیٹھی، ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے، زبان سے ایک لفظ نہیں نکلا، لیکن دونوں کے دلوں میں کیا جذبات تھے یہ ایک دوسرے کو خوب معلوم تھے، پھر اس نے اپنے سرہانے سے چاندی کی ایک کٹوری اٹھائی۔ تمہیں معلوم ہے آخر وقت میں اعصاب کے کھنچاؤ کی وجہ سے اس کے ہاتھ ٹیڑھے ہو گئے تھے اور کانپتے تھے لیکن اس کٹوری کے اٹھاتے وقت جس میں سیندور اور افشاں بھری تھی، اسکے ہاتھ بالکل نہیں کانپے، پھر اس نے چٹکی میں سیندور اٹھا کر میری مانگ بھرنی شروع کی۔ اچھی طرح مانگ بھر کے وہ آہستہ سے بولی "آپ کا سہاگ امر ہے رضیہ بھابی! خدا وہ دن جلد لائے جب بھیا خود واپس آ کر آپ کی مانگ بھریں" لیکن اتنی حرکت کا بار بھی اس کے جسم ناتواں کے لئے بہت تھا میں نے اُسے ہانپتے دیکھ کر کٹوری اس کے ہاتھ سے لے لی، وہ تکیہ پر گر پڑی، ایک پل آنکھیں بند کئے رہی پھر آہستہ سے بولی "چار سال! لیکن چار سال کچھ نہیں ہوتے۔ کچھ نہیں ہوتے چار سال۔ پھر ذرا سا مسکرائی اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگی "رضیہ بھابی! شاید ان حکمرانوں کی سمجھ میں یہ کبھی نہیں آئے گا کہ ہم لوگ چار سال نہیں، چار سو سال، چار ہزار سال جدوجہد کر سکتے ہیں۔ سالوں کے شمار اور جدوجہد کی رفتار کا کیا مقابلہ"

اس بات کے تقریباً ایک ہفتہ بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ لیکن اس کی اسوقت کی بات نے میرے اس یقین کو ایک نئی زندگی بخشی کہ:-

یوں ہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ اُن کی ہار نئی ہے نہ اپنی جیت نئی

اور جب اس ایمان کو نئی زندگی ملتی ہے، ایک نیا یقین نصیب ہوتا ہے، تو اس ایمان کے لئے جان دینے والی ہستیاں پھر سے اس زندگی اور یقین میں زندہ ہوتی ہیں اُن کی روح اس نئے یقین میں ایک نیا جنم لیتی ہے۔ اپنا غم جو وہ ہم کو تم کو دے جاتی ہیں وہ اس ایمان کا نور بن کر نئی نسلوں کے سینہ میں محفوظ رہتا ہے، اس کے دوستوں کے دلوں کو گرماتا ہے اور زندہ رکھتا ہے۔

میں تم کو بہت کچھ لکھنا چاہتی ہوں اختر! لیکن ہم تم دونوں اس بات کو جانتے ہیں کہ قلم ہاتھ میں رکھنے والوں کے لئے سب سے سخت آزمائش کا وقت وہ ہوتا ہے جب وہ اپنے کسی ایسے ساتھی کو یاد کرنے کے لئے اپنے قلم کو خونِ دل میں ڈبوتے ہیں جو اب انکے درمیان نہیں، حفیظہ کی محبت، اس کی وفاداریاں، اس کی ہمتیں، حوصلے، زندگی کی وہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں جو اُس کی ہستی سے وابستہ تھیں اب صرف ایک یاد بن کر رہیں گی، اس کی ہنسی کی آواز تصوّر کی وادیوں میں کہیں گونجے گی۔ اس کے آنسو اب آسمان کے تاروں کی طرح دور ہوں گے۔ جہاں تک ہمارا ہاتھ نہ پہونچ سکے گا۔ پھر بھی۔ پھر بھی اختر۔ اشرف المخلوقات کو یادداشت کی فضیلت قدرت نے دی ہے اور اس یاد کو جادۂ زندگی کا چراغ بنالینے کی صلاحیت اس نے خود اپنی جدوجہد سے حاصل کی ہے، اور یہ دونوں مل کر موت اور زندگی کو آسان بنا دیتے ہیں۔

تمہاری دعاگو بھابی:- رضیہ سجّاد ظہیر

کرشن چندر کا خط
جاں نثار اختر کے نام

پیارے اختر!

صفیہ کے خطوں کو پڑھ کے پہلا احساس یہ ہوا کہ کس قدر خوش نصیب ہو تم۔ اور پھر یہ جان کر کہ صفیہ اب اس جہان میں نہیں ہے فوراً یہ احساس ہوا کس قدر غم نصیب ہو تم، کہ صفیہ ایسی جاں نثار بیوی تم سے جدا ہو گئی۔ تمھاری شادی کو نو سال ہی ہوئے تھے کہ وہ تم سے جدا ہو گئی اس لئے بھی بہت افسوس ہوتا ہے کہ ابھی تم دونوں کی دوستی پروان چڑھ رہی تھی۔ ابھی اس میں وہ سوچ اور سمجھ پیدا ہوئی تھی جو ذہنی بلوغت، شدید قربت، اور گہری رفاقت کی اندرونی کشمکش سے پیدا ہوتی ہے۔ اب اس رشتے میں وہ رنگ آ رہا تھا جب دو بلند اذہان نہ صرف گھر کی گاڑی آگے چلانے کے لئے بلکہ سماج کی گاڑی آگے چلانے کے لئے، اس کی اہمیت سے پورے طور پر واقف ہو کر ذہنی اور جذباتی اعتبار سے ہم سطح ہو جاتے ہیں۔ عین اس موقع پر صفیہ کی جدائی ایک شدید دھچکے کے ساتھ محسوس ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ایک ہرے بھرے شاداب درخت کی سب سے بڑی ڈال یکایک تڑتڑا کر اپنے تنے سے ٹوٹ گئی ہو۔ اس موقع پر تم نے جس بلند حوصلہ کا ثبوت دیا ہے اور ایک فرد کی محبت کو سماج کی محبت میں ڈھال دیا ہے، وہ تمھارے ذہنی تفکر کی پختگی اور تمھاری شاعری کے سماجی خلوص کی روشن مثال ہے۔

صفیہ کے انتقال پر جو نظم تم نے کہی ہے میرا خیال ہے اُردو میں اس نوع کی بہت کم نظمیں کہی گئی ہیں یہ تو نہ نوحہ ہے نہ مرثیہ ہے نہ مرنے والی کا قصیدہ ہے اس نظم پر تمہارے ذاتی غم کی چلمن تو پڑی ہوئی ہے لیکن اس چلمن کے پیچھے ایک پورا ہندوستانی گھر آباد ہے مجھے اس نظم میں ایک ایسے سماج کی بنیاد نظر آتی ہے جو ابھی ہے نہیں لیکن جسے ہونا ہے اس نظم میں انسان اور زندگی سے ایک ایسی بھرپور محبت پائی جاتی ہے کہ موت اپنے کامیاب ترین لمحوں میں زندگی سے ہراساں نظر آتی ہے اور جدائی کے آخری کربناک تانوں میں بھی وصال کا شبہ ہوتا ہے۔ جیسے صفیہ کا ہاتھ اب بھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ جیسے اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اب بھی تمہارے ماتھے پر کھیل رہی ہے۔ جیسے اس کی نگاہوں کی نرمی اور گرمی اب بھی تمہارے دل کو مئے شبانہ سے مخمور کئے ہوئے ہے۔ ذرا سوچو تو نو سال کی بلند اور متوازن رفاقت نے اُردو کو یہ نظم دی ہے۔ اگر یہ رشتہ محض جسمانی ہوتا، جیسا کہ ہمارے سماج کی بدنصیبی اور کوتاہی اور جہالت سے لاکھوں گھروں میں ہوتا ہے، تو یہ نظم کہاں سے ہوتی۔ ایک اچھی تخلیق کے پس پردہ نئی زندگی کے تصوّر کی کتنی خوبصورتیاں اور مضبوطیاں چھپی ہوتی ہیں اور کتنے طویل تسلسل کی صبر آزما کشاکش کے بعد ایک اچھی تخلیق معرضِ وجود میں آتی ہے۔

تمہاری نظم کا یہاں میں نے اس لئے ذکر کیا کہ اس کے بغیر تمہارے اور صفیہ کے جذبات اور افکار کی کہانی جو ان خطوں میں بیان کی گئی ہے نامکمل رہتی ہے اس لئے اگر تم کسی طرح ان خطوں کے ساتھ اپنی نظم کو شامل کر سکو اور دونوں کو اکٹھے شائع کرو تو اس سے صفیہ کا کردار پوری طرح سے اُبھر کر پڑھنے والوں کے سامنے آجائیگا۔

صفیہ کے خط ایک ہندوستانی عورت کے خط ہیں۔ ان خطوں میں ایک ہندوستانی گھرانے کی تصویر ملتی ہے۔ یہاں بچوں کا ذکر ہے اور نوکروں کا، گاؤتکیوں

اور فرش پر بچھی ہوئی چاندنیوں کا تخت پوشوں کا، سُرخ بلاؤزوں کا اور سفید ساڑھیوں کا۔ ان خطوں میں جاوید اور اویس کی معصوم شرارتیں ہیں۔ اور ایک مجبور شوہر پرست بیوی کے متلاطم جذبات ہلکورے لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔
ان خطوں کے اندر ہی اندر مجھے اپنے پرانے کلچر کی دھیمی دھیمی رو بہتی ہوئی ملتی ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کالی داس کے میگھ دوت کا ہجر، اس کی تمنائے وصال، اس کی محرومی دنا کامی سیکڑوں برس کے بعد آج بھی زندہ ہے۔ اور اسی طرح نازک دلوں کو برماتی ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے جیسے صفیہ کی یہ نازک نسائی تحریریں ڈاک سے نہیں بھیجی گئی ہیں بادل کے ٹکڑوں پر اتاری گئی ہیں۔ شفق کی موہنی، برسات کی لسائی ہوئی شام، آنسوؤں کی طرح چپ چاپ گرتی ہوئی بوندیاں اور محبوب کی یاد۔ صفیہ کے خطوں میں یہ محسوسات ہمارے پرانے کلچر کی حسین ترین یادگاروں کو تازہ کرتے ہیں۔
ہمارے پرانے ادب اور کلچر میں تم جانتے ہو عورت بے زبان اور گونگی نہیں ہے۔ اس کا اپنا ایک کردار ہے اور وقار ہے۔ جس طرح زندگی کے دوسرے کاموں میں وہ برابر کی حصہ دار ہے اسی طرح عشق میں بھی وہ برابر کی حصہ دار ہے۔ وہ خود عشق کرتی ہے اور مرد کو اپنا محبوب متصور کرتی ہے اور اس کے اظہار کو گناہ نہیں سمجھتی بلکہ اپنی جذباتی زندگی کی معراج سمجھتی ہے۔ صفیہ نے اپنے خطوں میں اس جذبے کو جس خلوص، پاکیزگی اور نسائی خوبصورتی سے ادا کیا ہے، وہ اس کی رفعتِ احساس کی دلیل ہے۔
لیکن صفیہ ان خطوں میں مجھے صرف اپنے پرانے ہندی کلچر کی نمائندہ نظر نہیں آتی۔ اگر معاملہ یہیں تک آکے رک جاتا تو یقیناً کوئی بڑی بات نہ ہوتی۔ مگر بڑی بات تو یہ ہے کہ صفیہ کے خطوں میں مجھے نئی ہندوستانی عورت کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ عورت جو بیوی بھی ہے۔ رفیق بھی ہے۔ ساتھی بھی ہے۔ وہ عورت جو مرد کے بازوؤں کی

زینت ہی نہیں بلکہ خود اس کا ایک بازو ہے، اس کی قوت ہے اور توانائی ہے۔ ایسی عورت جو اپنے شوہر سے الگ ہٹ کے بھی سوچ سکتی ہے۔ وہ عورت جو اپنے شوہر کی پرستش کرتے ہوئے بھی اس کی ناقد ہو سکتی ہے۔ اس کی ناصح ہو سکتی ہے۔ وہ عورت جو اپنے خاوند کی دوست ہے اس کی ہمراز ہے۔ اس پر جملے کستی ہے۔ کبھی ماں بن کر ممتا جتاتی ہے۔ کبھی بہن کا پیار دکھاتی ہے۔ کبھی بھائی کی طرح بازوؤں میں بازو ڈال کر چلتی ہے۔ کبھی ایک عجیب انداز سے شفیق باپ کی طرح سمجھاتی ہے۔ یعنی ایک ایسی عورت جو اپنے خاوند کا ضمیمہ نہیں ہے۔ اس کی سماجی زندگی کا ایوننگ ایڈیشن نہیں ہے بلکہ ہر صبح و شام اور ہر ماہ و سال اپنی ایک الگ شخصیت رکھتی ہے۔ صفیہ کے کردار میں اس نئی ہندستانی عورت کا کردار ملتا ہے۔ جس نے اپنے آپ کو صرف چوٹھے چکی تک محدود نہیں رکھا ہے۔ بلکہ آگے بڑھ کے اپنے خاوند کی ذہنی زندگی میں اپنے سماج اور اسکے معاشرے میں ایک ذمہ دار فرد کی حیثیت سے کام کیا ہے۔

صفیہ کو ہمارے سماج کی ناہمواری اور اس کی غیر متوازن کیفیت کا پورا پورا احساس ہے۔ اس کے خطوں میں تم دونوں کا جو رشتہ ہے وہ الگ سے نظر نہیں آتا۔ بلکہ ہمارے سماج کی پوری زندگی سے بندھا ہوا نظر آتا ہے۔ صفیہ کا احساس ہجر ہمارے سماج کا ہجر ہے۔ جہاں سچی محبت کو وصال ممکن نہیں۔ اس کے گھر کی جو ناآسودگی ہے وہ اس سماج کی ناآسودگی نظر آتی ہے۔ جہاں محنت لوٹنے والوں کا غلبہ ہے۔ صفیہ کی اپنی جو بیماری ہے اور جس نے آخر اس کی جان لے لی وہ خود بھی آخر میں سماج کی اپنی بیماری نظر آتی ہے، ایک طویل مسلسل بیماری جس کے خلاف صفیہ آخر دم تک مزاحمت کرتی رہی ہے۔ اپنے آخری خط میں وہ تمھیں لکھتی ہے میں مرنا نہیں چاہتی، میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ میں تمھارے ساتھ ساتھ چل کر زندگی میں حصہ لینا چاہتی ہوں۔

یہ امر حیرت زا نہیں ہے کہ ڈاکٹروں نے صفیہ کی بیماری کی جو تشخیص کی اس کی سب سے بڑی وجہ انھوں نے اعصابی کوفت بیان کی اور اس کا علاج اچھی غذا اور بہتر سے بہتر سکون بتایا۔ صفیہ بڑے غم اور غصے سے اپنے خط میں لکھتی ہے "مگر سکون اس زندگی میں کہاں ممکن ہے" وہ سماج کے چھپے ہوئے رشتوں کی طرف اپنے خطوں میں بار بار اشارہ کرتی ہے۔ اور بار بار زبانِ حال سے کہتی ہے اگر میں مرگئی تو میرا خون سماج کی گردن پر ہوگا۔ جہاں سکون اور مسرت اور صاف ہوا اور مفت علاج ممکن نہیں جانے ایسی ہونہار صفیہ ہمیں کب تک اپنی جواں مرگی سے ہمیں تڑپاتی رہیں گی۔

زندہ رہنے، موت سے لڑنے سماج کو بدلنے کے شدید احساس کے ساتھ ساتھ مجھے صفیہ کے خطوں کی ادبیت کے بارے میں بھی کچھ کہنا ہے۔ صفیہ ابھی ایک ابھرتی ادیب تھی۔ وہ ایک ایسی کلی تھی جسے ابھی پھول ہونا تھا۔ ابھی ابھی اس نے لکھنا شروع کیا تھا کہ اسے موت آگئی۔ مکروہات دنیا نے غمِ روزگار نے کشاکشِ حیات نے اس کے ادبی جوہر کو پنپنے نہیں دیا جیسے ہمارے بہت سے ناشگفتہ ادیب درِ شہوار ہونے سے پہلے ہی طوفانی لہروں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح صفیہ ہمارے سماجی بحران کا شکار ہوگئی۔ اگر وہ زندہ رہتی تو عصمت اور ہاجرہ کی طرح ہمارے ادب کے ماتھے کا دلنواز جھومر ہوتی۔ اس کے ان خطوں میں مجھے اس کے بھائی مجاز کا سا رنگ ملتا ہے اس کی شاعری کا رنگ نہیں اس کی نثر کا رنگ، اس کے چبھتے ہوئے طنزیہ فقروں کا رنگ۔ اس کی برمحل برجستہ گفتگو کا رنگ۔ اپنی سماجی سوجھ بوجھ میں، اپنے انداز فکر میں، اپنے محسوسات کی تنظیم و ترتیب میں صفیہ مجاز سے بہت آگے تھی۔ اس لئے اگر وہ زندہ رہتی تو اپنے بھائی کی بہترین روایات کو بہت آگے لے جا سکتی تھی۔ صفیہ کی

موت گلستانِ ادب کی بہت سی بے جانی بے پہچانی کلیوں کی موت ہے۔

اختر! مجھے اپنے رنج میں شریک کرلو، کیونکہ صفیہ میری بہن تھی۔ وہ ہماری طرح کے خیالات رکھنے والوں سب کی بہن تھی۔ ہم اُس کی یاد کو اپنے دل میں اور اپنے کام میں زندہ رکھیں گے۔

تمہارا بھائی

کرشن چندر

صفیہ اختر کے خطوط

محبوب منزل
بھوپال
۲۲ر دسمبر ۴۹ء[1]

عزیز اختر!

شدید انتظار کے بعد خط ملا۔ استعفیٰ میں آج پرنسپل کے پاس نہ پہونچا سکی، وہ جا چکا تھا۔ کل صبح لے جاؤں گی۔ تم نے استعفیٰ دیدیا اچھا کیا۔ ایک طویل ذہنی کشمکش کا خاتمہ یونہی ممکن تھا۔ اگرچہ دوسری جانب بھوپال کی زندگی کی سہولتیں اور کالج کی ملازمت کشش انگیز تھی۔ میری طبیعت کی کمزوری سمجھو یا کچھ بھی، میرے لئے یہ فیصلہ مشکل ہوتا، بہرحال تم نے اپنے عزم کا ثبوت دیا اور سچ جانو میں تمھاری فوقیت کے احساس سے سرجھکا دینے پر تیار ہوں۔

تمھیں کل ہی پیسے روانہ کروں گی۔ تمھیں اس طرف سے واقعتاً سخت تکلیف ہوگی۔ بے تکلف ہر ضرورت اور ہر پریشانی سے مطلع کرتے رہنا۔ ہاں عصمت آپا[2] کے یہاں ایک آدھ ماہ گذار لو تو اچھا ہے۔ شاہد[3] سے تمھارا پرانا خلوص ہے اور

---

[1] صفیہ مرحومہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخیں بہت کم خطوں پر موجود ہیں۔ زیادہ تر تاریخیں لفافوں کی مہر سے یا پھر واقعات کی ترتیب کے اعتبار سے ڈالی گئی ہیں۔ [2] عصمت چغتائی [3] شاہد لطیف۔

عصمت آپا کو تمھارے cause سے خلوص ہے، ظاہر ہے کہ ان لوگوں پر تم کبھی بار نہ ہو گے۔ اس طرح سے سوچنا تمھاری زیادتی ہو گی۔

اور ——— خود کو کسی طرح متاثر نہ کرنا۔ اچھے برے وقت سب گذر جاتے ہیں، پریشانی کا مقابلہ عزم اور استقلال سے کرنا اخلاقی بلندی کی دلیل ہے۔ جذباتی طور پر اپنی بے روزگاری کا صدمہ نہ لے بیٹھنا، ظاہر ہے کہ اگر تم چاہو تو تمھاری ٹھاٹھ دار ملازمت آج بھی تمھاری منتظر ہے۔ لیکن یہ تو اپنی Choice کا سوال ہے اس پر خود ہی جی کو کڑھانا کیسا؟ اپنی تندرستی کی طرف سے لاپروا ہو کر بری طرح دوڑ دھوپ میں بھی مت لگ جانا۔ خدا نخواستہ بیمار حیران ہونے کی نوبت نہ آجائے۔ میرے دوست!

میں تم سے علیحدگی کے دن پوری ہمت اور پورے استقلال سے گذار لوں گی۔ کالج کی دنیا اور گھر کی دنیا ابھی کچھ تو میرے لئے اُجڑ گیا، مگر اختر بہت سے لوگ تو ہم سے بھی زیادہ پریشانیاں اُٹھا رہے ہیں۔ ہمیں تو اُن کی طرف دیکھنا ہو گا۔ اپنے غم کو میں طول نہیں دوں گی۔

اختر سعید[1] کو میں نے آج بلا کر گفتگو کی۔ غریب بہت ہی متاثر سا ہو گیا۔ شہاب[2] بھی آج آئے تھے اور پورے وقت تمھارا ہی ذکر کرتے رہے۔

بھوپال کے حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ ہر ایک کے گھر کی تلاشی لی جا رہی ہے اور مختلف لوگوں کو مختلف طریقوں سے پریشان کیا جا رہا ہے۔ میرے لئے ملازمت کی کوئی صورت ضرور سوچتے رہنا۔ میں ہر چھوٹی بڑی ملازمت کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے تمھارے ساتھ

---

[1] اختر سعید خاں ایڈوکیٹ سکریٹری انجمن ترقی پسند مصنفین بھوپال [2] شہاب اشرف لیکچرار حمیدیہ کالج بھوپال

رہ کر دُکھ بھی سُکھ معلوم ہو گا۔ تم سلطانہؔ[1] سے اس معاملہ کا تذکرہ کرنا شاید وہ کچھ مدد کر سکے۔ اگر کوئی اُلٹی سیدھی صورت بھی پیدا ہو سکی تو میں فوراً ہی تمھارے پاس پہونچ جاؤں گی۔ ہاں کپڑوں کی تمھیں تکلیف ہوگی۔ دو پاجامے بے سلے میں نے رکھ دیے تھے، وہ تم عصمت آپا کی بھانجیوں سے سلوا لینا۔ شیروانی کل ہی منگواؤں گی اور تمھیں بھیج دوں گی۔ اچھا، بہت سے پیار۔

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۲۳ر دسمبر ۴۹ء

اختر عزیز!

میں نے تمھارا استعفا نوشہ[2] صاحب کو صبح ہی بلا کر دیا اور ان سے کہا کہ وہ اسے پرنسپل تک پہونچا دیں۔ میری ہمت کچھ ناکام سی ہوئی۔ جب توقع پرنسپل نے مجھے بلایا اور کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک سمجھاتا رہا۔ اس نے کہا کہ وہ کسی قیمت پر تمھیں ہاتھ سے دینے کو تیار نہیں ہے اور زبردستی اس نے مجھ سے اُنتیس تک کی چھٹی کی درخواست دلوا دی اور استعفا نوشہ صاحب ہی کے پاس رکھ دیا مجھے ہدایت کی کہ میں ٹرنک کال کروں اور واپس آجانے کو کہوں۔ بہرحال یہ تھی داستان۔ اب تم کیا سوچتے ہو اختر؟

یہاں کے سارے اسٹاف والے سخت متاثر ہیں۔ خصوصاً گپتا صاحب، گرو جی۔ اور شہاب کو تمھارے جانے کا شدید افسوس ہے۔

---

[1] سلطانہ جعفری [2] نوشہ علی پروفیسر حمیدیہ کالج بھوپال۔

آج میں آپاؔ کے پاس گئی تھی۔ اُن کا اصرار ہے کہ انھیں کے پاس چلی آؤں، مگر اخترؔ! جس گھر کو کیسی کیسی چاہت سے بنایا تھا اسے تمھاری یاد سے سنوارے رکھنے کو جی ضرور چاہتا ہے۔ آگے تمھاری جیسی مرضی ہوگی وہی کروں گی۔ تم اپنا فیصلہ جلد ہی لکھ دو تاکہ کم تک اس کی تکمیل کر سکوں۔

انجمن کا الکشن اکتیس پر ملتوی رہا۔ پچھلی مرتبہ Quorum ہی پورا نہ ہوا تھا۔ صہباؔ کی انجمن[1] Dissolve ہوگئی۔ خود اپنی ہی انجمن سے صہبا، رشدی، وجدی سب نے استعفے پیش کر دیئے۔ اور کیا لکھوں؟ عصمت آپا کو میرا بہت بہت سلام سیما کیسی ہے؟

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال
یکم جنوری ۵۰ء

اخترؔ عزیز!

تمھارا استعفا ہنوز نوشہ صاحب ہی کی جیب میں ہے۔ اب پرسوں کالج کھلنے پر نوشہ صاحب ہی کی معرفت اس کو آگے بڑھوانے کی کوشش کروں گی۔ پرنسپل غریب اپنی معصومیت کا شکار مجھ سے ہمدردی پر تلا ہوا ہے اور ہر ہر طریقے سے مجھے سمجھاتا ہے کہ میں تمھیں واپس بلاؤں۔ اس کا کہنا ہے کہ تم ایک بار آجاؤ تو تمھارا جنون ختم ہو جائے گا۔ دوسری طرف سارے شہر میں اس خبر کی بُری طرح رسوائی ہو چکی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ "ندیم"[2] اس خبر کو دوبار مختلف طریقوں سے

---

[1] جاں نثار اختر کی بہن تھیں۔ انجمن ترقی پسند مصنفین بھوپال سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد کچھ دنوں کے لئے صہبا لکھنوی نے ایک متوازی انجمن قائم کر لی تھی۔ [2] روزنامہ "ندیم" بھوپال۔

چھاپ چکا ہے۔ بعض لوگ سوچتے ہیں کہ غالباً میرے اور تمھارے درمیان اَن بَن ہو گئی ہے۔ غرضکہ جتنے مُنہ اتنی ہی باتیں۔ تمھاری ہنگامہ پسندی کی تسکین کا موقع اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا۔ اختر! تمھاری محبت کی آنچ مجھے تو کندن ہی بنا کر چھوڑے گی۔ کردار کی پختگی کے سبق مجھے ملتے رہنے دو۔

ہاں شیروانی اور کپڑے تم کو تاجؔ کی معرفت ضرور بھیجوں گی۔ لحاف غیر ضروری ہو تو واپس ہی کر دینا۔ کہاں لیئے پھروگے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم کوشش کے سلسلے میں عجلت پسندی اور شدت سے کام مت لینا تھوڑا Poise برقرار رکھنا۔ مناسب اور ضروری ہوتا ہے ورنہ دوسروں کو حاجت مندی کا احساس ہونے لگتا ہے اور یہ چیز معاملہ کو کمزور کر دیتی ہے۔ پیسے کی طرف سے تم اس درجہ بے سہارا مت ہونا۔ دو چار ماہ بھی کوئی شکل نہ پیدا ہو سکے تو اچھی نہ سہی، بُری طرح گذر ہوتی ہی رہے گی۔

یہاں ایک اُداسی اور افسردگی کا دورہ ہے۔ آج تو میں نے تمھاری یاد کو نئے سال کی آمد سے سنوارنا چاہا۔ آخر یہ سوگواری کاہے کی؟ میں نے سوچا

"وہ آئیں نہ آئیں پر تجنیؔ! گھر ہم کو آج سجانا ہے۔"

مگر سچ جانو یہ دل تو بہت ہی سرکش ہے کب قابو میں آنے والا ہے بہر حال محنت اور مصروفیت کا سہارا لے کر دن کاٹ دینا چاہتی ہوں۔

بڑی بی کو رخصت کر دیا ہے۔ عثمان ہی کھانا پکا لیتا ہے۔ کھانا مختصر سا رہ گیا ہے کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

پیسے تنخواہ ملنے پر اور بھیجوں گی۔ اتنے کم پیسوں سے مبئی میں کیا کام چل سکتا

سلہ محمد علی تاجؔ بھوپال کا ہونہار شاعر

ہے۔ خصوصاً جب تم شاہد کے گھر سے منتقل ہونے کی نیت بھی کر رہے ہو۔

عصمت آپا کو میرا آداب کہنا۔ تاج کی معرفت ان کی رضائی بھی بھیجوں گی۔ پھر جلد ہی خط لکھوں گی۔ کچھ دیر تم سے اس طرح ہی باتیں کرنے کا موقع تو مل جاتا ہے۔ ورنہ میں ہوں اور میری ذات۔

اچھا بہت سے پیار

تمھاری صفیہ

بھوپال

۵ر جنوری سنہ ۵۰ء

عزیز اختر!

آج تین چار دن گذر گئے تمھیں خط لکھے ہوئے۔ اس دُوری اور خاموشی سے دم گھٹ کر رہ جاتا ہے۔ کالج میں آئے دن نئے دھندے شروع ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کل مسز بنرجی مدعو تھیں لڑکیوں کے کھیل کی گراونڈ کے افتتاح کے لئے۔ دو دن مصروفیت کے مارے میرا برا حال رہا مرتا کیا نہ کرتا۔ بہر حال بخیر گذشت آج مہلت کا دن تھا لیکن آج سلمیٰ[1] بھوپال کو الوداع کہہ گئیں، چنانچہ شام کو ان لوگوں سے ملنے شملے[2] گئی تھی۔

اب اپنے حالات :۔ استعفا بحالت مجبوری پرنسپل نے پرسوں یعنی تیسری کو لے لیا۔ پرنسپل کو شدید افسوس ہے اور کل بھی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اگر اسے قبل سے علم ہوتا تو وہ تمھیں سمجھا بجھا کر روک لیتا۔ تمھاری جگہ کے لئے صفی اللہ وغیرہ کی درخواستیں آگئی ہیں۔ میں نے پرنسپل سے پوچھا کہ اگر اس کی مرضی ہو تو میں بھی ایک درخواست

---

[1] صاحبزادہ نواب رشید احمد خان صاحب کی منجھلی صاحبزادی [2] صاحبزادہ رشید الظفر خان صاحب کی کوٹھی کا نام

درخواست بڑھادوں۔ اس نے کہا کہ اسی شرط پر کہ میں مستقل قیام کا ارادہ رکھوں بہرحال تم جیسا کہو گے کروں گی۔

تم کیسے گذر کر رہے ہو؟ کیا حالات ہیں؟ میری راتوں کی نیند انھیں خیالات سے اُچاٹ ہو جاتی ہے۔ تم ہمّت پست نہ کرنا۔ حالات ضرور سنور جائیں گے۔ وقتی پریشانی ہے۔ میرے لئے تمھاری دوری سے بڑھ کر سوہانِ روح کوئی چیز نہیں، گھر سے زیادہ کالج بھیانک معلوم ہوتا ہے۔ کالج میں تمھارے سہارے کی عادت گھر سے زیادہ پڑ چلی تھی۔ گھر کی ذمہ داریاں تو تنہا مجھ پر تھیں البتہ کالج میں اب مجھے تم پر بھروسہ کرنے کی عادت پڑ گئی تھی، تمھارے بغیر بے طرح وحشت ہوتی ہے۔ تازہ مُصیبت یہ آئی ہے کہ فورتھ ایر کے لڑکوں کو کلاس میں شامل کرنے کا حکم مل گیا ہے چنانچہ آج لڑکوں کو بھی کلاس میں شامل کرنا پڑا۔

اختر! مجھے خط بہت جلد جلد لکھتے رہا کرو، تمھارے خطوط سے میری ڈھارس بندھی رہے گی۔ نفیس[1] تمھیں بہت یاد کرتی ہے۔ پیار کہہ رہی ہے۔ خدا کرے تمھاری تحریر مجھے کل دیکھنے کو پھر مل جائے۔

زندگی نے جو راہبانہ انداز اختیار کر رکھا ہے اُسے دیکھ کر تم تو مُسکرا پڑو گے۔ اختر۔ آؤ تمھیں بہت سے پیار کر لوں۔

تمھاری صفیہ

بھوپال

۱۰ رجنوری سنہ ۵۰ء

عزیز اختر! خدا کرے تم بعافیت ہو۔ سات کا تمھارا خط ملا تھا۔ یہاں کے

---

[1] نفیسہ رشیدہ، جاں نثار اختر کی بھانجی۔

حالات کیا لکھوں۔ محنت ومصروفیت کے سوا اور ہے بھی کیا۔ پرسوں ڈاکٹر سلطان[1] کی بیوی کے ساتھ اُن کے گاؤں گئی تھی سنترے کھانے۔ نفیس بھی ساتھ گئی تھی۔ بڑی فرحت کا مقام تھا۔ دل میں تمھاری یاد اُبھر آئی، نہ جانے کیسے ہو گے اور کیا کر رہے ہو گے۔

کل بچاری مسٹر بخش انتقال کر گئیں! رنج ہوا۔ آج اسرانی صاحب[2] کا تبادلہ ایکا ایکی ظہور میں آگیا۔ بڑی ہل چل ہے۔ بس جتنے دن خیر سے گذر جائیں شکر کرنا چاہیے۔

تمھاری ہدایت کے مطابق پیسے روانہ نہیں کر رہی ہوں۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ تمھاری جیب خالی ہوگی، تم لکھو تاکہ منی آرڈر کر سکوں۔

تمھارے پاس تکیہ کے غلاف بھی نہ تھے، وہ بھی بھیجوں گی۔ فروری میں چلے آؤ، پھر مل کر آگے کی بات سوچیں گے۔ خود کو زیادہ سرگرداں نہ کرنا اختر، تمھاری ہستی مجھے بہت پیاری ہے۔ تم اس طرح بربادی میں پڑنے کی چیز نہیں۔ پھر غضب تو دیکھو کہ میں تمھاری پریشانیوں سے سیکڑوں کوس دُور یہاں بے بسی کے عالم میں تمھاری خیریت کو ترستی رہتی ہوں۔ خط تو لکھتے ہی رہا کرو اور تفصیل سے حالات بھی لکھا کرو، شاید کسی موقع پر میں کوئی مفید بات ہی سوچ کر مشورہ دے سکوں۔

ایک مستقل زہد کا عالم طاری ہے۔ تمھاری تصویر نظروں میں اکثر گھوم کر رگ و پے کو گرما جاتی ہے۔

ہاں فورتھ ایر کے لڑکے بھی میری سپردگی میں آگئے ہیں۔ بڑی "مرعوبیت" کی فضا کلاس میں قائم ہو گئی ہے۔ غنیمت جانو ورنہ مجھے تو ڈر بہت تھا۔

---

[1] پروفیسر کیمسٹری ڈپارٹمنٹ حمیدیہ کالج بھوپال

[2] اسسٹنٹ چیف کمشنر بھوپال

عصمت آپا کو آداب کہو۔ ان کے لئے بٹوہ بنوایا ہے میں نے، بھیجوں گی۔

زیادہ پیار۔ جواب لکھو

تمھاری صفیہ

بھوپال

۱۳ر جنوری سنہ ۵۰ئہ

عزیز اختر!

خدا کرے تم بعافیت ہو۔

آج ایک ہفتہ ہونے کو آیا تمھارا کچھ حال مجھے معلوم نہیں۔ سخت فکر ہے۔ میرے لئے تمھارے خط کی جو اہمیت ہو سکتی ہے اس کا اندازہ تم نہ کر سکو گے۔ اپنا حال لکھو، خواہ وہ پریشان ہی کیوں نہ ہو۔ پتہ نہیں تم عصمت آپا کے یہاں سے منتقل تو نہیں ہو گئے۔

یہاں کا دستور وہی ہے۔ مستقل سناٹا اور خاموشی، محنت اور مصروفیت نثار[۱] اور نفیس[۲] کا ساتھ بہت غنیمت ہے۔ گھر کی ہر شئے تمھاری منتظر سی معلوم ہوتی ہے۔ بعض وقت تو یہ جانو ایسا شبہہ ہوتا ہے کہ تم آ ہی گئے۔ کب ملنا ہوتا ہے دیکھو۔ فروری میں ضرور آ جانا۔

خط لکھو۔ میں تمھاری خاموشی کی برداشت نہ پیدا کر سکوں گی۔

بہت سے پیار لو

تمھاری اپنی صفیہ

۱؎ نثار پرویز ۲؎ نفیسہ رشید

بھوپال

۱۹ر جنوری ۱۹۵۰ء

اختر عزیز

خوش رہو۔ تمھارا خط عین انتظار میں ملا۔ اب میں اس کے سہارے دو چار دن اچھی طرح گذار سکوں گی۔ شکر ہے کہ تم بعافیت ہو۔ مجھے نہ جانے کیا کیا وسوسے پریشان کر دیتے ہیں۔ اب میں تمھارے کپڑوں کا پارسل کل روانہ کر دوں گی اور عصمت آپا کا بٹوہ بھی رکھ دوں گی۔

تمھاری جگہ کے لئے درخواست دینے کی ذاتی خواہش تو مجھے نہ تھی مگر تمھاری ہدایت ہے تو ضرور دوں گی۔ تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ کالج سے واپسی پر کیا کرتی ہوں۔ آج کل چھبیس جنوری کے سلسلے میں بڑی پُرزور تیاریاں ہو رہی ہیں۔ چنانچہ چھوٹے بچوں کے لئے ایک Feature میں نے لکھا ہے۔ جس کی تیاری بھی میرے ہی سپرد ہے۔ شام اُسی میں صرف ہو جاتی ہے، ورنہ کبھی ڈاکٹر سلطان صاحب[1] کے یہاں بھی چلی جاتی ہوں۔ پڑوس بہت غنیمت مل گیا ہے۔ بیچاری مسز سنگر بہت ہی شریف اور محبت والی عورت ہے۔ خاصی دلجوئی ہو جاتی ہے، ورنہ پھر گھر ہے اور میں ہوں۔ بُنائی کرنے سے آنکھیں سخت خراب ہو گئی ہیں لہٰذا ہر وقت سر میں مدّھم سا درد رہتا ہے اور کسی طرح کی پڑھائی لکھائی ممکن نہیں ہے۔ اس طرف پرکاش پنڈت کا خط تمھارے نام آیا تھا۔ نظم کی فرمائش تھی اور ایک خط عرش ملسیانی کا آیا تھا میرے مضمون کے لئے۔ چنانچہ سوچتی ہوں کہ بھیج دوں۔

---

[1] سب ایڈیٹر رسالہ "آج کل" دہلی۔

بس سینما میں گانا بیچنے کے برابر ہی حماقت یہ بھی ہوگی اس سے زیادہ نہیں، یہی تسلی ہوگی کہ کچھ پیسے ہاتھ لگ جائیں گے۔ شاہراہ میں تمھاری تصویر چھپ گئی ہے۔ دیکھی ہوگی؟ عصمت آپا کا افسانہ[1] شاہراہ والا بہت پسند آیا! سو اتنی بات کے کہ سیدین نے ہرگز انھیں اتنا آزار نہ دیا ہوگا جیسا صدمہ انھوں نے اپنی "درازقلمی" سے ان کی بیوی کو پہنچا دیا۔ بہر حال افسانہ بہت کامیاب ہے۔

کالج کے متعلق تم نے پوچھا ہے، سو بس یہ جان لو کہ تمھارے جانے کے بعد سے ابتک میں نے اسٹاف روم میں جھانک کر نہیں دیکھا ہے۔ بس پرنسپل کے آفس کا ایک چکر، باقی لڑکیوں کے حصے میں رہنا، اور آجانا۔ فورتھ ایر کو آج کل مجنوں کے افسانے[2] پڑھا رہی ہوں۔ ویسے کالج والوں کا سلوک بہت شریفانہ اور معقول ہے۔ وہ تمھاری یاد کے اور کوئی چیز مجھے وہاں پریشان کرنے نہیں آتی۔ کالج تم بن مجھے سُونا نظر آتا ہے۔ بس خاموش رہ کر گذر کرلیتی ہوں۔

ہاں تمھارا استعفا تین تاریخ سے منظور ہو گیا ہے۔ اب تنخواہ وغیرہ کے بارے میں پوچھوں گی۔ لیکن اگر تنخواہ ملنے کے امکانات بھی ہوں گے تو لائبریری کی کتابوں کا سوال پیدا ہوگا۔ خیر دیکھوں گی۔

تم سے باتیں کرنے کو کس طرح دل چاہتا ہے۔ بعض وقت تو یہ ایک مہینے کا عرصہ برسوں کے برابر معلوم ہونے لگتا ہے۔

ادیس[3] تمھاری عدم موجودگی میں بہت شیر ہو گیا ہے۔ آج ہی جادو[4] کا بھی خط

---

[1] کچے دھاگے [2] مجنوں گورکھپوری کے افسانوں کی ایک کتاب [3]، [4] جاں نثار اختر کے دونوں بچّے۔

آیا ہے، شکر ہے کہ وہ اچھا اور خوش ہے۔

تم مجھے مختصر ہی سہی مگر جلد جلد خط لکھتے رہو۔ میں تمھارا خط پاکر مسرور ہو جاتی ہوں۔ اپنی کوئی پریشانی مجھ سے چھپا کر نہ رکھنا ورنہ میں تم سے فریاد کروں گی

بہت سے پیار۔ بے شمار یادیں

تمھاری صفیہ

بھوپال

۲۴ر جنوری سنہ ۵۰ء

عزیز اختر!

آج کئی دن ہوگئے نہ میں نے ہی تمھیں خط لکھا اور نہ تمھاری کوئی تحریر آئی۔

آج کل احساسات اس طرح کچلے ہوئے محسوس ہوتے ہیں کہ قلم اٹھانے کی سکت بھی پیدا نہیں ہوتی۔ بس، وقت کے دھارے پر بے اختیار بہے جا رہی ہوں کوشش اور ارادے کے بغیر۔ بعض وقت تو جنون سا پیدا ہونے لگتا ہے۔ پھر سوچتی ہوں کہ میں ماں ہوں دو بچوں کی، اور مجھے زعم ناقص ہے۔ تمھاری زندگی میں بہتری کے اضافے کا، پھر کیا یہ تسلیاں کافی نہیں۔ لیکن سچ جانو۔ "ان سے مل کر بڑھ گئیں کچھ اور بھی بیتابیاں" والا مضمون میرے حق میں درست ثابت ہوا ہے۔ تمھارے جانے کے بعد سے بھوپال کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ کب یہ تنہائی کا دور ختم ہوگا میرے اللہ!

تم خط نہیں لکھتے، میری ڈھارس نہیں بندھاتے۔ اس تنہائی میں تمھارا خط میرے زندہ رہنے کے لئے حد درجہ ضروری ہے۔ اس طرح چپ نہ ہو جایا کرو۔

تمھارے پیغامات آپا تک پہونچا دیئے تھے۔ کل پرسوں سے وہ یہیں آئی ہوئی تھیں۔ ان کے اہتمامات بھی نہایت بے ڈھنگے ہیں۔ یہ مہم سرانجام ہو سکے جب ہی جانو۔

یہاں قدوس[1] اور حنیف[2] وغیرہ پرسوں داخل زنداں ہو گئے۔ آج عالیہ[3] عسکری کالج میں ہنگامہ کرانے میں کوشاں تھیں۔ اور میری پوزیشن سخت نازک ہو رہی تھی۔ ان نازک حالات کے ساتھ میری گزر یہاں آئندہ سال کسی طرح نہ ہو سکے گی۔ ہاں گورنمنٹ نے میرے جونیر لکچرار کی جگہ پر منتقل کرنے سے اتفاق نہیں کیا۔ اتفاقات ہیں زمانے کے۔

ان تمام باتوں سے بس کالج سے دل اُٹھتا ہی رہا ہے۔ بہرحال تم پریشان مت ہونا۔ میں ہر تلخی کو تمھاری خاطر گوارا بنانے کی سکت خود میں پاتی ہوں۔

بے شمار پیار

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۲۷ جنوری ۴۰ء

عزیز اختر!

خدا کرے تم اچھی طرح ہو۔

تمھارے خط کا انتظار رہی ہے۔ نہ جانے کیا کیا پریشانیاں گھیر لیتی ہیں اگر اس مرتبہ تو تم نے بہت ہی دیر کر دی۔ اچھے تو ہو۔

---

[1]،[2] حمیدیہ کالج بھوپال کے دو ہونہار طالب علم [3] محمد مہدی ایڈیٹر عوام کی چھوٹی بہن۔

تم گھبراؤ نہیں، اپنی بے روزگاری کو زندگی کا دردناک حادثہ کیوں سمجھو اگر تم پسند کرتے تو بھوپال میں اب تک ٹھاٹھ کر سکتے تھے۔ پھر گھبرانا اور پریشان ہونا کیسا؟ میں تو ملازمت چلاتی رہوں گی۔ اس طرح تم میری اور بچوں کی فکر سے آزاد رہو گے۔ ابھی تو گذر کرنے بھر کا مل ہی رہا ہے اختر!

مجھے اپنی خیریت سے آگاہ کرو۔ میری زندگی تمہاری یاد سے روشن ہے اور ہر رگ و ریشہ تمہاری دید کا منتظر۔

یہاں چھبیس کو کالج میں میرا[1] لکھا ہوا Feature اور سنگر[2] کا لکھا ہوا ڈرامہ کھیلا گیا۔ بچوں کی تیاری میرے ہی سپرد تھی۔ بس دیوالہ نکل گیا۔ درخواست ابھی تک ٹائپ ہو کر نہ مل سکی جو داخل کر سکوں۔ شہاب، ہری پرشاد، نیوتن کمار سب سے کہہ کر تھک گئی۔ اب کل نوشہ صاحب سے کہہ کر ہی ٹائپ کراؤں گی۔

اختر! تمہارا جی مجھے خط لکھنے کو کیوں نہیں چاہتا؟ سچ سچ لکھو میں بہت پریشان ہو جاتی ہوں، تمہاری خاموشی سے۔

اچھا آج ہی خط لکھو
تمہاری صفیہ

بھوپال
۳۱ جنوری سنہ ۵۰ء

عزیز اختر!
آج اکتیس ہو گئی اور تمہارا کوئی خط انیس کے بعد سے مجھے نہیں ملا۔ کیا تم مجھ سے کسی بات پر ناراض تو نہیں؟ غصے میں بھی تو تم کبھی اس طرح خاموشی اختیار

[1] پروفیسر سنگر، حمیدیہ کالج بھوپال [2] پروفیسر نوشہ علی

نہ کیا کرتے تھے اختر! میں تو مر جاؤں گی۔ اگر تم اسی طرح خطوں میں تساہل برتتے رہے علی گڑھ پھر میرے لئے اپنی سی جگہ تھی۔ بھوپال میں تمھارے خط بغیر گزارہ ممکن نہیں خط لکھو، خیریت لکھو۔

دو تین دن سے مجھے بخار ہے۔ آج بھی کالج نہیں گئی، طحال کا فساد معلوم ہوتا ہے۔ مضمون مع تصویر میں نے جوش[1] صاحب کو بھیج دیا ہے۔ تمھاری غزل فروری میں چھپ رہی ہے۔ اس طرف پرکاش پنڈت کے کئی پوسٹ کارڈ آچکے ہیں۔ تم ضرور کوئی نظم بھیج دو۔

ہاں سرور صاحب[2] کو خط لکھا تھا۔ اُن کا جواب آگیا ہے۔ پندرہ فروری تک آنے کو لکھا ہے۔ پندرہ فروری تک تم بھی آجاؤ تو کیسی اچھی بات ہو۔ سرور صاحب کی میزبانی اچھی طرح سے ہوسکے گی۔

بہرحال خط لکھو، تمھاری خاموشی سے سخت وحشت ہے۔ پیسے عنقریب بھیجوں گی۔ نفیس اور نثار آداب کہتے ہیں۔

تمھاری صفیہ

بھوپال
۶ر فروری ۵۰ء

عزیز اختر!

بہت سے پیار۔ تمھارا خط مل گیا تھا۔ اب یقیناً تم دس بارہ دن تک اُلٹ کر خبر نہ لوگے۔ میرے لئے تمھاری خیریت نہ معلوم ہونا کتنی بڑی اذیت

---

[1] جوش ملیح آبادی ایڈیٹر رسالہ "آج کل" دہلی۔
[2] آل احمد سرور، پروفیسر شعبہ اُردو لکھنؤ یونیورسٹی۔

ہوتی ہے اندازہ تو کرو۔ اس بار اگر تمھارا خط چوتھی سے قبل نہ مل جاتا تو میں ضرور چل پڑتی۔

یہاں دوسری تاریخ کو فاطمہ[1] بہن آگئی تھیں اور آج سہ پہر کو واپس بھی ہوگئیں میں نے منی[2] کو تمھارے چلے جانے کے بعد اپنی پریشانی کا خط لکھا تھا اور تھوڑے ہی دن ہوئے اُس کا خط بھی میرے پاس آیا تھا۔ تمھارے بھوپال سے چلے جانے کا سبب دریافت کیا تھا اُس نے۔

یہاں کے حالات کیا لکھوں۔ اماں[3] جان دو ایک دن سے آئی ہوئی ہیں نفیس اور نثار پڑھائی میں منہمک ہیں۔ وقت گذر رہا ہے۔ سرور صاحب غالباً پندرہ تک آئیں۔ میں نے خط لکھ دیا ہے۔ پروگرام کے سلسلے میں کچھ مشورہ ضرور لکھو۔ میں تو بالکل نہتی سی محسوس کرتی ہوں تمھاری عدم موجودگی میں۔

اختر! تم میری طرف سے پریشان نہ ہو۔ سوچو، اگر ہمیں جسمانی عیش میسر بھی ہوتا تو ان حالات کے اندر ذہنی سکون کہاں مل جاتا؟ سکون تو ان ہی لوگوں کو حاصل ہے جو قطعی طور پر بے حس ہو چکے ہیں۔ مجھے کوئی تکلیف تکلیف نہیں معلوم ہوگی۔ اگر مجھے اس کا یقین رہا کہ وہ کسی اعلیٰ مقصد کے لئے اٹھائی جا رہی ہے تم میرے قدم مضبوط پاؤگے۔ میں تمھارا ساتھ دینے سے کبھی نہ تھک سکوں گی۔ اس لئے کہ مجھے تمھاری محبت حاصل ہے۔

آؤ ہم ایک دوسرے کو بہت سے پیار کرلیں ساتھی۔

تمھاری صفیہ

---

[1] بیگم فاطمہ زبیر [2] حنیفہ زبیر [3] جاں نثار اختر کی والدہ۔

بھوپال

۱۰ار فروری سنہ ۵۰ء

عزیز اختر!

تمھارا خط پرسوں مل گیا تھا حسب توقع اُردو کی کتابوں کے لئے کالج میں روپیہ نہیں نکلا، ظاہر ہے ایسی صورت میں آرڈ بھجوانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا

آج تمھیں سدھارے ہوئے پورا ہفتہ گزر گیا۔ اور میں نے تم کو ایک خط بھی نہ لکھا۔ آج بڑا طویل خط لکھنے کو جی چاہ رہا ہے۔ دو تین دن تک تو ذہن ایسی شکستہ حالت میں تھا کہ بس "تم کیا گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی"۔ کلیجہ منھ کو آ گیا بمشکل اس قیامت نے دم ہی لیا تھا کہ سرور صاحب کی آمد کا جھمیلا اعصاب پر سوا ہوا۔ جلسہ کا اہتمام، بلاوے، دعوت کا انتظام غرض کہ تمام پریشانیوں کے ساتھ یہ اندیشہ کہ دیکھو وہ آتے بھی ہیں یا نہیں۔ آخر تار پر تار دیئے۔ خدشہ صحیح نکلا۔ جواب میں اُن کا معذوری کا تار آیا۔ جلسہ ہوا بڑے شاندار پیمانے پر۔ ممنون الحسن اور وجدی الحسینی سے خانہ پُری کی گئی۔ علامہ سلیمان ندوی سے صدارت کرا دی دعوت وغیرہ بھی ہو گئی۔ غرضکہ بات بنی رہ گئی۔ آج سرور صاحب کا خط ملا۔ مارچ میں آنے پر رضامندی، کا اظہار کیا ہے۔ لیکن کالج کے لئے یہ بہت دیر ہو گی۔ بہرحال بیوی کی علالت کے پیچھے بھوپال کی ایک اچھی خاصی محفل کا خاتمہ کر دیا سرور صاحب نے انھیں خط لکھوں گی۔ خیر

کل کا دن مہلت کا تھا۔ کل صبح سے حامدہ[1] آ گئی، تمام دن ساتھ رہی شام

---

[1] مسز حامدہ مسعود (حامدہ سبزواری)

کو اسے ساتھ لے جاکر "صندی" دیکھا۔ آج تمھیں خط لکھنے بیٹھی ہوں۔ اختر! "کتنے آنسو پلک تک آئے تھے" کی لذّت سے صبح شام ہمکنار ہونا پڑتا ہے۔ میں تم سے دور یہاں اس طرح نہ رہ سکوں گی، تم مجھے جس طرح بن پڑے جلد اپنے پاس بلانے کی کوشش کرنا۔ مجھے یہاں کا آرام بھی کڑوا معلوم ہوتا ہے۔ تم مجھے چھٹیوں میں اپنے پاس بلا لینا۔ پھر میں بھوپال واپس نہ آؤں گی۔

تم کیسے ہو؟ تمھارے پاس پیسے بالکل نہ ہوں گے۔ اتنے بڑے شہر میں پیسے کی تنگی اجیرن بن جاتی ہے۔ مگر اختر! تم اپنا دل مت کڑھانا۔ یہ قربانیاں بے مقصد نہ جائیں گی۔

تم اپنے حالات جلد اور مفصل لکھو۔ تمھارا پچھلا خط دیکھ کر کیسا جی کڑھا ایک بھی پیار کی بات نہ لکھی تم نے میرے لئے۔ جی چاہا کہ تمھارے سینہ پر سر رکھ کر اتنے آنسو بہاؤں کہ تمھارے دل کی دھڑکن تیز ہو جائے۔

اچھے اختر! تم مجھے اتنے عزیز کیوں ہو؟ جانتی ہوں کہ میری اس محبت میں دیوانگی کا بڑا حصہ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ دنیا کی ہر مصلحت کو ٹھکرا کر تمھیں چاہوں لیکن پھر تمھیں چاہنے ہی سے تو مجھے دنیا کی ہر مصلحت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ مجھے بھوپال کا لمحہ لمحہ بھاری ہو رہا ہے۔ دن پہاڑ سے لمبے معلوم ہوتے ہیں۔ اپریل بھی آ چکے۔ تم کب ملو گے؟

تم میرے اس خط کو پانے کے بعد ہی خط لکھنا۔ ورنہ میں رو مروں گی۔

بہت سے پیار
تمھاری صفیہ

بھوپال
۲۳ مارچ ۱۹۵۰ء

عزیز اختر!

تمھارا خط مل گیا تھا۔ اسی دن منی آرڈر بھی کر دیا تھا، مگر ایک پریشان کن غلطی ہو گئی تھی۔ آج تک فکر ہے۔ اپنے پاس اُس وقت گنے چُنے روپے تھے۔ اماں جان کے پاس عثمان کو بھیجا، انھوں نے دوسرے دن کا وعدہ کیا مجبوراً نفیس کے اور اپنے روپئے ملا کر اُسی دن منی آرڈر روانہ کیا۔ تار سے بھیجنے کیلئے پیسے باقی نہ رہ گئے تھے۔ لہٰذا ہوائی ڈاک سے بھیجے۔ نہ معلوم تم کو کب ملے ہوں گے۔

رشید الظفر[1] صاحب بمبئی گئے ہیں اور تاج میں ٹھہرے ہیں۔ انھوں نے بہت زیادہ اظہار افسوس اس بات پر کیا تھا کہ تم ان سے پچھلی بار نہیں ملے اب کی تم ان سے ضرور مل لینا ورنہ مجھے شرمندگی ہوگی۔

اور کیا لکھوں گذر رہی ہے۔ کل نثار نے میری گھڑی پھینک دی۔ کالج امتحان کے ہال میں لے کر گئے تھے۔ تمھاری غیر موجودگی میں ہر چھوٹی بڑی پریشانی اہم ہو جاتی ہے۔ تمام رات رو کر ہی گذار دی۔ گھڑی کھونے کا غم اتنا تو نہ ہونا چاہیئے تھا۔

تمھاری تنخواہ کا بل دفتر حضور[2] سے منظور ہو کر اب تک نہیں آیا۔ دیکھو

اچھا
تمھاری صفیہ

---

[1] صاحبزادہ رشید الظفر خان صاحب بھوپال
[2] فائننس ڈیپارٹمنٹ بھوپال۔

بھوپال

۱۱؍ مارچ ۵۰ء

اختر!

حسب دستور آج گیارہ دن سے تمہاری کوئی خیریت نہیں معلوم، کوفت ہے۔ اس طرح کیوں بے خبر ہو جاتے ہو؟ یہاں کے حالات ویسے ہی بُرے ہو رہے ہیں۔ قدوس، کیف[1]، سندر لال۔ مقصود عمرانی اور حد تو یہ ہے کہ عرشی[2] کا قلع قمع ہو گیا۔ اختر سعید اور قمر[3] روپوش ہیں۔ ہر روز دہشت ناک اطلاعات موصول ہوتی ہیں۔

کل بیگم رشید الظفر اپنے ساتھ شکار پر لے گئی تھیں، چلی ہی گئی۔ "کچھ تو اے خانہ خراب اس دل کے بہلانے کی طرح"۔ خاصا رہا دو نیل گائیں ایک ہرن ایک سانبھر شہید ہوا۔ جنگل جانوروں سے بھرا پڑا ہے۔

نفیس کا امتحان قریب ہے۔ وہ چوبیس کو روانہ ہو جائے گی۔ تنہائی اور بھی بڑھ جائے گی۔ ہاں اس مہینے کی پہلی سے میں نے پڑوس والی لڑکیوں کی ٹیوشن کر لی ہے۔ اس ماہ، اگلے ماہ کے گذارنے کے حالات نظر نہ آ رہے تھے۔ لڑکیاں خود گھر پر پڑھنے آتی ہیں۔ چالیس روپیہ دیں گی۔

خدا کے لئے خط تو لکھو، مجھے بھوپال لا کر اس طرح بے سہارا نہ چھوڑو۔

تمہاری صفیہ

۱؎ کیف بھوپالی ۲؎ عرشی بھوپالی ۳؎ قمر جالی

بھوپال

۱۰ر مارچ ۵۰ء

اختر عزیز!

خدا کرے تم بعافیت ہو۔

ایک خط لکھ چکی ہوں، بمبئی کے فسادات کی اطلاع سُن کر سخت وحشت ہے۔ خدا کے لئے تم گھر پر ہی رہنا۔ کسی خطرے میں نہ گھر جانا۔ میرا خون یہاں خشک ہوتا رہے گا۔ خیریت کی اطلاع جلد جلد کرتے رہو۔

آج اظہر سعید بھی آئے تھے۔ اختر سعید کی کچھ خیریت معلوم ہو یا معلوم کر سکو تو بواپسی ڈاک اطلاع دو۔ اظہر خود بمبئی پہونچنے پر آمادہ تھے مگر میں نے فی الحال روک دیا ہے۔

یہاں کے حالات کیا لکھوں۔ آج کل سکنڈ ایر کے امتحانات ہو رہے ہیں۔ Invigilation کا چکر ہے۔ وقت گذر رہا ہے۔ جونہی اپریل آ چکے اور میں بھوپال سے روانہ ہو جاؤں۔ پھر تم میرے پاس آ سکو، بھوپال تم قطعی آنے کا ارادہ نہ کرنا۔

کل صبح ہی ڈیوٹی ہے۔ گیارہ بج چکے ہیں۔ مجھے تم جانتے ہو کہ نیند کتنی جلدی آن گھیرتی ہے۔ اب خدا حافظ، کاش تمہیں خواب ہی میں دیکھ سکوں

بہت سے پیار میرے اپنے اختر

تمھاری صفو

(نوٹ) نثار اور نفیس تم کو آداب کہہ رہے ہیں۔ نفیس کی فرمائش ہے کہ ان کا پیار بھی لکھدوں۔

بھوپال
۲۹، مارچ سنہ ۵۰ء

اختر عزیز!
خط مل گیا تھا۔ نفیس گئی، اماں جان کو بلا لائی ہوں، تم اس طرف سے فکرمند نہ ہونا۔

تم ایس۔ ایم نواب سے معاملت ضرور کرلو کم و بیش کی فکر مت کرو۔ ماہانہ رقم مقرر ہو جانے سے تم بہت کچھ بے فکر رہ سکو گے۔

یہاں دن گن گن کر کٹ رہے ہیں۔ کالج کے مشاغل بھی کمزور پڑ گئے ہیں اُداس اور طویل دوپہریں لطیف شامیں اور خنک راتیں تم بن کاٹے نہیں کٹتیں بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ تمہارے تصور سے لمحات کو رنگین بنا کر دوسروں سے ہنس بول لینے کو جی چاہا۔ دوسروں کو کیا معلوم کہ ایکا ایکی میری خشک مزاجی کہاں دور جا بسی ہے۔

اختر! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے خون کے ہر قطرے میں اور دل کی ہر دھڑکن میں تمہارا وجود شامل ہے۔ یہ سب کیا ہے، میں کہہ نہیں سکتی تم آنے والے ہو۔ لکھنؤ ہی آنا۔ میں چوبیس کو تو کیسے روانہ ہو سکوں گی۔ یکم مئی کے بعد ہی جا سکوں گی۔ یہ ایک ہفتہ بھی یہیں گذارنا ہوگا۔

میں تمہارے خطوں کے سہارے جیوں گی، وہ دن بھی جلد آجائیں گے جب میں تمہاری نظروں کے سایے میں پھر سکون پا سکوں گی۔

آؤ بہت سے پیار کرلوں۔
تمہاری اپنی صفیہ

بھوپال

۱۴ر اپریل ۱۹۵۵ء

عزیز اختر!

تمہارا خط ملا۔ تمہیں میرے خط نہ لکھنے پر شکایت ہے۔ اس طرف چھ دن کے مسلسل بخار نے آدھی جان لے لی۔ سخت کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ اِس حال میں کالج کی مصیبت اور ساتھ ہی ٹیوشن کی پریشانی گھسیٹتی ہوتی ہے۔ اس کے بعد کسی اور بات کی سکت باقی نہیں رہ جاتی۔ ادھر ہر لحظہ تازہ پریشانیوں کی روئداد سنو!

کل بھائی رشید[1] اجین سے واپسی پر ریلوے اسٹیشن پر سیفٹی ایکٹ میں گرفتار ہو گئے، سخت الجھن ہے آج ہی نشتر بھائی[2] کو تار دیا ہے۔ عزت[3] کو بھیج کر تفصیلات معلوم کرائیں۔ سُنا ہے وہی مقبول الزام ہے "ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے" والا۔ عجیب باتیں ہیں۔ آپا کا بُرا حال ہے۔ تمام دن اس دوڑ دھوپ میں گذرا۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ یعقوب وکیل بھی آج کل باہر گئے ہوئے ہیں۔ ان سے کچھ ہمدردی کی توقعات تھیں۔ اسوقت اظہر سعید[4] کو پرچہ لکھا ہے۔ صبح ڈاکٹر سلطان کے معرفت طاہر[5] کو رجوع کروں گی۔ کس طرح ان غریبوں کا دُکھ بٹاؤں، کچھ عقل کام نہیں کرتی۔ بہر حال تم فکرمند ہو کر ہی اتنے دور سے کیا کر سکو گے۔ تمہاری عدم موجودگی

---

[1] عبدالرشید صاحب ایڈوکیٹ جاں نثار اختر کے بہنوئی [2] جاں نثار اختر کے بھائی [3] پروفیسر عزت یار خان حمیدیہ کالج بھوپال [4] اختر سعید کے چھوٹے بھائی اور بھوپال کے ہونہار شاعر [5] محمد طاہر ایڈوکیٹ بھوپال۔

کا احساس کس شدت سے ہو رہا ہے آج۔

علاوہ ازیں۔ اطلاع ملی ہے کہ تمہاری جگہ کی تقرری کے لئے پبلی سنی کو انٹرویو گا کوئی سو درخواستوں سے چار منتخب ہوئی ہیں۔ جس میں پرنسپل طہور تر الے نے پہلا نام میرا رکھا ہے۔ مجبوب[1] کو طلب نہیں کیا گیا، تم لکھو تو ٹکم تک اس پریشانی کے لئے ٹھیروں ورنہ جب مجھے تم تک ہی پہنچ جانا ہے تو پھر مجھے تو کوئی خاص دلچسپی باقی نہیں ہے اس قصے سے۔

تمہاری تنخواہ کابل میں نے ذاتی طور پر پوری دوڑ دھوپ کر کے دفتر حضور بھجوا تو دیا ہے۔ کل ٹیلیفون کروں گی۔ اس مرتبہ پیسے کی تنگی بیماری کی وجہ سے بہت ہو گئی۔ گھر کا کرایہ اور اماں جان کے کچھ روپئے قرض ہو گئے۔ لکھنؤ روانگی سے پہلے یہ سب ادا کر دینا ضروری ہے۔ تمہارے اس بل کے مل جانے سے بہت کچھ آسانیاں ہو جائیں گی۔

کیا تم نے مئی میں لکھنؤ آنے کا ارادہ کمزور کر دیا؟ نہیں اختر! تم مئی میں میرے پاس ضرور آجاؤ۔ میں ترس گئی ہوں، کیا تم مجھے دوبارہ زندہ کرنے کے لطف کی قدر نہیں کرتے میری احساساتی بے کیفی کا علاج تمہارے قرب کے سوا کچھ اور نہیں۔ تم بغیر مجھے موت سی آجاتی ہے اختر! تم ضرور آجانا۔

مکان کے لئے زیادہ سرگرداں نہ ہو "یعنے آگے بڑھیں گے دم لے کر" والی پالیسی پر عمل کرنا ہی مناسب ہے۔ تم نے چار ماہ مسلسل پریشانیاں اٹھائی ہیں ابھی کوششوں کو ذرا وقفہ تو دو۔ میں یہ انتظار کے دن بھی کاٹ ہی لوں گی۔

ادیس سے میں نے کہا کہ ابی نے لکھا ہے کہ میں تم کو بمبئی بلا لوں گا حد سے زیادہ خوش ہوا اور خط لے کر گھنٹوں ناچتا اور گاتا رہا۔ تمہیں وہ حد سے

---

[1] مجوب الرحمٰن لکچرار فارسی حمیدیہ کالج بھوپال۔

زیادہ یاد کرتا ہے۔

تم لکھنؤ آ جاؤ گے تو میری اُجڑی ہوئی دنیا ایک بار پھر آباد ہو جائے گی، جادو اور ادیس کی پیار بھری نظریں تم پر پڑیں گی تو تمہارا خون چُلّوؤں بڑھ جائیگا اختر تم ضرور آ جانا۔

آؤ تمہاری پیشانی پر ایسا پیار کر لوں جس میں ماں کی شفقت، بہن کا فخر بیوی کا ایثار اور دوست کی ملائمت سبھی کچھ شامل ہو میری جان!

تمہاری صفو

بھوپال

۲۲ر اپریل ۵۰ء

عزیز اختر!

کئی دن سے تمہارا کوئی خط نہیں آیا، ہر ڈاک سے انتظار رہتا ہے۔ آج خدا خدا کر کے کالج بند ہو گیا۔ یکم کو انٹرویو ہے، تم نے یہ بھی نہ لکھا کہ مجھے ٹھہرنا چاہیئے یا نہیں؟ بھائی رشید کا مسئلہ چل رہا ہے۔ نشتر بھائی کو تار دے کر بلا لیا تھا۔ وہ کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ترک سکونت پر شاید رہا ہو جائیں بخت پریشانی ہے۔

مُنّی گوالیار سے آئی ہوئی ہے۔ میرے ہی پاس ہے۔ کالج میں بیڈمنٹن کا میچ بھی جیت آئی۔ ایک پنجابی خاتون مسز نیر کے ساتھ کھیلی تھی۔ جادو رہ کا قصد کر رہی ہے۔ ابھی روانگی سے قبل اسے جانے نہ دوں گی۔

خدا کے لئے خط لکھو، آخر ہفتہ ہفتہ بھر خاموش کیوں رہتے ہو؟

اچھا بہت سے پیار
تمھاری صفیہ

بھوپال
۲۹ر اپریل ۱۹۵۰ء

عزیز اختر!

آج ایک ہفتہ سے زیادہ گذر گیا میں نے تمھیں خط نہ لکھا۔ یہ دن بھی پریشانیوں میں گزرے۔ ادیس کی بیماری میں تھک کر میری حالت زار ہوگئی نتیجہ میں پھر مجھے بخار نے آگھیرا۔ غرضکہ تمھارے برسر کار ہوتے ہی میں نے جُوا رکھ دیا! اماں جان[1] آگئی ہیں۔ تنہائی کا سہارا ان سے ہو جاتا ہے۔ آپا کے یہاں عجب خلفشار کا دور ہے، دیکھو یہ اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔

ہاں تمھارے Contract کے مکمل ہو جانے سے بڑا سکون اس لحاظ سے محسوس ہوا کہ تمھاری پریشانی دور ہوئی۔ تم بے روزگاری کا غم ضرورت سے زیادہ کرتے ہو۔ شکر ہے تمھاری اُلجھن دور ہوئی۔ اب کچھ عرصہ اعصاب کو فرصت دو تو اچھا ہے۔ فی الحال تم مئی میں لکھنؤ آؤ، وہاں اطمینان سے مل کر باتیں ہوں گی۔

جون میں حمیدہ[2] وغیرہ نینی تال کا پروگرام بنا رہی ہیں تم اجازت اور خرچ دے سکو گے تو میں انھیں لوگوں کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ تم دس بارہ دن کی فرصت حاصل کر کے آنا۔ ایسا نہ ہو کہ جلدی بھاگنے کی ٹھان

---

[1] جاں نثار اختر کی بہن۔

[2] مسز حمیدہ سالم صفیہ اختر کی چھوٹی بہن۔

لو، تمھاری صورت کو جی ترس گیا ہے - اس عرصہ میں صرف ایک بار خواب میں تم سے ملاقات ہو سکی۔

تم میری طرف سے فکرمند نہ ہونا، ڈاکٹر سلطان کی مہربانیاں شاملِ حال ہیں میں کل پرسوں تک بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی۔

ہاں سُدھا[1] کے لئے مسز ملہوترا کہہ رہی تھیں کہ کچھ گانے تعطیل میں مل جانے چاہئیں، کوشش کرنا۔

عصمت آپا کی کہانی کب پوری ہوگی؟ خط میں تم عموماً بھوپال کے دھوبیوں کا رویہ رکھتے ہو کہ غصہ کرو یا خوشامد، پندرہ دن سے پہلے کروٹ نہ لیں گے۔ اب تو فکروں سے قدرے آزاد ہو، خط جلدی جلدی لکھا کرو۔ سعد[2] خاں صاحب بمبئی پہونچے یا نہیں؟

اچھا بہت سے پیار
تمھاری اپنی صفیہ

لکھنؤ
۳، مئی ۵۰ء

اختر عزیز!
خدا کرے تم خوش رہو
تمھیں اس طرف خاصے عرصے سے خط نہیں لکھا، گھر پر زندگی حد درجہ مصروفیت اور سرگرمیوں میں گزر رہی رہی۔ ہر روز کوئی نیا پروگرام مرتب ہو جاتا تھا

---

[1] پرنسپل ملہوترا کی صاحبزادی۔
[2] بھوپال کے سربرآوردہ رئیس اور شاعر۔

بھائی رشید کو تمام مراحل سے فراغت ملی اس شرط پر کہ یکم جون تک بھوپال کی سکونت ترک کر دیں۔ نفیس اور چند بچے اماں کی معیت میں بمبئی روانہ ہو گئے ہیں۔ تمام تیاریاں ہمارے ہی یہاں سے ہوتی رہیں عجب خلفشار کا عالم تھا۔ پھر عثمان[1] چار دن کی چھٹی لے کر گھر چلا گیا۔ نفیس اور مُنّی کو Food Ministers کے فرائض انجام دینا پڑے۔ اس کے بعد مسز ملہوترہ سانچی Trip لے کر گئیں جس میں ہم تینوں بھی شامل تھے تین دن وہاں ٹھاٹھ سے گذر گئے۔ اس کے بعد تیس کی شام کو واپسی ہوئی اور یکم کو انٹرویو رہا۔ اس مرتبہ پھر گیان چند کا مقابلہ تھا اور دو پنجابی بزرگوں کا، تینوں حریفوں کو شکست ہوئی اور وشوا ناتھن نے مجھ ہی کو منتخب کیا۔ بھوپال میں بڑا Sensation تھا۔ بہر حال یہ مہم بھی سر ہوئی۔ دس جولائی سے میرا تقرر تمھاری جگہ پر ہو گیا۔ لوگوں نے مبارکبادیں دیں۔ اور میں دن بھر روتی رہی، یہ بھی ایک موضوع تمھاری نظم کا بن سکتا ہے۔ اگر تم میرے دل کی تکلیف محسوس کر سکو۔

دوسری مئی کو میں اندھا دُھند کر کے روانہ ہو ہی گئی۔ مُنّی بھی میرے ساتھ اسٹیشن آئی اور بیر اگد ھ گئی۔ میں نے اُسے لکھنؤ لانا چاہا پہلے تو وہ تیار ہو گئی، آخر میں اس پر عفیفہ[2] کی محبت غالب آ گئی۔ اس نے کہا ہے کہ وہ جون میں میرے پاس آ جائے گی۔ اس سے پہلے نہیں۔

نفیس غریب ہم سب سے چھٹنے پر بے حد متاثر تھی۔ اس کا خط تم کو مل گیا ہوگا۔ تم اس سے فوراً جا کر مل لینا۔ اماں جان کو روکنے کی کوشش کرنا، اس بڑھاپے میں اُن کا اس طرح ہم سے دور ہو جانا دل کو شاق گذر رہا ہے۔

---

[1] گھریلو ملازم

[2] حفیفہ زبیر صنیفہ زبیر کی بڑی بہن

تم کب آرہے ہو؟ میرا ہر لمحہ اب تمھارے انتظار میں کٹے گا۔ جادو تمھارا منتظر ہے اسے آکر تو دیکھو۔

حمیدہ پندرہ مئی سے نینی تال جارہی ہے۔ اگر تم مجھے کچھ پیسے دے سکو گے تو میں بھی جانا چاہتی ہوں۔ میری تندرستی اس سال بہت گرگئی ہے۔ میں حد سے زیادہ تھکان محسوس کررہی ہوں۔ بہرحال یہ چیزیں تمھارے آنے پر طے ہوسکیں گی پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ تم خط پاتے ہی روانہ ہوجاؤ۔

تمھاری صفیہ

لکھنؤ

۱۰ مئی ۵۰ء

اختر عزیز!

خدا کرے تم بعافیت ہو۔

T. M. O. ملا۔ ان دنوں ہر خوشی میں کسی غم کا شامل ہونا بھی ضروری سا ہوگیا ہے۔ ساتھ ہی یہ وحشت بھی ہوئی کہ غالباً تم نے لکھنؤ آنے کا ارادہ ملتوی کردیا ہے۔ کیا سبب ہوا؟ بواپسی ڈاک جواب لکھو۔ صبح سے ایک طرح کا سناٹا سا ذہن پر طاری ہوگیا ہے۔ دماغ قطعی گم ہے۔ مہینوں سے آس لگائے بیٹھی تھی کہ تم آؤگے۔ تمھارے ہر خط میں اس وعدے کی تکرار ہوتی تھی۔ پھر آخر تم آکیوں نہیں رہے؟ اسی اُمید میں میں نے تمھیں خط لکھنے بھی کم کردیئے تھے کہ آخر تو اب تم آہی رہے ہو۔ بچے کس تشنگی سے تمھارے منتظر تھے۔ تمھارا خط پہنچنا ضروری ہے جس سے تفصیلات معلوم ہوسکیں۔ اگر تم کسی مجبوری سے نہیں آسکتے تو مجھے لکھو تو میں خود تمھارے پاس آجاؤں گی۔ میں نفیس کے ساتھ ہی آجاتی صرف اس لئے ہی تو

نہ آئی کہ تمھارے آنے کی خوشی بہت زیادہ ہوگی۔

اختر یا خود آؤ یا مجھے بلاؤ۔ یہ تعطیل کا عرصہ میں تم سے علیحدگی میں نہیں گذارنا چاہتی تین مہینے گزر گئے تم سے بچھڑے ہوئے میری زندگی کس قدر ویران ہے سوچو تو۔ ہزاروں ارمان اور بے شمار تمنائیں تمھاری یاد کی نذر ہونے کے لئے، پیدا ہوتی رہیں۔ اب تو آجاؤ۔

جادو تمھیں بہت یاد کرتا ہے اور بیبے یا کر بے اندازہ نازاں اور مسرور۔

اپنا فیصلہ لکھو

تمھاری صفیہ

دارالسراج لکھنؤ

۱۰ر مئی سنہ ۵۰ء

عزیز اختر!

صبح T. M. O. ملا اور ابھی ابھی خط پہونچا۔ جس کے جواب میں یہی لکھنے کو جی چاہتا ہے "یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں"، میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میرا ایسا اعتماد تم کو برہم کر دے گا۔ تمھارے احساس کی نزاکتوں کی ناقدری اکثر میں نے اپنے بھونڈے پن سے کی ہے اور ہر بار تم نے مجھے معاف کیا ہے گو کہ اُس اذیت کی تلافی میں نہ کر سکی جو تم نے خود کو پہونچائی ہے۔ یہی کیفیت اس مرتبہ بھی ہے۔ میرا خیال یہ تھا کہ تم مئی میں آؤ گے۔ اور غالباً گھر نہ مل سکنے کی وجہ سے جون میں ہم سب کو بمبئی نہ لے جاؤ گے۔ چنانچہ اگر تم پسند کرو گے تو جون کا مہینہ میں حمیدہ وغیرہ کے ساتھ گزار دوں گی۔ اس کا تذکرہ میں نے پورے بھروسے اور اعتماد کے ساتھ خط میں کر دیا۔ میرے دوست تم پہاڑ کے پتھروں سے بھی رشک

درقابت رکھ سکتے ہو۔ یہ اگر میں نے سوچا ہوتا تو میں تمھیں ہرگز غصہ ہو جانے اور غم کرنے کا موقع نہ دیتی۔ بہرحال اب تو مجھ سے قصور ہو چکا، تم نظر انداز کرو۔ تین ماہ کس انتظار میں گزر گئے۔ میری زندگی کا ایک لمحہ بھی تمھاری یاد اور تمھارے تصوّر سے خالی نہ رہا۔ میں نے بھوپال کی بھیانک اور تنہا زندگی تمھارے آسرے کاٹ لی۔ میں کس درجہ خوش اور مسرور تھی کہ تم آ گئے۔ میری سوتی ہوئی تقدیر جاگ جائے گی۔ یہ اندیشہ تک نہ تھا کہ تم اس طرح برہم ہو جاؤ گے۔

اختر! تم جانتے ہو کہ میں تم سے زیادہ زندگی میں کسی چیز کو عزیز قرار نہیں دے سکتی، پھر بھی اس طرح غلط فہمیوں سے اپنے کو اذیت پہونچانے کے کیا معنی؟ میں نے مسیح ہی عصمت آپا کے پتہ پر خط بھیجا ہے۔ تم اسے ضرور جا کر لے آؤ۔ میں نینی تال ہرگز نہ جاؤں گی۔ تم اس خط کے پاتے ہی چلے آؤ ورنہ یقین رکھو کہ میں بیس مئی کو تمھارے پاس پہونچ جاؤں گی۔ پھر تمھیں کسی طرح ہم سب کو رکھنا پڑے گا، یہ میں نہ سوچونگی میں اس خط کے پہونچنے کے بعد ہی سے تمھاری آمد کی منتظر رہونگی۔ گھر کا ہر شخص خاص طور پر جادو کس طرح تمھارے آنے کے خیال سے خوش تھا مجھے میرے عیش اور سب کو اُن کی خوشیوں سے محروم نہ کرو، میرے دوست! تمھارے دل میں بے پناہ وسعتیں ہیں۔ تم میری خاطر چلے آؤ، پھر تو ایک بار تمھارے گلے میں باہیں ڈال کر، تمھارے سینے پر گرم گرم آنسو بہاؤں گی تو تم میری طرف سے سارا غصہ ختم کر دوگے۔ اس کا مجھے یقین ہے۔ آج سے نینی تال کا لفظ ہم دونوں کی Vocabulary سے نکل جانا چاہیئے۔ یہ خفگی بھی یاد رہے گی۔

آؤ میں تمھاری لرزتی ہوئی پلکوں پر اپنے ہونٹ رکھ دوں، آؤ میری آغوش تمھارے لئے کھلی ہوئی ہے۔ تمھیں یہاں راحت ملے گی اور مجھے؟ زندگی!

اپنی آمد کی اطلاع تار سے دو، میں اسٹیشن پر آؤنگی۔ یہ سچ جانو کہ اگر تم نہ آئے تو میں دیوانہ وار تم تک پہونچ جاؤں گی۔ پھر خواہ تم مجھ سے ناراض ہو کر واپس ہی بھیجنے کا ارادہ کیوں نہ ظاہر کرو۔

اچھا اب کب آرہے ہو میرے شاعر! آج ہی روانہ ہو جاؤ۔

تمھاری اپنی صفو

دارالسرور
لکھنؤ
۱۲؍مئی سنہ ۱۹۵۰ء

عزیز اختر!

میری تحریر سے تمھیں غلط فہمی سی ہو گئی اور تم یہ سمجھے کہ میں نئی میں نینی تال جانے کا قصد کر رہی ہوں۔ بہر حال اب گذری بات کا دہرانا کیا۔ اگر تمھیں بدگمانی نہ پیدا ہوتی تو تم کب کے میرے پاس آسکتے تھے۔ یہ دن میں نے ہی اپنے ہاتھوں سے کھوئے۔ بعض وقت گمان سا ہونے لگتا ہے کہ تم نہ آؤ گے مگر میری امید پرور طبیعت پھر بھی شکست نہیں مانتی۔ میں تمھاری منتظر ہوں، تم بمبئی میں جو مراحل طے طلب ہوں اُن سے ایک دو دن کے اندر فراغت پاکے روانہ ہو جاؤ۔ شاہد سے مل لو۔ گانوں کا کنٹریکٹ ہو جائے تو پورا اطمینان ہو جائے گا۔ ورنہ پھر زبانی طے کر کے اور واپسی کی تاریخ انھیں سے Fix کرا کے چلے آؤ۔ تمھیں بھی بمبئی جانے کے بعد ایک لحظہ کا آرام نہیں مل سکا ہے۔ ادھر میں تو تمھارے ساتھ کو ترس گئی ہوں۔ جون کے مہینے میں تمھیں شاید ہی فرصت مل سکے پھر ساری چھٹیاں انتظار ہی میں بیت جائیں گی۔ شاہد کے گھر تم تھے مجھے بڑا اطمینان تھا

اب نئے ٹھکانے کے خیال سے سخت وحشت ہے۔ گزشتہ رات میں نے جاگ جاگ کر کاٹ دی۔ اب تم غصّہ و غم ختم کر کے میرے پاس آجاؤ۔ میں چشم براہ ہوں۔

پیسے تم نے اتنے بہت سے مجھے بھیجد یئے کہ میں مالا مال ہو گئی۔ تمھارے کرتے وغیرہ سلوانے ضروری ہیں تم آؤ تو یہ کام بھی ہو سکے گا۔ تمھاری گرم شیروانی میں لے آئی ہوں۔

مجھے یقین ہے کہ تم سخت کمزور اور تھکی ہوئی حالت میں ہو گے۔ مجھے تمھارا تصوّر اسی طرح آتا ہے اور حد درجہ پریشانی ہوتی ہے۔ تم کتنی آسانی سے اپنا جی کڑھا لیتے ہو دوست! میرا پروگرام وہی ہو سکتا ہے۔ جو تم بناؤ گے۔ نہ کہ میرا اپنا بنایا ہوا۔

اب تساہل اور تاخیر مت برتو۔ یہ فرصت کے دن یونہی رائگاں ہو جائیں گے۔ بغیر کسی ذہنی کش مکش کے چلے ہی آؤ۔ آگے کی بات آگے دیکھی جائے گی۔ ہاں اماں جان کو روک ہی لو تو اچھا ہے۔ اُن کا جانا شاق گزر رہا ہے۔ پھر اگر تعطیل کے بعد بھی بھوپال میں کچھ دن کاٹنے پڑے تو تنہائی میں بچوّں کا کیا حشر ہو گا؟

نفیس سے میری کان کی کیلوں اور جگنوں کے بدلے کا سونا ضرور لے لو۔ بہر حال یہ ضمنی چیز ہے اس کے لئے وقت نہ نکال سکو تو نہ سہی۔ نفیس کا پتہ لیتے آنا۔

اچھا اب تم پندرہ تک میرے پاس آرہے ہونا؟

بہت سے پیار

تمھاری صفّو

لکھنؤ

۲۳ر مئی سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

خدا کرے تم بخیریت پہونچ جاؤ۔ ابھی تم کو پہونچا کر لوٹی ہوں۔ دل و دماغ پر نہ جانے کیسی کیفیت طاری ہے۔ غسل خانے میں گھس کر نہانے کے بہانے بہت سے آنسو بہا چکی مگر طبیعت پھر بھی امڈی چلی آتی ہے۔ تم سے دور یہاں نہ رہ سکوں گی۔ تم مجھے اپنے پاس بلانے کی ہر ممکن کوشش کرنا۔ جون میں اگر تمہارے آسکنے کا خفیف سا بھی امکان ہو تو مجھے ضرور لکھو۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ اگر تم نینی تال آنے پر راضی ہوئے تو جاؤں گی ورنہ ہرگز نہیں جاؤں گی۔ لکھنؤ میں رہوں گی تاکہ تم میرے پاس آکر کچھ دن اور گزار سکو۔

اختر! جون میں پھر دس بارہ دن کے لئے نکل آؤ۔ میرے دن سہل ہو جائیں گے۔ اعصاب پر ایک عجیب دہشت سی طاری ہے۔ گھر کی ہر چیز جو تم سے وابستہ تھی تمہارے اس طرح سے جلدی چلے جانے پر فریاد کرتی نظر آتی ہے میرے لئے یہ زندگی کیسی بے مزہ اور بے کار ہے۔ اس کا تم اندازہ نہ کر سکو گے خط لکھو، اپنی خیریت لکھو۔ اپنی آمد کے لئے کوشش کرو۔ اور اس کے امکانات کی اطلاع دو۔ میں لکھنؤ ہی میں رہ کر تمہاری منتظر رہوں گی۔

بہت سے پیار میرے پردیسی ساجن۔

تمہاری دل شکستہ

صفیہ

لکھنؤ

۲۵ مئی سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

ایک خط تمھاری روانگی کے بعد ہی پوسٹ کر چکی ہوں۔ اپنی خیریت فوراً لکھو مجھے سخت فکر ہے۔

تم جو پروگرام طے کر گئے تھے کہ تم اگست میں لکھنؤ آؤ گے۔ اُس میں ایک ترمیم مجھ میں آئی ہے۔ اگر تم اتفاق کر سکو تو مجھے فوراً جواب لکھ دو۔

بجائے اگست کے جولائی کے تیسرے ہفتے میں ریڈیو پروگرام رکھوا لیا جائے کہ بچے کھلنے پر میں بچوں کو چھوڑ کر بھوپال چلی جاؤں۔ دس بارہ دن ڈاکٹر سلطان کے یہاں قیام کروں۔ بیس جولائی کے بعد واپسی ہو جائے۔ تم بھوپال سے ساتھ مل جاؤ۔ اور ہم لکھنؤ آ کر دس پندرہ دن گزار دیں۔ واپسی پر بچوں سمیت میں بھوپال چلی جاؤں اور تم بمبئی۔ اس شکل میں بچے بھوپال جانے اور پھر واپس آنے کی زحمت سے بچ جائیں گے۔ اس کا جواب تم فوراً دو تاکہ ریڈیو کا پروگرام اسی کے مطابق بنوا لیا جائے۔ اسرار بھائی[1] کل ایاز[2] سے یہ کہہ چکے ہیں کہ اگست کا تیسرا ہفتہ مناسب ہوگا۔ دیر ہو جانے پر دوبارہ پروگرام کی تبدیلی میں دقت ہوگی۔ باقی مفصل خط شام کو پھر لکھوں گی۔

تمھاری اپنی

صفیہ

---

[1] اسرار الحق مجاز [2] پروگرام ڈائرکٹر لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن۔

لکھنؤ

۲۵ مئی سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

خدا کرے تم بعافیت ہو

ابھی تک تمہارے پہونچنے کی اطلاع نہیں ملی۔ تمھارا خط آئے تو اس طرف سے فکر رفع ہو۔

دو خط اس سے پیشتر تمھیں مل جائیں گے۔ پچھلے خط میں تمھیں ریڈیو پروگرام کے بارے میں لکھ چکی ہوں۔ اس تازہ تجویز میں آسانیاں یہ ہیں کہ بچے بار بار سفر سے بچ جائیں گے۔ زیر باری بھی کم ہوگی۔ زحمت بھی کم ہوگی اور تم بھی جلد مل سکو گے۔ اب تم جلد ہی لکھو تاکہ ایاز کو اطلاع دے کر پروگرام کی تاریخ طے کرا لوں اگست کے لئے تو وہ راضی ہو ہی گئے ہیں تاریخ کا سوال اور باقی ہے۔

تمھارے جانے سے جو قیامت دل و دماغ پر گزر گئی، اس کا اندازہ تم ہی کرسکو تو کرسکو، اور کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ آج تک جب صبح آنکھ کھلتی ہے تو دل پر ایک گھونسہ سا لگ جاتا ہے۔ تنہائی۔ بیکسی۔ ویرانی یہ ہیں زندگی کے ساتھی۔ بعض وقت جی چاہتا ہے کہ سب کو چھوڑ کر اکیلی تمھارے پاس پہونچ جاؤں۔ سُنا ہے کہ آج رضیہ[1] بمبئی گئیں۔ دوگنی تکلیف ہوئی۔ جی چاہا، اطلاع ہوتی تو ان کے ساتھ ہی چلدیتی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟ یہ دن گزر جانے پر کچھ اور بھی پچھتاوا ہوگا۔

ادھر حمیدہ واپس آگئی ہے اور متقاضی ہے کہ اُس کے ساتھ نینی تال چلی جاؤں۔

---

[1] رضیہ سجاد ظہیر۔

دل اب کسی چیز کو نہیں چاہتا۔ بس تمہاری تحریر کا انتظار ہے خط لکھو۔ میں اپنے تینوں خطوں کے جواب کی منتظر رہوں گی۔ شاہد کے یہاں کے کام کا کیا حشر ہوا؟

تم جب تک اپنے مکان کی کوئی شکل نہیں ہوتی خلیل[1] صاحب کا گھر مت چھوڑنا۔ مجھے ان کے ساتھ کے خیال سے بڑی تسکین ہے۔ تنہا رہو گے تو اس کے تصور ہی سے میرا دم گھٹ کر رہ جائے گا۔

اختر! میری حالت ان تین دنوں میں دیوانوں سے کم نہیں ہے۔ کاش تم میری یہ بدحالی دیکھ سکتے۔ مگر میری جان تم اپنا حال ٹھیک رکھ سکو تو اس کے خیال سے ہی میں دن گزار دوں گی میری دعائیں تمہارے ساتھ کسی حال میں تھک نہ سکیں گی۔ میرے اپنے ساتھی!

جادو کی محبت کا پیغام قبول کرو۔

تمہاری اپنی

صفّو

لکھنؤ

۲۸ مئی ۱۹۵۰ء

میرے اپنے اختر!

بہت سے پیار!

خط ملا، یہ معلوم کر کے کہ تم بخیریت بمبئی پہنچ گئے اطمینان ہوا۔ اتنا طویل سفر تصور ہی کے لئے کتنا روح فرسا ثابت ہوتا ہے۔ بہرحال تم نے

---

[1] خلیل صاحب۔ یادگارِ زمانہ ہیں یہ لوگ، شفیق بزرگ محترم دوست اور مخلص ساتھی۔

شاہد کے یہاں کے حادثے کا تذکرہ لکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم کو شدید کوفت ہوئی ہوگی۔ شاہد بے چارے ذرا مذبذب انسان ہیں۔ تمہیں شاہد کی یہ کمزوری پہلے ہی سے معلوم ہے لہذا تم کسی قسم کا غلط اثر قبول مت کرو۔ لجاتی اور عارضی کوفت کو Reason out کر کے دور کر دو اور شاہد سے جتنے شگفتہ تعلقات تمہارے اس سے پیشتر تھے ویسے ہی رکھو۔ شاہد اور عصمت کی مہربانیاں ہم دونوں کے ساتھ بہت رہی ہیں۔ شکر کرو کہ تمہارے فی الحال تین سو روپے ماہوار کہیں نہیں گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کہیں نہ کہیں سے ملتا ہی رہا ہے اور ملتا رہے گا۔ البتہ اپنا Poise قائم رکھنا۔ اور توازن نہ کھونا ضروری چیزیں ہیں۔ تم نے چار مہینے کتنی دقتوں کے ساتھ کیسی خندہ پیشانی سے گزار دیئے۔ یہ اب تو حالات ہر طرح زیادہ سنبھل گئے ہیں۔

ہاں تم نے جون میں آنے کے بارے میں لکھا ہے۔ اختر! میری عادت سی بن چکی ہے کہ تم فیصلہ کرو اور میں اس پر عمل کروں، اسی میں مجھے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اگر کبھی اپنی مرضی تم سے منوالیتی ہوں تو احساسِ جرم کی ایک کھٹک باقی ضرور رہتی ہے۔ بہر حال، تم لکھتے ہو اور حمیدہ گھر بھی لے چکی ہو تو بچوں کے خیال سے چلی جاتی ہوں۔

اکتیس کی رات کو یہ لوگ روانگی کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ میں پندرہ کے بعد سولہ جون کو ضرور واپس آجاؤں گی۔ اور یہیں رہ کر تمہارا انتظار کروں گی اختر! میں بمبئی آنے کی خواہش کا اظہار اکثر قطعی جذباتی طریقے پر کر دیتی ہوں۔ تم اس کا اثر مت لیا کرو۔ تم اگر چودہ برس مجھے الگ رکھنا چاہو گے تو میں صبر و شکر سے یہ چودہ برس بھی تمہارے ہی انتظار میں کاٹ دوں گی۔

تم فکرمند نہ ہو۔ میں بھوپال ہی میں رہوں گی تاوقتیکہ تم کوئی مستحکم شکل پیدا کرلو۔ میں تمھاری تسکین اور راحت کے لئے زندہ رہوں گی، نہ کہ تمھاری الجھن اور پریشانیوں میں اضافہ کے لئے۔

تم ذہنی اضطراب اور جذباتی کوفت سے کس درجہ تھک سے جاتے ہو میرے دوست! آؤ میں تمھیں اپنی باہوں میں گھیرلوں اور ....

نینی تال پہونچتے ہی وہاں کا پتہ لکھوں گی۔

تمھاری اپنی
صفّو

لکھنؤ اسٹیشن
۲۱ مئی سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

دو دن سے تمھیں کوئی خط نہیں لکھا گو کہ ہر لحظہ تمھیں یاد رکھا۔ اسٹیشن سے یہ تحریر بھیج رہی ہوں۔ میرا پچھلا (چھوٹے لفافہ والا) خط ملا ہ؟ بچے بہت خوش ہیں اس سفر سے، میرے لئے عشرت تنہائی سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ زبیدہ بھی ساتھ جارہی ہے۔ ایک طرف جادو کھڑا ہے۔ دوسری طرف اویس دونوں تمھیں بہت سا پیار کر رہے ہیں۔

ریڈیو والی بات کا کوئی جواب تم نے نہیں دیا، اسی لئے میں نے بھی انھیں نہیں کھٹکھٹایا۔ اب تم آخر جون میں ہی آجانا پروگرام اگست کے آخر ہی میں رہنے دو اچھا میرے بہت سے پیار قبول کرو۔

تمھاری صفیّہ

رحمت منزل
تلی تال۔ نینی تال
۲؍جون ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

خدا کرے تم اچھی طرح ہو۔

پرسوں شام سفر کی تمام کلفتیں جھیلنے کے بعد نینی تال پہونچ گئی موسم کی خوش گواری سے بچے بہت مسرور ہیں۔ اگر اُن کی مسرت کا خیال کروں تو آنا سپھل ہوتا نظر آتا ہے ورنہ میری نگاہیں تو ہر ذرے میں تمھاری جویا نظر آتی ہیں دل میں جیسے اک چور سا چھپا بیٹھا ہے کہ چٹکیاں سی لئے جاتا ہے دونوں راتیں تمھیں دیکھنے سے وصول ہوگئیں، کہیں تم پریشان تو نہیں اختر! میں نے دونوں بار تمھیں پریشان ہی دیکھا۔

تقریباً ایک ہفتہ گذر گیا، تمھاری خیریت سُنے ہوئے، مجھ سے رخصت ہونے کے بعد تم نے اب تک مجھے صرف ایک خط لکھا ہے۔ یاد رکھو۔

سُنا ہے رضیہ بمبئی گئی ہوئی ہیں۔ اور سیدھی نینی تال آئیں گی۔ تم اُن سے ضرور مل لینا تاکہ اُن سے تمھارے حالات سُن سکوں۔

تم کس طرح ہو؟ مجھے یاد تو کرتے ہو گے نا؟ میرا ہر خیال اور میری ہر آرزو تمھیں سے وابستہ ہے ساتھی۔ آؤ مجھے اپنی آغوش میں چھپالو۔ تھوڑی دیر کے لئے مجھے پناہ مل جائے گی۔

تمھاری اپنی
صفیہ

رحمت منزل
نینی تال
۱۵ جون سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز! کیسے ہو؟

تمھاری خیریت معلوم ہوئے دس گیارہ دن گزر چکے ہیں سخت وحشت ہے۔ ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ تم پریشان تو نہیں۔

یہاں بھلی بُری گزر رہی ہے۔ جادو اوپس بہت مست ہیں۔ نینی تال اس مرتبہ غیر معمولی طور پر اجنبی سا معلوم ہو رہا ہے۔ سکھوں اور پنجابیوں کا جمگھٹ نظر آتا ہے۔ ویسے اچھے کپڑوں اور شاداب چہروں کی بہتات ہے۔ اور کیا لکھوں۔ سوا تمہاری یاد کے میری زندگی میں اور ہے بھی کیا؟

خدا نہ کرے کسی طرح کی پریشانی یا اُلجھن ہو تو اس سے ضرور اطلاع دو تنہا مت برداشت کرو۔ ورنہ مجھے شکایت ہوگی۔ تم اپنے لکھنؤ آنے کی تاریخ لکھو۔ تاکہ میں اس سے قبل ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں۔

بہت سی دعائیں۔ بہت سے پیار

تمہاری
صفیہ

رحمت منزل
نینی تال
۱۰؍جون ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

اچھے تو ہو؟ آج تیرہ چودہ دن ہوگئے مجھے تمہارا کوئی حال نہیں معلوم۔ اگر مجھے اندیشہ بھی ہوتا کہ نینی تال آنے کی مجھے اتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑیگی تو میں آنے کی ہمت ہرگز نہ کرتی ویسے نینی تال کی Activities اپنے شباب پر ہیں۔ شاموں کی خوش منظری کچھ علی گڑھ کی نمائش سے ملتی جلتی ہوئی ہوتی ہے۔ نفیس پوشاکیں حسین چہرے اور اترائی ہوئی ادائیں عام اور ارزاں ہیں۔ تمہارے دونوں بچے بھی مگن ہیں۔ انہیں کے خیال سے دل کو سمجھا لیتی ہوں مجھے کچھ بھی تو حال تمہارا نہیں معلوم۔ کیا گذر رہی ہے تم پر؟ جیسا کچھ ہو بواپسی ڈاک لکھو۔ ورنہ میں بہت جلد لکھنؤ روانہ ہو جاؤں گی۔ اتنے پریشان موڈ کے ساتھ رہنا ٹھیک نہیں۔ دماغ میں طوفان برپا ہے اور سطح کو ہموار کرتے رہو۔ یہ کس قدر دشوار کام ہے۔

اختر! اگر تم کو پیسے مل سکے ہوں اور تم بآسانی اتنا کر سکو تو مجھے ایک شال کے لئے بھیج دینا۔ تم جانتے ہو کہ میں نے ہمیشہ معمولی کھایا اور معمولی پہنا ہے۔ میں بے تکے شوق نہیں کرتی، لیکن پچھلے سال تعطیل میں اور اس سال بھی تمہاری کمائی پر ناز کر رہی ہوں۔ ظاہر ہے کہ تم پیسے نہ دیتے تو میں خاک آتی نینی تال۔ میں نے ایک کشمیری دوکان پر ایک شال دو گز لمبی اور ایک گز چوڑی بڑے Sober رنگ کی اور نہایت نفیس کڑھی ہوئی دیکھی ہے۔

اس کی قیمت اُس نے پینیتھ بتائی ہے۔ میرے پاس جتنے پیسے ہیں وہ یہاں کے صرفے کے لئے واجبی طریقے پر کافی ہیں۔ اگر تمہیں پیسے نہ مل سکے ہوں تو کسی طرح اپنا دل مت دُکھانا۔ شال زندگی کے لئے ایسی ضروری چیز نہیں ہے جس کے لئے کُڑھا جائے۔

میں بیس سے قبل ہی یہاں سے اس توقع میں روانہ ہو جاؤں گی کہ تم مل گئے۔ تم مجھے جلد خط لکھو۔ اپنی الجھن خود تک نہ رکھو۔ مجھ سے کوئی شکایت بھی ہو تو مجھ پر غصہ کرلو، میں سر جھکا دوں گی۔ مگر اس طرح خاموش نہ ہو دوست۔

تمہاری اپنی

صفیہ

نینی تال

اا رجون سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

کل شام کتنے شدید انتظار کے بعد تمہارا خط ملا۔ تمہاری بیماری کی اطلاع سے اور تشویش ہوگئی۔ میرے خواب غلط نہ تھے۔ مجھے یقین تھا کہ تم پریشان ہو گے۔ شکر ہے کہ اب بخار گیا۔ کھانے پینے کی طرف سے بےخبر ہونا۔ مشیت نے کتنا زبردست فاصلہ ہم دونوں کے درمیان حائل کر دیا ہے، مگر دل سے تو ہم دونوں اس درجہ نزدیک ہیں جیسے کبھی جدا ہی نہ ہوئے تھے۔ تمہاری بیماری کی راتوں میں اگر میں نے تمہاری پیشانی پر اپنا ہاتھ نہیں پھیرا تو یہاں تکیہ آنسوؤں سے ضرور تر کیا ہے۔ یہ دن بھی گزر جائیں گے۔ خود کو اس طرح دل شکستہ مت ہونے دو۔ تمہارا کوئی لمحہ بھی میری شرکت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس کو اگر سچ سمجھ سکو تو تمہیں بہت تسکین ہو گی

میں تین چار خط نہیں اس دوران میں لکھ چکی ہوں۔ اگر تم بآسانی بھیج سکو تو شال بھر کے پیسے بھیج دینا، میں تمہارا تحفہ سمجھ کر خرید لوں گی۔ ورنہ دل کو متاثر مت کرنا۔

تم جون میں نہ آسکو گے؟ پھر اس کا مطلب یہی ہوا کہ اگست کے شروع میں آنے کا امکان ہے۔ ایاز کو خط لکھونگی کہ پروگرام اگست کے دوسرے ہفتہ ہی میں رکھیں۔ نینی تال سے تمہارے لئے کیا تحفہ لاؤں دوست؟ "دعوتِ شیراز" کا انتظام مکان سے حد درجہ قریب ہے۔ آتے جاتے تمہاری یاد ضرور آجاتی ہے۔

اختر میرے سکون کی خاطر خود کو خوش اور زندہ رکھو۔ تمہاری سوگواری میرے لئے کسی طرح قابلِ برداشت نہیں ہوتی۔ تم خود کو اس طرح مضمحل نہ کرو۔ پڑھو، شعر کہو، تفریح کرو۔ وہ دن بھی آجائیں گے۔ جب پھر میں تمہارے قدموں میں آرہونگی اور پھر کوئی ظالم قوت بھی مجھے تم سے جُدا نہ کرسکے گی۔

کل پھر خط لکھوں گی۔ اور ہر روز تمہیں میری ایک تحریر ملتی رہے گی۔ شاید تمہاری طبیعت اسی طرح بہل سکے۔

ہاں Soviet Literature کی دو ایک جلدیں مجھے ضرور بھیجدو۔ انتظار رہے گا۔ بہت سے پیار

تمہاری

صفو

نینی تال

۱۴ ر جون ۱۹۵۰ء

اختر میرے

خط ملے۔ میں دو دن سے وعدے کے باوجود تمہیں خط نہ لکھ سکی۔ بارش

نے عجب بدمزگی پیدا کر رکھی ہے، پھر چونکہ عثمان کھانا پکاتا ہے۔ اس لئے بچوں کی پوری نگرانی میرے ہی سر آجاتی ہے۔ بُری طرح تھک کر رہ جاتی ہوں۔

تمہاری محبت کتنی راحت افزا، اور ساتھ ہی کتنی اذیت انگیز ہے دوست، تم نینی تال کی سرد ہواؤں کو شک کی نظر سے نہ دیکھو، یہاں تو "تجھے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں" والا عالم ہے۔ یہاں کتنے شادی شدہ جوڑے نظر آتے ہیں۔ مگر مجھے تو کہیں بھی وہ رنگ، وہ گرمی، وہ گداز، وہ والہانہ پن نہ دکھائی دیا۔ جو ان سات سالوں نے ہم دونوں کے درمیان پیدا کر دیا ہے تمہیں اس کی قدر ہے تو مجھے تو اس کی سوگنی زیادہ ہے۔ تمھارے لیے "وہم غیر" سے پیچ و تاب میں رہنے کا کیا سوال۔ جب میری زندگی میں تمہاری مرکزیت تسلیم ہو چکی ہے۔ یقین کرو ایک شام بھرے بازار میں راستہ طے کرتے کرتے نہ جانے طبیعت پر کیسا اثر ہوا کہ آنسو امڈ نے شروع ہو گئے اور کسی طرح نہ رک سکے تو بہانہ بنا کر ایک پانی کے نل پر جا کر منہ دھونا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تم بیمار تھے۔

اختر! میرے لئے یہ زندگی موت سے بدتر ہے۔ میں اسی امید اور یقین پر خوش ہوں کہ میری زندگی پھر ایک دن تمہارے قدموں کے سائے میں گزرے گی۔ میرے بچے ابھی اپنے شاعر باپ کی تربیت سے محروم ہیں تو یہ دوری ابدی تو نہیں انھیں تمہارا ساتھ ضرور ملے گا۔ خواہ اس کے لئے کتنی ہی دقتیں کیوں نہ اٹھانی جائیں۔

تمھاری تنہائی کے خیال سے جی کس بُری طرح کڑھتا ہے۔ ہر لمحہ خیال دوڑاتی ہوں کہ نہ جانے اس وقت کیا کر رہے ہو گے۔ تمھاری راحت اور

آسایش کے لئے اتنی دور سے کیا کروں؟ کھانے کے تم شوقین نہیں پہننے کیطرف سے تم بے خبر ہو پھر ادرک یا رہ گیا؟ بہرحال تمہارے لئے کشمیری سلک ضرور لوں گی اور لکھنؤ سے کرتے سلواؤں گی۔

رات بڑی شدید بارش ہوئی کمبل میں سردی لگتی رہی۔ اور تمھارے آغوش کی گرمی کا تصور آرام دیتا رہا۔

اور کیا لکھوں؟ کتنی بیشمار اور بے حساب باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے تم سے۔ یاد کرو ہفتوں ہماری گفتگو ختم نہیں ہوا کرتی تھی

ہاں آگرہ یونیورسٹی کے نتائج نکل آئے۔ غالباً منی اور نفیس دونوں فیل ہیں، سخت کوفت ہوئی۔ منی سے مجھے یہ اندیشہ نہ تھا نفیس کے ساتھ چار ماہ کی محنت خاک میں مل گئی۔ اس کا خاص طور پر رنج ہے۔ ورنہ ان کی ذات سے توقعات تو کچھ اسی قسم کی تھیں۔

تم اپنے حالات مفصل لکھو۔ نواب صاحب کی تازہ تصویر کب شروع ہوگی؟ تمھارے خلیل صاحب اور ان کے ملازمین کا کیا حال ہے؟ موسم نے کیا رنگ اختیار کر رکھا ہے؟ پنکھے کی ضرورت تو نہیں پڑتی، تم ساتھ ہی لیکر نہ گئے۔ تم مجھے خلاف عادت طویل خط لکھو۔ مجھے تمھارے خطوں کی تشنگی رہتی ہے۔

ہاں پھوپھی جان کا خط آیا ہے۔ انھوں نے اور بھائی ظفر نے بڑا گہرا اُٹلاؤ لکھا ہے۔ اجازت دو تو واپسی پر خیرآباد اتر جاؤں۔

تمھاری اپنی
سفّو

نینی تال

۱۶ر جون ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

بار بار جی چاہا کہ تمھیں خط لکھوں کہ کسی طرح مجھ تک نینی تال پہنچ جاؤ۔ آگرے سے سیدھی گاڑی کاٹھ گودام آتی ہے، مگر اس ڈر سے نہ لکھ سکی کہ تم منظور نہ کرو گے۔ یہ دن کیسے تڑپ اور ترس کر گزر گئے۔ زندگی کیسی کھوکھلی اور ادھوری رہی، اختر، اگر تمھارا جی چاہے تو تم دنیا کی ہر مصلحت کو ٹھکرا کر میرے پاس آجاؤ۔ میری آغوش تم کو پیار دے گی اور میں تمھیں پا کر دنیا کی ہر راحت پا لوں گی۔ پیسوں کی خاطر جو ہم تم دونوں اس بے دردی سے اٹھا دیا کرتے ہیں، خود کو اس طرح ہلکان کرو۔ اس کی میں قائل نہیں۔

تم نے مجھے ڈیڑھ سو روپے بھیج دیئے۔ جبکہ تمھیں صرف تین سو ہی ملے ہوں گے صرف ڈیڑھ سو میں تم مہینہ کاٹو گے۔ تم نے اپنے ساتھ اور ساتھ ہی میرے ساتھ بڑا ظلم کیا اختر! کل سے آج تک میں پیسے پا کر بڑی مسرور اور فتح مند تھی، آج مجھے جرم کا احساس ستا رہا ہے۔ میں اس دریا دلی سے پیسے اُٹھاؤں اور تم اتنے بڑے بے پناہ شہر میں پیسہ گن گن کر خرچ کرو۔ یہ کہاں کی محبت ہے۔ دوست! میں نے آج ہی صبح باون روپے کی شال، دس کی چھتری، پندرہ کا ایک کشمیری نمدہ اور ستر کی ایک Folding Cettral Table خرید لی ہے۔ شام کو تمھارا خط ملا اختر! مجھے اس درجہ نہ چاہو۔ تمھاری دیوانی محبت سے آج مجھے ڈر معلوم ہو رہا ہے۔ تم اپنے کو مجھے چاہنے دو۔ مجھے تمھیں چاہنے میں ہمیشہ راحت ملی ہے۔

میں اب ہر تفریح اور ہر سیر کے موقع پر مجرم محسوس کروں گی۔ میں آج ہی سے سامان بندھ کرنا شروع کروں گی، اور جلد سے جلد روانہ ہونے کی کوشش کروں گی۔

تم وہاں تنہا پریشان ہوتے رہو اور میں خم غلط کرنے کی کوشش کروں، یہ برداشت سے باہر ہے۔

عجب جبر سا محسوس ہوتا ہے اختر، تم دسنوئی[1] سے ملو، میں ادنیٰ سی نوکری کے سہارے بھی تم تک پہونچ سکوں گی۔ اگر یہ بچے درمیان حائل نہ ہوتے تو میں بغیر نوکری کے بہانے بھی آ ہی جاتی۔ کیا تم میرا پیٹ نہ بھر سکتے تھے۔ پر اِن الجھنوں کو دیکھتے ہوئے بچوں کی ذمہ داری کا احساس کھٹکتا ہے دوست۔ اچھا تم اس کا جواب اب لکھنؤ کے پتہ پر لکھنا تاکہ بمبیٔ یا اکیس کو مجھے وہاں مل سکے

آؤ بہت سے پیار کر لوں تمہیں۔

تمھاری صفو

نینی تال

۱۷ر جون سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

کل خط لکھ چکی ہوں، غالباً شام ہی پوسٹ ہوا ہے پھر اتوار آجائے گا اور میں تم سے باتیں نہ کر سکوں گی۔ اس لئے آج پھر لکھ رہی ہوں۔ یہ کمبخت بچے اس تحریری ملاقات میں بھی تو مخل ہوتے ہیں۔ اویس برابر کاغذ کا مطالبہ پیش کر رہا ہے اور خط لکھنے نہیں دیتا۔ جاذو کو پرسوں رضیہ[2] بھابی آگرا اپنے ہمراہ لے گئیں۔ وہ جہاں گیر آباد پیلس میں ٹھہری ہوئی ہیں۔ جادو کو راجہ کا محل اس قدر پسند آیا کہ وہ واپسی کا نام نہیں لیتے۔ کل میں سالم[3] کو ساتھ لے کر گئی

---

[1] انجمن اسلام بمبئی کے اسکولوں کے سکریٹری

[2] رضیہ سجاد ظہیر [3] پروفیسر ابوسالم مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تھی مگر واپس نہ آئے۔

یہاں کا موسم بہت ہی خوشگوار ہو رہا ہے۔ بارش البتہ پریشان کن بن چکی ہے۔ تم آئندہ خط مجھے لکھنؤ ہی لکھنا میں بس کو جلد دوں گی مجھے یہ خوشگواری اب کھلنے لگی ہے تم بمبئی میں اس درجہ پریشان رہنے لگے ہو، آخر میں کسی نہ کسی طرح تعطیل تمھارے ساتھ بسر تو کر سکتی تھی۔ ہم دونوں کی طرف سے ڈھیل ہی ہو گئی

تم آرام و تکلیف کے مسئلے کو نظر انداز کر کے ملازمت کے امکانات ضرور دریافت کرو۔ صفورا بیگم یا پھر دسنوی سے کام نکل سکے گا۔ عصمت آپا کی بہن یا کرشن کے گھر گذر ہو ہی جائے گی ورنہ تم زیادہ دن تنہا نہ رہ سکو گے اور اس طرح مجھے اور تمھیں دونوں کو نقصان پہونچ جانے کا پورا اندیشہ ہے۔

بہر حال تم اپنے ذہن و دماغ کو زیادہ متاثر نہ کرو۔ اب تک جو کچھ ہوا وہ ہم سب کی بہتری کے لئے ہوا اور آئندہ بھی جو کچھ ہو گا وہ بہتر ہی ہو گا۔ خلوص اور نیت کی صداقت یہ دو چیزیں انسان کو کبھی نقصان نہیں پہونچایا کرتیں۔ کچھ مادی یا افادی پہلو نہ نکلے تو کردار کی برتری تو ہاتھ سے نہیں جاتی۔ اختر! تمھارے ساتھ رہ کر میں نے جتنا کچھ پایا ہے مجھے دنیا کے کسی دوسرے مرد سے یہ سب نہ مل سکتا تھا۔ پھر تمھارا جیسا نازک دل اور تمھارے جیسے لطیف جذبات جن کو ہاتھ لگاتے ہوئے بھی بعض وقت ڈرتی ہوں کہ کہیں ان میں میل نہ آجائے۔ میرے شاعر! تمھاری شاعری اور تمھارے نغموں سے بہت سے لوگ لطف اُٹھاتے ہوں گے۔ مگر اُسے " Live " کرنے کے مواقع کسے ملے ہیں، میں تو تمھاری شاعری ہی کو اپنی زندگی بنا چکی ہوں دوست شعر کہو اور

ـلـہ الیکٹریس میونسپل اردو اسکول بمبئی

تھوڑی دیر کے لئے سب کچھ بھول کر کہو۔

اچھا اختر! اب طبیعت تو تمھاری پوری طرح صاف ہے یا نہیں؟

بے شمار پیار، گہرے اور گرم
تمھاری صفو

نینی تال
۱۹ر جون سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

تمھارا خط پرسوں شام ملا تھا، کل اتوار ہونے کی وجہ سے جواب نہ لکھ سکی۔ نینی تال سے کل روانگی ہو جائے گی بشرطیکہ سالم کی امتحان کی کاپیاں جو کشمیر سے آنے والی تھیں، آج دوپہر کی ڈاک سے آگئیں ورنہ پرسوں یقینی روانگی ہے۔

بعض وقت خاموش لیٹ کر ذہن میں پورا نقشہ جماتی ہوں کہ تم کیسے ہو؟ کیا کر رہے ہو گے، کہاں ہو گے اور پھر مجھے اپنے اوپر خود ہنسی آجاتی ہے! اختر! اپنی ایک اچھی سی تصویر اسٹوڈیو میں اتروا کر ضرور بھیج دو۔ میں نے تم سے پہلے بھی فرمائش کی تھی۔

تمھارے نام کے رسالے نہ جانے کہاں کھو جاتے ہیں۔ مجھے تو پڑھنے کو بھی نہیں ملتے —— خط کا کاغذ تمام گندہ ہوا جا رہا ہے۔ ابھی ابھی سر میں تیل ڈالا ہے اور ہاتھ خراب ہو رہے ہیں۔

مفصل حالات لکھو، کھانے کا کیا انتظام ہے، خلیل صاحب سے

کیسی بلتی ہے؟ تمھاری صحت کا کیا حال ہے۔ انجمن[1] کس طرح چل رہی ہے؟ عصمت آپا کے گھر کی خیریت؟ وغیرہ۔

اچھا بہت سے پیار
تمھاری اپنی صفیہ

نینی تال

۲۱؍ جون سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

بے شمار پیار اور بہت سی دعائیں۔

کل شام تمھارا ۱۳ ستمبر کا لکھا ہوا خط پہونچا، آنکھوں سے لگایا اور محفوظ کر لیا خاص طور پر اس لئے کہ تم نے بچّوں کو پیار لکھا ہے۔ تمھیں اُن کا پیار ہر وقت حاصل ہے۔ دن میں کئی بار دونوں تم کو یاد کرتے ہیں اور تمھاری باتیں کرتے ہیں۔ "ابّی کیا کر رہے ہوں گے۔؟" "ابّی کب آئیں گے؟" "ہماری صورت ابّی سے ملتی ہے۔" "ہم ابّی کی طرح شعر کہتے ہیں۔" وغیرہ۔

آج یہاں سے کوچ کا دن ہے۔ حمیدہ۔ سالم اور بلّی پھل خریدنے گئے ہیں۔ میں بچّوں کے ساتھ گھر پر ہوں۔ میرے داہنے گردے میں ہلکا ہلکا سا درد ہو گیا ہے۔ نہ معلوم سردی سے یا کس بات سے۔

بچّوں کی تصویریں اتروائی ہیں، آج بن کر آجائیں گی۔ لکھنؤ سے تم کو بھیجوں گی۔ ایک تصویر بچّوں کے ساتھ میری بھی ہے۔ دیکھو کیسی آتی ہے۔

یہ دن بھی کیسی محرومی میں گذر گئے۔ ہم دونوں کی صحبتیں کتنی رنگین کتنی بھرپور

[1] انجمن ترقی پسند مصنفین بمبئی [2] مس زبیدہ محمود

اور کیسی دلچسپ ہوتی ہیں اختر، ہم نے دوستی کا لطف ایک دوسرے سے بہت پایا ہے۔ میں نے زندگی میں تم سے دوستی، رفاقت، سرپرستی، شفقت ملائمت سبھی چیزیں پائیں۔ تمھیں پاکر پھر مجھے زندگی میں کسی کی بھی ضرورت باقی نہ رہی۔ کتنی بھٹکی ہوئی زندگی۔ کتنے متلاشی جذبات کو پناہ مل گئی اختر! تم میرے لیے بہت قیمتی ہو۔ زندگی ہی کے برابر! تم سے ہی جینا ہے اور تمھیں سے مرنا۔ کتنی واقعیت ہے ہمارے ساتھ میں اور ساتھ ہی کتنا رومان! تمھارے تصور ہی سے اکثر میں کتنی جذباتی ہو جاتی ہوں اور تمھاری تکلیف کے خیال سے یہاں رہ کر بھی کتنے آنسو بہا لیتی ہوں۔ تم مت گھبراؤ دوست! تمھارے رنج و راحت کسی چیز سے اگر تم مجھے لمحے بھر کے لئے بھی بے خبر پاؤ تو مجھے زہر دینے کا حق تمھیں حاصل ہو گا۔

اچھا آج تک نینی تال کی پُر کیف فضا اور ٹھنڈی ہوائیں ایک آرزو مند دل کی آگ کو سلگاتی رہیں، آج یہ دور بھی ختم ہوا۔

اس وقت پلنگ پر کمبل لپیٹے۔ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی خط لکھ رہی ہوں، ایک طرف جادو لیٹا ہے۔ دوسری طرف اویس، دونوں رہ رہ کے جھٹکا دیتے ہیں۔ میں ہل جاتی ہوں۔ جادو اٹھ کر خط پڑھنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ اویس اس سے بے نیاز ہیں۔

لکھنؤ پہونچتے ہی تم کو اپنی اور بچوں کی خیریت سے مطلع کروں گی۔ دس بارہ دن ہی کا قیام وہاں ممکن ہو گا۔ پھر تو بھوپال پہونچنا ہی ہے۔ شاہ میر[1] بھوپال رہنے پر راضی ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ تنہائی بڑی جان لیوا ثابت

[1] شاہ میر راہی۔

ہو گی۔ خصوصاً بچوں کے لئے، شاہ میر کی موجودگی میں ایک آدھ بار بچوں کو چھوڑ کر بھی تمھارے پاس پہونچ سکوں گی۔

ایاز کا کوئی جواب نہیں آیا۔ لکھنؤ جا کر تفصیل معلوم ہو گی۔ خیر آباد اُترنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ اب تمھارے ساتھ ہی جاؤں گی۔

خلیل صاحب کو میرا آداب کہنا۔ بمبئی کے سارے حالات لکھنا اپنے اوقات اور پروگرام بھی، زندگی کی بدمزگی کم کرنے کا کوئی عارضی نسخہ سوچ کر لکھوں گی۔ اگر تم اپنا تفریحی شعور بیدار رکھنے کے لئے تیار رہو دوست۔

تمھاری اپنی
صفّو

لکھنؤ

۲۷ / جون ۱۹۵۰ء

اختر عزیزہ!

تمھارا خط ملا تھا۔ دو تین دن کیوں تمھیں خط نہ لکھ سکی، اِن جذباتی باتوں کو زبانی یا تحریر سے نہیں سمجھایا جا سکتا۔ خط پاکر پوری شام مجھ پر عجب فاتحانہ انداز طاری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کائنات مجھے حاصل ہے اور دوسری صبح جو سوکر اٹھی تو اس کا ردِ عمل دیکھو کہ بات بات پر آنسو اُمڈ آتے تھے کل دن بھر قلم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی بہتیرا خود کو سمیٹنا چاہا مگر قابو نہ حاصل ہوتا تھا۔ میری جان مجھے مضبوط رہنے دو اپنی خاطر، میں آہنی عزم اور استوار ارادے چاہتی ہوں۔

اختر! مجھے معصوم نہ کہو۔ یہ تمھارے جذبے کی معصومیت تھی جو تم نے ایسا محسوس کیا، پھر بھی اگر سب کچھ تمھارے قدموں پر نچھاور کر کے سب کچھ پا لینے کا نام معصومیت ہے تو تم اسی طرح سے سوچ سکتے ہو۔

بچوں کی اور میری تصویر ملی؟ بچوں کی تصویر ضرور فریم میں لگا کر رکھنا۔ تم اپنے میں قوت اور اعتماد محسوس کرو گے، انھیں دیکھ کر۔

اب بھوپال جانے کے دن قریب آ گئے ہیں۔ آٹھ کو روانگی ضروری ہے۔ ایاز نے اسرار بھائی کو بتایا ہے کہ ریڈیو کا پروگرام اگست کے دوسرے یا تیسرے ہفتے والی جمعرات کو ہو گا، وہ آج کل چھٹی پر ہیں۔ اس لئے اُن کو صحیح علم نہیں۔ اب تم اپنی رائے بلکہ اپنا فیصلہ لکھ کر بھیج دو۔

ابھی کتنا طویل وقفہ اور پریشان کُن مراحل حائل ہیں۔ میری تمھاری ملاقات میں۔ یہ کیسا شدید جبر ہے کہ نہ میں تم تک پہونچ سکتی ہوں اور نہ تم میرے پاس آ سکتے ہو دوست! بعض وقت تو یہ بچے بھی وبال معلوم ہونے لگتے ہیں، لیکن اس میں بھی شبہہ نہیں کہ یہ نہ ہوتے تو ان حالات میں زندگی بھی مشکل ہو جاتی۔ بہر حال "دینا ہو گی ہر قربانی، کرنا ہو گا خون کا پانی" والی بات ہے۔

تم اپنی کوئی ضرورت تو مجھے لکھو جس کی تکمیل سے مجھے کچھ اطمینان ہو سکے کوئی فرمائش اپنے لئے نہیں تو اپنے احباب کے لئے۔ میری زندگی بعض وقت حد درجہ بے مقصد سی نظر آتی ہے، تم پاس تھے تو تمھیں ہر لمحہ میری خدمت درکار تھی ایسے مہینے گزر جاتے ہیں مجھے تمھارے لئے تنکا ہلانے کا موقع نہیں ملتا، یہ قیامت نہیں تو اور کیا ہے؟

بھوپال کی برسات پوری طرح عذاب بن جائے گی۔ تنہائی کے لمحے کیسے بسر ہوں گے؟ کوئی غمگسار ہی ہوتا جس کے سامنے دن میں دو ایک بار تمھارا نام ہی پیار سے لے لیتی۔ ہاں شاہ میر سے تم نے بات کی؟ وہ بھوپال آجاتا تو بہت ہی اچھا ہوتا، دو ایک Tutions میں اُسے ڈھونڈ کر دلوا دیتی، بچوں کی نگرانی رہتی۔

پیسوں والی بات پر تم نے کیسی محبت آمیز باتیں لکھ ڈالیں دوست مگر اس سے انکار نہ کرو کہ پیسے کی کمی سے اس مہینے میں تمھیں تکلیف ضرور ہوئی ہو گی۔ آئندہ ایسا ظلم خود پر نہ کرنا میری خاطر۔

آج کل تو بعض وقت سب کے بیچ سے نکل بھاگنے کی خواہش پیدا ہونے لگتی ہے۔ کسی کو کیا معلوم، دل ہر لحظہ کتنا بے چین رہتا ہے۔ اس دل پھٹکنے کی پہچان کیسے ہو سکتی ہے۔ کون ہمدردی کر سکتا ہے؟ کوئی نہیں آؤ تمھارے آغوش میں چھپ جاؤں اور تھوڑی دیر تک خوب پھوٹ کر رو لوں میرا دل ہلکا ہو جائے گا۔

اویس اور جاوید دونوں تم کو ہر روز ہر وقت یاد کرتے ہیں اور تمھارے تذکروں سے میرا جی بہلا لیتے ہیں۔ ان کا پیار تمھیں حاصل ہے اور میرا پیار انھیں، آؤ ہم سب گھل مل کر ایک لمحے کے لئے اس طرح ایک ہو جائیں کہ جیسے کبھی تھے۔

تمہاری
صفو

لکھنؤ

۲۹ر جون ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

صبح سے قلم اور کاغذ لئے بیٹھی ہوں، پر خط لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ اویس کو کل سے پھر تیز بخار آگیا ہے۔ لمحے بھر کی فرصت نہیں دے رہا ہے۔ اس خیال سے یہ مختصر سا خط پوسٹ کر رہی ہوں کہ شاید کل شام کو پہونچ سکے ورنہ پھر پرسوں اتوار درمیان میں آجائے گا۔ اور تمھیں کئی دن انتظار کرنا ہو گا۔

تم کیسے ہو؟ میرے دو تین خط تمھیں مل چکے ہوں گے، کل بھی میں نے خاصی بکواس کی ہے، کہیں تمھارے احساس کے کسی گوشے کو ٹھیس نہ پہونچ جائے۔ ڈرتی ہوں۔

اگر میرے پیار کے قائل ہو تو کبھی میری بات سے اپنا دل مت دکھایا کرو، دوست! میری ہر سانس تمھارے ہی لئے وقف ہے۔ خط لکھو مفصّل سا۔ پیار لو۔

تمھاری صفیہ

لکھنؤ

۲۹ر جون ۱۹۵۰ء

میرے اپنے اختر!

تمھارے دو خطوط ملے۔ تم اس طرح تنہائی میں پریشان رہتے ہو اور میں یہاں سے تمھاری شرکت کیا خاک کرتی ہوں، بہرحال اگر میری

بے ڈھنگی تحریر اور بے ربط باتیں تھیں تھوڑی دیر کے لئے بہلا لیتی ہیں تو یہی بہت کچھ سمجھوں گی بعض وقت یہاں سے بھی جی اکتا سا جاتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ بھوپال پہونچ چکوں، وہاں تمہاری یاد اور تمہارے تصور میں کوئی چیز مخل تو نہ ہوگی۔ اب ظاہر ہے روانگی کے دن قریب ہی ہیں۔

تم نے ڈاکٹر[1] صاحب کے یہاں مکان حاصل کرنے کے لئے لکھا ہے۔ اس سلسلے میں دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ کرایہ نہ لیں گے۔ دوسرے یہ کہ جو حصہ ایوب[2] کے پاس تھا وہ بہت ہی مرطوب اور ساتھ ہی کھلا ہوا ہے۔ مناسب شکل یہی ہوگی کہ اپنا مکان برقرار رکھا جائے۔ اگر منی بھوپال آگئی تو ہم دونوں باسانی اپنے پرانے مکان میں بسر کرلیں گے۔ کتنی یادیں اس کے ساتھ وابستہ ہوگئی ہیں اختر! اس میں تنہا رہ کر بھی تمہارے ساتھ کا احساس پیدا کرنا ممکن ہے۔ مجھے اس مکان سے پیار ہے۔ اس لئے کہ اس میں میں نے تمہارے ساتھ کا طویل ترین عرصہ گزارا ہے۔

منی کے بارے میں تمہارا مشورہ نہایت مناسب ہے میں نے بھی اس طرح کئی بار سوچا تھا، سوا اس کے کہ آئی۔ ٹی کالج ٹھیک نہیں کیونکہ یہاں ایم۔ اے کلاسیں یونیورسٹی میں ہوتی ہیں۔ اور وہاں مستقل خاصی شورش رہتی ہے۔ اگر وہ پرائیویٹ پڑھنا پسند نہ کرے تو پھر علی گڑھ ہی اچھا ہے۔ سالم[3] وغیرہ کی وجہ سے بہت مدد مل جائے گی۔ سالم ایم۔ اے کلاس کو پڑھاتے بھی ہیں۔ ورنہ وہ میرے پاس آجائے کتابیں وغیرہ

---

[1] ڈاکٹر سلطان [2] ایوب مرزا و جد چغتائی۔

[3] مس حنیفہ زبیر۔

سب مل سکیں گی۔ ضروری مشورے بھی حاصل ہوسکیں گے۔ میں اُسے آج ورنہ کل ضرور خط لکھوں گی۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہو گی کہ یہ تنہائی کے دن بھول سے کٹ جائیں گے۔

ہاں بھائی ظفر کا خط دوبارہ آیا ہے، وہ لوگ منتظر ہیں، اب یہی لکھدوں گی کہ اگست میں اختر سمیت آنا ہو گا۔ چلوگے نا؟

پرسوں سے اویس کو شدید بخار آگیا تھا، دو راتیں جاگ جاگ کر گزارنی پڑیں۔ تم سوتے ہوگے اور میں تمھیں یاد کرتی رہی، اختر! اس مرتبہ تمھارا ساتھ ہو گیا تو ایک ایک لمحہ سے اس اذیت کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے جو آج کل مجھے برداشت کرنی پڑ رہی ہے۔

خط لکھو اور میرا آئندہ کا پروگرام، تنہا جاؤں یا بچوں کو لیکر جاؤں۔ جی چاہتا ہے کہ گھنٹوں اپنی باتوں سے تمہارا جی بہلاتی رہوں اور خط پڑھنے کے بعد تم محسوس کرو کہ کسی دوست سے گپ کر کے آئے ہو۔ مگر دوست! تم خود خط میں Intensity کے قائل ہو Duration کے نہیں۔ دو جملے لکھو گے۔ اور ایسے شدید کہ بجلی کا سا اثر پیدا ہو جائے۔ اس کا خیال کرکے طول کلامی سے بعض وقت احتراز سا پیدا ہو جاتا ہے۔

اس طرف مجھے اُردو کی معقول چیزیں پڑھنے کو نہیں مل سکی ہیں۔ تمھارے نام کے رسالے تو سب رائگاں ہوتے ہوں گے۔ کوئی طریقہ نکل آئے تو انھیں بھی Re-direct کرادیا کرو۔ تازہ تحریروں سے یہ بے تعلقی ذہن کے لئے مُہلک ہو گی، دہلی کانفرنس میں شرکت کے لئے کون کون سے ساتھی جا رہے ہیں؟ تم بھی کیوں نہ ہو آئے۔ دلچسپ رہیں، ”تصادم،، کے امکانات پیدا

کئے جاسکتے تھے۔

آج کل انجمن[1] کے رویّے میں کیا تبدیلی پیدا ہوئی ہے، تم مجھے تفصیل سے لکھنا اور کیا کیا مصروفیتیں اور کیا کیا تفریحیں رہتی ہیں؟ سچ بتاؤ "وہ معصومیت" بھرا خط عالمِ کیف میں تو نہیں لکھا تھا تم نے؟ قلم تو انگلیوں کی استواری پر شہادت دیتا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے اکثر بے پئے نشہ سا ہو جانا بھی ممکن ہے۔

اسٹیفن والی بات جواب دہی کے قابل ہے دوست! تم جانتے ہو میرا پیار ہے تو تم سے اور میری زندگی ہے تو تم سے۔ اب مجھے کسی اسٹیفن کی ضرورت نہیں۔ اب تک میری پارسائی نے تمھیں پارسائی کی تلقین کی ہے اور تم نے مجھ سے درس صفا لیا ہے اس سے انکار نہ کرنا! پھر میں ایسی قیمتی شے کس طرح کھو سکوں گی جس کی بنیادوں پر میری تمھاری بے لوث محبت کی عمارت تعمیر ہو رہی ہے۔ میں تمھارے لئے ہی پیدا کی گئی تھی تمھارے انتظار میں زندہ رہی پروان چڑھی اور مرتے دم تک تمھاری ہی رہوں گی۔ میرے لئے تم ہی سب کچھ ہو۔ میری عزت کے محافظ، میرے بچّوں کے نگراں میرے دوست، ساتھی رفیق اور پھر ایک ہندوستانی عورت کے ساجن!

آؤ، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا دو، میری دنیا جگمگا اٹھیگی۔

تمھاری اپنی

صفو

---

[1] انجمن ترقی پسند مصنفین۔

لکھنؤ

۵ر جولائی ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

تمھارا ایک پیارا سا خط پرسوں شام مجھے ملا تھا۔ تم اس درجہ بے چین رہتے ہو کہ تم سے دور رہ کر خود سے نفرت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ میری جان! میں کس طرح تم تک پہونچ جاؤں۔

میں نے کئی دن سے تمھیں خط نہیں لکھا۔ بڑی پریشانی میں گھر گئی تھی۔ ادیس کو کھسرہ نکل آئی، دن رات کی خدمت گذاری تھی۔ راتوں کو جاگ جاگ کر میری آنکھیں دکھنے آگئیں میں تو ڈر گئی تھی کہ کہیں دالے بھول نہ آئیں۔ شکر ہے کہ اب دانے مُڑ گئے ہیں۔ اگر ادیس اس قابل ہو گیا تو آٹھ کو ضرور روانہ ہو جاؤں گی ورنہ پھر چھٹی کے لئے تار دینا پڑے گا۔ جیسا کچھ ہو گا تمھیں فوراً اطلاع کروں گی۔

تمھارے خط سے حسب دستور بڑی ڈھارس بندھ گئی ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ "بچوں کو ساتھ لے جا کر اطمینان سے گھر رہو،" میں تمھاری ہدایت کے مطابق ہی کروں گی۔ مُنّی[1] کو خط لکھا ہے۔ خدا کرے وہ میرے پاس رہنے کا فیصلہ کر لے۔

اختر! آؤ مجھے اپنے مضبوط بازوؤں کے حلقے میں جکڑ لو۔ مجھے بھوپال جانے کے خیال سے کتنی وحشت ہے! وہاں کس لئے جاؤں؟ کون منتظر ہو گا میرا؟ کس کو پا کر گھر چھوٹنے کا غم بھول سکوں گی؟ صرف یہ تسلی مجھے لے جا رہی ہے کہ تیرے

[1] مس حنیفہ زبیر۔

نزدیک آرہا ہوں میں" ______

آؤ تمھاری گردن میں باہیں ڈالنے کو بے چین ہوں دوست!
بہت سے پیار۔

تمھاری اپنی صفو

لکھنؤ
۷ر جولائی ۱۹۵۰ء

میرے اختر!
خدا کرے تم خوش ہو!

اتنے پیارے خطوط اور ایسی بے پایاں نوازش کے بعد تمھاری خاموشی جان لیوا ثابت ہو رہی ہے۔ قریب ایک ہفتہ کے ہوا کہ تم نے میری خبر نہیں لی۔ میرے لئے تمھاری محبت کا بدل دنیا کی کسی چیز سے نہیں ملتا اختر! میرا ہر لمحہ تمھارے تصوّر سے آباد ہے لیکن میں آج صرف تمھارے تصور کی پرستش سے ہی تسکین نہیں پاتی، میری گود میں تمھارے خون کی گرمی اور تمھارے دماغ کی روشنی لئے ہوئے تمھاری تصویر ہمکتی ہے اور میں اُسے اپنے تمھارے پیار کا سنگم بنا کر اکثر تمھیں میں جذب ہوتی ہوں۔ تمھاری تصویر، تمھاری ادائیں، تمھارا انداز، تمھاری معصومیت، یہ سب میرا سرمایہ بن چکی ہیں دوست۔ تم خود کو مجھ سے بچا کر کیسے لے جاؤ گے؟ تمھاری زندہ، جیتی جاگتی بڑھتی ہوئی تصویریں وہ جتنی تمھاری ہیں اسی قدر میری بھی ہیں! ______ ہماری محبت میں جمود نہیں تسلسل ہے۔ رُکاؤ نہیں حرکت ہے۔ وہ بڑھ رہی ہے اور بڑھے گی۔

اختر! کل صبح لکھنؤ روانگی ہے۔ آج شام بھی اگر تمھارا خط نہ آیا تو بڑی

مایوسی ہوگی۔

آؤ مجھے پیار کر لو میرے اپنے ساجن!

تمھاری صفیہ

بھوپال

۱۰ر جولائی ۱۹۵۰ء

عزیز اختر!

بہت سے پیار۔ میں نو کی رات کو بھوپال پہونچ گئی تمھارے خط کا ہنوز انتظار ہے۔ جادو بھی میرے ساتھ آیا ہے، موسم بلا کا خوشگوار ہے۔ گھر رہ رہ کر کسی کو پکارتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ تمھارا چھوٹا کمرہ تو ہر لحظہ تمھاری آہٹ کا منتظر ہے دوست! آؤ مجھے سینے سے لگا لو۔ مجھے امان مل جائے گی ساری الجھنوں سے۔

خط لکھو ورنہ میں تو مر جاؤں گی اس طرح —

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۱۳ر جولائی ۱۹۵۰ء

اختر عزیز، میری جان

بہت سے پیار، خط ملے۔ خیریت معلوم کرکے قدرے اطمینان ہوا مگر خود میری عادتیں بگاڑ کر ایکا ایکی اس طرح بے نیاز سے ہو جاتے ہو کہ بار بار مرنے کا مزہ آجاتا ہے۔ ہر ممکن وہم ذہن پر مسلط ہو جاتا ہے اور بس کیا بتاؤں دل و دماغ

پر کیا گذر جاتی ہے۔

تم نے ایس۔ ایم نواب کے نئے پروگرام کا حال لکھا، ظاہر ہے کہ جب تمھیں فی الحال گانے بھی نہیں لکھنا تو خواہ مخواہ تنخواہ لیتے رہنے سے تمھیں شرمندگی ضرور ہوگی، تم بخوبی اُن کا ہاتھ دوسرے امور میں بٹا سکتے ہو۔

تم نے مجھے روپئے بھیجے ہیں، جو آج مل بھی گئے۔ اس بار تو میرے پاس ضرورت سے زیادہ ہی پیسے آ گئے تھے، اب میں یہ رقم جمع کر کے رکھوں گی۔ ہاں مُنّی کو میں نے لکھنؤ سے بھی لکھا تھا اور یہاں سے بھی ایک خط بھیجا ہے کہ وہ میرے پاس ہی آ جائے۔ ملازمت کی پروا کیئے بغیر، امتحان ضروری ہے۔ ملازمت کا مسئلہ ثانوی۔ اب وہ عنقریب میرے پاس آ ہی جائے گی۔ اختر! اگر خدانخواستہ میرا برتاؤ مُنّی سے ذرا بھی ترچھا رہا ہوتا تو وہ تمھارے کہنے سے بھی میرے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہوتی۔ پچھلی بار وہ صرف دو دن کے لئے آئی تھی میں نے اُسے باصرار بیس دن روکے رکھا، مجھے وہ عزیز ہے اس لئے بھی کہ تمھیں عزیز ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ میرے دل کو ہمیشہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تم مطمئن رہو دوست میں تمھیں تمھاری بہن سے شرمندہ نہ ہونے دوں گی۔

یہاں کے حالات: موسم کی خوشگواری جان لیوا ثابت ہو رہی ہے۔ صبحیں اور شامیں کیسی تشنہ گذرتی ہیں اختر! رات بھر بے پناہ خنک ہواؤں کے جھونکے تھپکی دیتے رہتے ہیں۔ تمھارے کمرے میں تمھارے پلنگ پر جا دو کو لے کر سوتی ہوں۔ ادیس اپنی قدیم جگہ پر تنہا پڑا رہتا ہے۔" اسے خلل ہے دماغ کا" نہ کہو گے؟ سنگر کے پڑوس سے خاصی گہما گہمی رہتی ہے۔ چار عدد بچوں کا اُدھم بہت ہوتا ہے۔ نیچے کے حصے سے گیتا اُٹھ گئے ہیں۔ ان کی جگہ ——

منو چا[1] مع اپنی نو عمر بیوی آ گئے ہیں۔ بڑی شاداب لڑکی ہے۔ دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے۔ شہاب[2] بھی شادی شدہ ہو گئے ہیں۔ بیوی کو گھر چھوڑ کر آئے ہیں۔ جہیز توقع کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا۔ بہت مایوس ہیں۔

عزت، گرو[3]، گپتا بدستور ہیں۔ عزت آتے رہتے ہیں۔ تم کو یاد کرتے ہیں۔ کالج میں حسب دستور پڑھائی شروع ہو گئی ہے۔ جین[4] کے آنے جانے سے میرے لئے بہت کم کام رہ گیا ہے۔ جین بہت ہی سیدھا اور فرمانبردار سا آدمی ہے۔ ہر بات مجھ سے پوچھنی ضروری خیال کرتا ہے۔ لوگوں پر اس بات کا بڑا رعب ہے کہ ایک پی۔ ایچ۔ ڈی بچارا میری زد میں آ گیا۔

اور سنو، رشید الظفر صاحب کے والد بزرگوار کا ساڑھے اٹھائیس ہزار روپئے سالانہ کا اسکالر شپ فنڈ ہے جو اب تک دبا ہوا تھا۔ اس سال سے باقاعدہ وظائف جاری ہوں گے۔ چودہ ہزار ولایت کے لئے باقی ہندوستان کے لئے اس کی کمیٹی قائم ہوئی ہے جس میں ترہبنی سرن اور مولوی محمود جیسے "دقیانوسی" حضرات ممبر ہیں۔ اس میں رشید الظفر صاحب نے میرا نام پیش کیا اور وہ منظور ہو گیا۔ بھوپال میں بڑا Sensation ہے۔ ندیم نے بڑے زوردار طریقہ پر میرا نام دیا ہے۔ ممبری کے علاوہ باہر جانے کے لئے وظیفہ اس سال نہیں تو آئندہ سال مل جانا قطعی ممکن ہے مگر ———— ؟ ہاں لکھنؤ سے Talk کی تاریخ چوبیس اگست مقرر ہو کر آ ئی ہے۔ اب مضمون[5] تو فیصدی بھیں لکھنا ہے۔ میرے بس کی چیز نہیں۔ یہ تم سمجھ لو۔ پھر اس کے بعد جو پروگرام مناسب خیال کرو۔

---

[1] مسز منو چا پروفیسر حمیدیہ کالج بھوپال [2] شہاب اشرف [3] راجیشور گرو پروفیسر ہندی حمیدیہ کالج بھوپال [4] ڈاکٹر گیان چند جین [5] علم و ادب کے نشوونما میں خیر آباد کا حصہ۔

سنا ہے مہدی آئے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ آسکتی ہوں۔ مگر تم لکھو تو
بھی "سویرا" میں تمہاری تصویر دیکھ کر تم سے بہت سی پیار کی باتیں ہوتی رہیں
اب کی تم سے اس درجہ پیار سے ملنے کو جی چاہتا ہے کہ تم بھی گھبرا اٹھو اختر! کیا
ایسا ہونا ممکن ہے؟ اب تک تو تمہاری ہی "محبت" غالب رہی ہے۔

ہاں بے موقع یاد آئی بات۔ مگر یاد آگئی تو لکھ رہی ہوں۔ تم نے ملازمہ بڑھا
لینے کے لئے مشورہ دیا ہے۔ تو کیوں ایسی بات کی جائے جو خدانخواستہ کل پیسے
کم ہونے کی وجہ سے تبدیل کرنی پڑے۔ دوسرے یہ کہ دو نوکروں کے ہونے سے
Crises پیدا ہونے کے امکانات ہی رہتے ہیں۔ ویسے میں میٹرن کی لڑکی
چندا کو مستقل اپنے پاس رکھ لوں گی۔ اس سے مدد ملے گی اور اس کو بھی آرام ملے
گا۔ ٹھیک ہے نا؟

اب رات کے دس بج گئے ہیں، تمہارا تصوّر میرا رفیق رہے گا۔ اور میں
تمہیں اپنے سینے میں آباد کر کے سو جاؤں گی۔

تمہاری صفو

محبوب منزل
۱۰ جولائی ۱۹۵۰ء
۱۰ بجے شب

اختر عزیز!

آج سہ پہر تمہاری پندرہ کی لکھی ہوئی تحریر ملی۔ تمہارے پچھلے خطوط
بھی مجھے مل گئے تھے۔ گو کہ ایک خط ٹھیکدار صاحب کی بیگم صاحبہ کے مطالعہ کے

ؔ محمد مہدی۔

بعد مجھ تک پہونچ سکا۔ اس پر بھی رشک پیدا ہے! بہر حال۔
کتابوں کا پارسل بھی پہونچا۔ کیسے پیار اور کتنی انوکھی محبت کے ساتھ تم نے
مجھے یہ کتابیں بھیجی ہیں دوست! تمھارے Physical Attraction
سے بھی ہمیشہ خود کو کم ہی پایا اور آج تمھارے اس ذہنی لگاؤ کے برابر بھی خود کو نہیں
پاتی۔ تمھاری بلندیاں میں نہ چھو سکوں گی دوست! میں وہ رفعتیں کہاں سے
لاؤں کہ تمھارے برابر خود کو کر سکوں۔ میں ان اچھوتی بلندیوں کی پوجا ہی کر سکتی ہوں۔
میں نے ہمیشہ تمھارے سامنے سر جھکایا ہے۔ اور ہمیشہ سر ہی جھکاؤں گی! تم بہت
اونچے اور بہت پیارے ہو۔ اور اپنی اس بلندی ہی کے باعث ہمیشہ ہمیشہ
Unattainable تھیں حد سے زیادہ پالینے پر بھی یہ احساس غالبؔ
مجھے باقی رہتا ہے کہ تمھیں نہیں پایا مگر تمھارا تعاقب کرنے سے میں کبھی نہ تھکوں گی
دوست! تم تک پرواز کرنے کی کوشش میں مجھے لذّت ہے راحت ہے۔
منی آرڈر کی رسید تمھیں گذشتہ خط میں لکھ چکی ہوں۔ تمھارے بھیجے ہوئے
پیسے مجھے کس درجہ غنی بنا دیتے ہیں۔ میرے غرور کی حد نہیں رہتی۔ تم میرے کفیل ہو
اور نگراں، بچے کیسی متحیّر نگاہوں سے خوش ہو ہو کر دیکھتے ہیں۔ اُبّی نے اتنے پیسے
بھیج دیئے، اتنے بہت سے کیوں بھیجے ہیں امّی؟ اور سنو عید کی تین دن کی چھٹیاں
تھیں۔ کیسا جی چاہ اُٹھا کہ دو چار دن کی چھٹی اور لے کر چل پڑوں۔ ڈیڑھ دن تک
پلنگ پر لیٹ لیٹ کر اسکیمیں سوچیں۔ آخرش اس کش مکش کا یہی حل سمجھ میں آیا کہ
بچوں کی راحت کے لیے اپنی اور تمھاری خوشیوں کا خون کیا جائے اور یہ تین دن
یہیں مر گز ار دیئے جائیں۔ کل کا دن ایسی اختلاجی کیفیت میں گزرا کہ نہ پوچھو۔
ہر لمحہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کسی انتظار میں گھڑیاں گزر رہی ہیں۔ آج عید تھی

بچوں کی خوشی کرنی ہی تھی۔ بس یہ نہ سوئیاں پکائیں اور نہ کپڑے بدلے۔ دوپہر کو زبردستی عزت اپنے گھر بلا کر لے گئے۔ کچھ وقت وہاں گزر گیا بقیہ عرصہ جیسے گزرا اس کا بیان تم سے ممکن ہے۔ جادو اویس ہنگامے برپا کرتے رہے۔ موسم الگ جان لیوا ثابت ہو رہا ہے دوست شاید تمہارے ابا[1] کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کجری ہے۔

"ایسے دِن برکھا رُت آئی گھر نا ہیں ہمرے شیام رہے"

راتیں تو بے چین کر کے رکھ دیتی ہیں۔ کاش، ہوا کم خنک ہوتی۔ اور جھونکے اس درجہ بے پناہ نہ ہوتے۔

تم نے بمبئی سے باہر جانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ نہ جاؤ میری جان۔ مجھے رشک کی آگ پھونک کر رکھ دے گی۔ اب اگست آ ہی رہا ہے۔ چوبیس کو Talk ہے۔ عثمان کو یہیں چھوڑوں گی۔ اویس جادو کو لے کر سولہ کو لکھنؤ اُسی ٹرین سے روانہ ہو جاؤں گی جس سے تم بمبئی سے آؤ گے۔ دونوں لکھنؤ تک کا سفر ساتھ کریں گے۔ اب کہیں اور مت جاؤ۔ میرے پاس تو بچے ہیں گھر ہے۔ ملازمت ہے۔ جان پہچان کے لوگ اور ڈھنگ کی جگہ سبھی کچھ ہے۔ تمہاری پریشانی مجھ سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔ مگر تم تو بہت مستقل مزاج ہو۔ میری جان! یہ دن اور گزار لو۔

منّی کا ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا ہے مجھے اُس کا انتظار ہے اویس بھی روز سوال کرتا ہے کہ منّی آپا کیوں نہیں آئیں؟ دیکھو۔

تمہاری بھیجی ہوئی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا ہے۔ سوچتی ہوں کہ .. "نقدِ حیات" پر ایک مضمون لکھوں، اس کتاب نے مجھے بہت Provoke

---

[1] مضطر خیر آبادی مرحوم

گیا۔ مگر "فرصت کشاکشِ غمِ پنہاں سے گر ملے"۔
اچھا خط لکھو۔ میرے سب دکھ درد دور ہو جاتے ہیں تمھارا خط پا کر۔ یہ دن بمبئی ہی میں گزار دو۔ اب کہاں اِدھر اُدھر ڈانواں ڈول پھرو گے۔ خلیل صاحب کو آداب کہو۔ خود کو بے شمار پیار۔

تمھاری صفّو

بھوپال
۱۸ر جولائی ۱۹۵۰ء

جانِ عزیز!
گذشتہ رات ایک خط لکھ چکی ہوں جو آج ہی پوسٹ ہوا ہے صبح ڈاکٹر سری واستو کے باپ کی موت ہو گئی ہے۔ اُن کے یہاں ہونا تھا۔ چنانچہ ایک آدھ گھنٹے کے لئے وہاں شرکت کی۔ ابھی شُکلا صاحب کوئی پانچ منٹ کے لئے "عید مبارک" کہنے آئے تھے۔ جادو کی مضطرب طبیعت ہر ممکن شرارت پر اُسے اُکساتی رہتی ہے۔ اور بعض وقت میری زندگی واقعی وبال بن کر رہ جاتی ہے۔ اس وقت بھی جادو گھٹنے سے ٹکے ہوئے دھکے لگا رہے ہیں اور خط نہیں لکھنے دیتے لیکن جب وہ ساتھ نہ ہو تو جینا اور مشکل ہو جاتا ہے۔
قلم میں نے خرید لیا ہے۔ اس کا اندازہ تو تم بے لکھے بھی کر سکتے ہو۔ Sheaffers ہے۔ چوبیس روپے ٹھُک گئے۔ اب ملو گے تو تمھارا پرانا قلم خود لے لوں گی اور یہ قلم تم رکھ لینا۔
میرا پچھلا مفصل خط ملا؟ جی چاہتا ہے دن دن بھر تم سے باتیں کرتی رہوں پر بے تکی باتیں شروع کرنے سے ڈرتی ہوں کہیں تمھارے دل کو کسی چیز سے

تکلیف پہونچ گئی تو مناتے مناتے ہفتہ لگ جائے گا۔ اور اس دوران میں میرا اور تمھارا خون آرزو ہوتا رہے گا لیکن پھر گزر کیسے ہو۔ تم سے باتیں کئے بنا۔

بھوپال کی خوشگوار فضا جہنم بن گئی ہے۔ موسم سے شکایت ہے۔ کاش یہاں بھی لکھنؤ کی سی گرمی اور وہاں کا سا حبس ہوتا، تم سے دوری اس درجہ اذیت انگیز تو نہ بنتی۔

بچوں کے پیچھے صبح و شام گذر جاتی ہے۔ دونوں میں منٹ منٹ بھر میں لڑائیاں ٹھن جاتی ہیں۔ پھر فیصلے کرو، ایک دوسرے کو ملاؤ۔ راضی کرو۔ یہ تمام شامتیں ذمے آجاتی ہیں۔ تھک سی جاتی ہوں۔ آج ڈاکٹر سلطان کی بچیوں کو، عزت کی بہنوں کو، اور ان پڑوس کی لڑکیوں کو جن کی گزشتہ سال ٹیوشن کی تھی، شام کو بلوا بھیج دیا ہے۔ چھ سات لڑکیاں جمع ہو جائیں گی۔ سب بے چاریاں بہت پیار سے پیش آتی ہیں۔ کچھ ان کی خوشی ہو جائے گی مطمئن رہو۔ فی الحال Stephan بننے کا ارادہ نہیں ہے۔ !

ریڈیو کی Talk لکھ ڈالو Contract میں نے بھیج دیا ہے۔ کل تقاضا آیا تھا۔

کل دوپہر تمھارا "شب اُمید" کا سہارا دلانے والا خط بھی ملگیا۔ عید کا دن تمھارا مجھ سے بھی برا گذرا ہو گا۔ اس کا مجھے یقین ہے۔ تمھاری تندرستی کا کیا عالم ہے؟ کچھ موٹے بھی ہوئے دوست!!

شہاب اکثر آجاتے ہیں اور اپنی شادی کی داستانیں سناتے رہتے ہیں۔ اُبٹن لگا اور مہندی رچائی گئی وغیرہ۔

کالج میں آج بھی چھٹی تھی۔ کمبخت قسمت کہ محرومی میں دن بیت گئے

ابھی بہت عرصہ گزارنا ہے۔ دن گن گن کر کٹیں گے اور پھر تمھاری شرمائی مسکراہٹ اور رسیلی نظر سے دوچار ہونا ہے۔ بعض وقت تو خود بھی جھجک سی محسوس ہوتی ہے لیکن زیادہ تر یہی تصور کرتی ہوں کہ بے حجابانہ دوڑ کر دونوں بازوؤں میں تمھیں گھیر لوں گی۔ اور لپٹ جاؤں گی تم سے۔

تم نے بمبئی سے باہر جانے کو لکھا تھا۔ مت جاؤ دوست! اب میرے ہی پاس آنا۔

اچھا

تمھاری صفّو

بھوپال

۲۵ جولائی سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

بہت سے پیار

تمھیں اس طرف کئی دن سے خط نہ لکھ سکی۔ سنیچر ہی کو منّی، فاطمہ بہن، اور شمیم یہ سب جاورے سے آگئے۔ فاطمہ بہن آج گوالیار گئیں۔ منّی میرے پاس ہے۔

منّی کے پھر جانے سے بڑی ڈھارس ہے۔ ابھی تو اسے بڑی ذہنی کش مکش ہے ملازمت کے لئے۔ میں نے اُسے سمجھا بجھا کر یقین دلایا ہے کہ اس سال یکسوئی سے مطالعہ میں وقت گذارے۔ گزشتہ سال کی تلافی ہی بہترین بات ہوگی۔ اور یہ بات قریب قریب سمجھ میں آگئی ہے اُس کے

اویس آج کل پھر بیمار ہے سخت دہشت ہے خط کب!

لکھو گے؟

تمہاری صفیہ

بھوپال

۲۰ر جولائی ۱۹۵۰ء

عزیز اختر!

بہت سے پیار اور بے شمار دعائیں

آج دوپہر کی ڈاک سے تمہارے دو خط ملے۔ ایک عید کی صبح کا لکھا ہوا۔ دوسرا درخواست سے متعلق۔

اختر! بہت کم ایسا ہوا ہے کہ میں نے فوراً تمہاری ہدایات کی تعمیل نہ کی ہو۔ اس مرتبہ بھی مجھے اصولاً فوراً کام شروع کر دینا چاہئے تھا مگر مجھے تم سے باتیں کر لینی ضروری معلوم ہو رہی ہیں اس سے قبل کہ تمہارے ایما پر کوئی اقدام کروں۔ پہلی بات تو یہ کہ درخواستوں کی تاریخ ۱۵ر جولائی تھی۔ تمام درخواستیں لی جا چکی ہیں۔ البتہ میٹنگ جولائی کے چوتھے ہفتے میں ہو گی۔ رشید الظفر صاحب بمبئی ہی گئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان سے مل کر گفتگو بھی ممکن نہیں۔ دوسری بات یہ کہ پرنسپل مہوترا جو خود بھی کمیٹی کے ممبر ہیں وہ غالباً پوری مخالفت میرے سلسلے میں کریں گے اور جو Good-will ان کی فی الحال حاصل ہے اس کے کھو جانے کا پورا اندیشہ ہے۔ نتیجہ کے طور پر ایسا نہ ہو کہ وظیفہ جائے سو جائے ملازمت میں بھی بدمزگی پیدا ہو۔ تیسرے یہ ممبری والا مسئلہ بھی یقیناً اہم ہے۔ اس پر بھی بحث پیدا ہو سکتی ہے۔ خیر اگر ارادہ راسخ ہو تو یہ دشواریاں چنداں اہم نہیں بنیادی دشواری جو میرے اور تمہارے لئے ایسی اہم سر لیتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے

وہ بچوں کی ہے اختر! تم اس سے انکار نہ کروگے کہ جاوید چھ سال کا ہونے کو آیا اور راویس پانچواں سال شروع کر رہا ہے۔ ان دونوں کو میں نے اب تک سینے سے لگا کر رکھا ہے اور ان کے لئے ہر طرح کی تکلیف میں نے برداشت کرلی ہے میں بُری ماں ثابت نہیں ہوئی اور وقت پڑنے پر میں نے باپ کے فرائض بھی ان کے لئے پورے کئے ہیں۔ اب جبکہ تم اس طرح پریشان کن اور متنزلزل حالت میں بمبئی کی اذیت بھری زندگی گزار رہے ہو، ان دونوں کو تمھارے سر ٹپک کر اپنا Career بنانے امریکہ چل پڑوں۔ یہ عملاً کہاں تک درست ہوگا اور کہاں تک ممکن؟ میں اپنی ذاتی ترقی اور ناموری کی خاطر تمھارا ساتھ چھوڑ کے اور بچوں کو محروم کرکے کیسے جا سکوں گی؟ تمھارا جذبہ درست لیکن میری طرف سے بھی تو دیکھو دوست! تم اگر دونوں بچوں کو سمیٹنا بھی چاہو تو پریشان ہو جاؤگے اور زیادہ۔

پھر ساتھ ہی یہ کہ تم سے ڈیڑھ دو سال کے لئے چھوٹ کر اس طرح دیس بدیس پھرنا میرے لئے - Emotionally ناقابل عمل سا ہے میری جان! تم ٹھہرے شاعر، تم اگر یہ کہہ سکتے ہو، "تو کہے گی تو محبت نہ کروں گا تجھ سے" تو تم Shelley والی محبت بھی برت سکتے ہو کہ مجھے نہیں میرے تصور کو چاہتے رہو۔ میرا حال تم سے بہت مختلف ہے۔ مجھے تمھاری ضرورت ہے اس لئے مجھے تم سے پیار ہے۔ میں ایسی آزمائش میں کیسے پڑ جاؤں اپنے Career کی خاطر؟ اختر! اگر تم چودہ برس بھی مجھ سے دور رہو تو میں تمھارے ہی آسرے جیوں گی، مگر میں خود تو تم سے دور نہ جاؤں گی دوست!

آج تم نے یہ کیسا مطالبہ کیا میرے ساجن کہ میں اس کی تکمیل کے لئے خود کو

اہل نہیں پاتی۔اختر! میں تو تمھارے ہی قدموں میں رہ کر یہ زندگی گذار لے جاؤں۔ یہی میرے لئے سب کچھ ہے۔ اب میرے لئے کوئی بڑائی تم سے الگ ہو کر منتظر نہیں ہو سکتی۔ میں اگر ملازمت کر رہی ہوں تو کسی اعزاز کی خاطر نہیں، اپنی شخصیت کا وقار بڑھانے کے لئے نہیں، بلکہ اپنے اور تمھارے حالات کو آسان بنانے کے لئے۔ آج تمھارے حالات ہموار ہو جائیں تو میں ملازمت چھوڑ چھاڑ پوری طرح خود کو تمھاری خدمت کے لئے وقف کر دوں، پھر اس M. ED کی اہمیت کیا باقی رہ جائے گی ؟ تم دوبارہ میری طرح سے سوچو اور میری طرح سے محسوس کرو اور تب پھر بھی تمھارا فیصلہ اٹل رہے، تو مجھے کوئی عذر دوڑ دھوپ کرنے میں نہ ہوگا۔

"سویرا" کالج کے پتہ پر آیا تھا اور مجھے مل گیا تھا۔ تاباں کو خط لکھ دوں گی۔ بھائی ظفر کو بھی لکھوں گی گو کہ وہ ناراض ہوں گے۔ مجھ سے خیر آباد نہ آنے پر۔

یہاں کا موسم بے اندازہ Provoking بن گیا ہے۔ راتیں ایسی خنک اور دن ایسے خوشگوار کہ تم بمبئی میں بیٹھ کر اندازہ نہیں کر سکتے۔ پہاڑیاں سرسبز ہو رہی ہیں اور میدان میں بھی ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے

"تم ہوتے تو کہاں ہے کو بھٹکتی یہ نظر"

آؤ اختر! مجھے اپنے میں جذب کر لو، میں نے بہت تپسیائیں کی ہیں تم کو پالینے کے لئے۔ سات سال گزر رہے ہیں کہ زیادہ تر میں تم سے الگ ہی رہی ہوں۔ میری تشنگی دن بدن بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ میں اب تم سے زیادہ دنوں دور نہیں رہ سکتی۔ اختر مجھے تمھارا ساتھ چاہیئے اور تم؟ تم مجھے اپنے سے لاکھوں

میل کے فاصلے پر بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ تمھاری اس شاعرانہ محبت سے میں واقعی ڈرتی ہوں۔ میرے اپنے اختر! آؤ مجھے اس طرح خود میں چھپا لو کہ میرا وجود الگ کوئی حیثیت ہی نہ رکھے۔ بس تم ہی تم رہو اور تم میں مَیں بھی۔

تمھاری صفو

بھوپال

۲۶، جولائی سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

تمھارا خط ملا، میں جانتی ہوں کہ تم بے غرضانہ محبت رکھنے کے بھی اہل ہو دوست، تم اپنی سطح سے بلند ہونے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ اور میں لکھ ہی چکی ہوں کہ میری سطح ہموار ہی مگر تمھاری بلندیوں تک پہونچنے سے اکثر قاصر رہ جاتی ہے۔ اور ایسے ہی نقطوں پر میرے تمھارے درمیان مفاہمت میں دقّت پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ نہیں۔

تمھارا سمجھایا ہوا سب کچھ میری سمجھ میں آگیا اختر: آخر جب میں تم پر اعتماد کرتی ہوں تو کیا خود کو سونپ چکنے کے بعد اپنے بچّے جو اسی قدر تمھارے بھی ہیں۔ تمھیں سونپ نہ سکوں گی۔ تم یقین رکھو میں اس سال بھر میں اس کے اہتمامات کرلوں گی کہ آئندہ وظیفہ ملنے کی شکل مکمل ہو جائے۔

اختر دراصل بچّوں کا خیال اکثر مجھے ضرورت سے زیادہ Sentimental بنا دیتا ہے اور میں ڈر جاتی ہوں کہ کہیں اپنے مقصد کے سامنے ان کے حقوق کو قربان تو نہیں کر رہی۔

بچّوں کے بارے میں مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے، لیکن تمھارے حالات پر

نہیں۔ خدا نخواستہ تم کل Prisoner of War بن گئے تو؟

البتہ میں تم سے اس بات پر ضرور لڑوں گی کہ تم نے میرے خود دور نہ جاسکنے اور ساتھ ہی تمھاری دوری کو برداشت کرتے رہنے کو ایک منطقی مغالطہ بنا تا ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں علی گڑھ میں بھی تھی تو ہر لحظہ اسی بات کی متمنی کہ تم مجھے اپنے پاس بلالو اور اب بھی میری تنہائی کے دن اسی انتظار میں گزر رہے ہیں۔ خود تم سے الگ جانا میرے لئے یقیناً آسان بن جائے گا۔ جب میں اس طرح سوچوں گی کہ یہ بھی تمھاری خوشی اور خواہش کے مطابق ہے ظاہر ہے کہ یوں بھی تمھاری خدمت سے محروم ہی ہوں، تمھیں مجھ سے کیا راحت پہونچ رہی ہے۔ اگر تمھیں کوئی ذہنی سہارا مجھ سے حاصل ہے تو وہ ہر جگہ سے تمھیں حاصل ہو سکتا ہے۔ ہاں میری دعائیں مستحکم رہنی چاہئیں۔ بہر حال آئندہ سال تک حالات کو اس طرح ہموار کر لوں گی کہ اگلا وظیفہ مل سکے۔

اویس مستقل بیمار ہے۔ کالج میگزین کی تیاریاں بھی شروع ہو گئی ہیں اُسے بھی ٹھیک ٹھاک کرنا ہے۔ جامعہ آگرہ سے ادیب ماہر کا ایک پرچہ بنانے کی تحریر آئی ہے۔ وہ بھی کرنا ہوگا۔ "شاہراہ" کو مضمون تلاش کرکے بھیج سکوں گی۔ آج ۱۹۴۹ء کا بہترین ادب آگیا ہے۔

اختر! تم مجھے اپنی توقعات سے کبھی گھٹ کر پاؤ تو مجھے سہارا دیا کرو کہ میں اُبھر سکوں۔ تمھارے ہی سہارے میں زندگی میں اتنی دور چل کر آگئی۔ مجھے تم سے وہ عقیدت ہونی ضروری ہے جو مجھے تمھاری خوشی کے علاوہ ہر مصلحت اندیشی سے بیگانہ بنا دے۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح آج تک تم نے مجھے اپنی محافظت میں رکھا ہے یونہی زندگی کے ہر قدم پر مجھے تمھاری سرپرستی اور محبت

حاصل رہے گی۔ آؤ مجھے اپنے بازوؤں میں گھیر لو میں اطمینان کا سانس لے سکوں گی۔ باہر بہت پریشانیاں ہیں دوست!

بہت سے پیار

تمھاری صفو

بھوپال

۲۷ جولائی ۱۹۵۰ء

عزیز اختر!

ہزاروں پیار اور بے شمار دعائیں!

تمھارے دونوں خط اور رجسٹری ملی۔ تمھاری محبت میں اکثر ایسا مزا پایا ہے دوست! جس سے زندگی کبھی لذّت آشنا تھی۔ تم نے میری Talk بمبئی کی ہنگامہ خیز زندگی سے فرار اختیار کر کے لکھ ڈالی۔ تم کیا کچھ کر سکتے ہو میرے لئے؟ میں ہمیشہ خود کو تم سے کم ہی پاؤں گی۔ میں واقعی وہ بلندیاں چھو نہیں سکتی۔ جہاں تم پہونچ جاتے ہو۔

میں نے پچھلا خط بھی پریشانی آمیز لکھا تھا۔ بچے بہت بیمار رہے۔ اویس بہت کمزور ہو گیا ہے۔ منّی اور میں پوری توجہ اور خدمت صرف کر رہے ہیں۔ جادو کی طبیعت اب روبہ اصلاح ہے۔

منّی کے لئے تم کو قطعی فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے اپنے سے زیادہ نہیں تو اپنے بچّوں ہی کی طرح رکھوں گی۔ اس کا خود کا سلوک اس پیار اور محبّت کا مستحق ہے۔ دو چار بار کے ساتھ نے ہم دونوں کو بہت قریب بنا دیا ہے۔ تم منّی کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ کر تو دیکھو دوست، تم نے جو بیبیوں کی بات لکھی تھی وہ

میں نے اس سے نہیں کہی۔ پیسوں وغیرہ کا Reference میں کبھی دینا پسند نہیں کرتی۔ کہیں یہ چیزیں دل آزاری کا باعث نہ بن جائیں۔

"شاہراہ" کو مضمون اتوار کے بعد بھیج دوں گی۔ آج کل کالج میں الکشن کا زور ہے۔ کیلاش اور عالیہ عسکری کی پارٹی دیوی سرن کو نمائندہ بنا کر محسن کی پارٹی سے ٹکرا رہی ہے۔ نہ پوچھو احوال۔

تمھاری نظم کب پڑھوں گی؟ شمالی کوریا والی نظم کہاں چھپوا رہے ہو؟ اچھا ہے تم پھر اپنے مرکز پر آگئے۔ اب کچھ دن مت بھٹکنا ساتھی۔

شاعری سے زیادہ تمھیں کوئی چیز راس نہیں آتی۔

خط لکھو۔ حالات لکھو۔ میرے بہت سے پیار تمھارے لئے ہیں۔

تمھاری اپنی
صفو

بھوپال
۲۸ر جولائی ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

کل ایک خط لکھ چکی ہوں، تمھاری خیریت میں دل لگا ہے۔ نظم پڑھی تھی تم نے انجمن میں؟ کیسی رہی؟ غزل جو تم نے لکھی ہے تمھارے زمانے سے کم سے کم دو سو برس پہلے والے شاعر کا رنگ تغزل ہے۔ یہ بیٹھے بیٹھے تمھیں کیا سوجھتی ہے۔ پھر بھی اس کے بعض اشعار مجھے بہت چبھ گئے۔ ایسا معلوم ہوا کہ میری ہی کہی ہوئی بات کو تم نے شعر میں پرو دیا ہے۔ آج کل گھر پوری طرح بھرا ہوا ہے۔ نثار، شمیم اور ایک جادرے سے آیا ہوا لڑکا سب باہر کے کمرے کو آباد رکھتے ہیں۔

منّی علی گڑھ جانے کی تجویز پیش کرتی رہتی ہے۔ گوالیار کی ملازمت کے لئے بھی کوشاں ہے۔ غرضکہ طرح طرح کی خلشیں پیدا کرلیتی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ جس طرح ہو وہ بے فکر ہو کر پڑھ سکے۔ دیکھو نثار کا نتیجہ اکتیس (۳۱) کو نکلے گا۔

بچوں کی بیماری کا سلسلہ چلا ہی جاتا ہے۔ اختر! کیا میری تمام زندگی یونہی ناکام سی گذرے گی؟ کیا میری خدمتیں تمہارے لئے بھی وقف نہ ہونگی؟ میں دور ہی سے تم کو پوجا کروں گی۔ اور دور ہی سے تم مجھے پاس آنے کے اشارے کرتے ہو گے؟

آج پانی اس طرح برس رہا ہے گویا پھر نہ برسے گا۔ برہ کی آگ تو ایسے میں اور بھی بھڑک اٹھتی ہے دوست!

تمہاری صفیہ

بھوپال
۲ راگست سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

بہت سے پیار۔ تمہارا خط ملا۔ میں تمھیں دو تین دن سے خط نہ لکھ سکی۔ اویس اور جادو دونوں بری طرح بیمار ہیں۔ پوری رات جاگتے کٹتی ہے دعا کرو کہ میری پریشانی دور ہو۔ بعض وقت تو کشتی ڈوبتی سی نظر آتی ہے اختر! یہ بچے ہی میری لنگڑی لولی زندگی کے لئے بیساکھی کا کام کرتے رہے ہیں، دور ہی کر بھی، مجھے ذہنی سہارا دو مجھے اس کی ضرورت ہے دوست۔

منّی اچھی طرح ہے اور میرا ہاتھ بٹاتی ہے۔ مگر ایک مستقل غم یہ بھی ہے کہ اس کا میرے پاس رہنے کا قطعی ارادہ نہیں۔ وہ کہتی ہے ملازمت مل گئی تو بھوپال رہوں گی ورنہ گوالیار کی ملازمت مل گئی تو وہاں رہ کر تیاری کروں گی میں اسے گھنٹوں سمجھاتی

ہوں کہ انسان کو اپنا ایک روشن مقصد سامنے رکھ کے اس کے لیے سعی کرنی چاہیئے Divided mind زندگی کے لئے مہلک ثابت ہوا کرتا ہے۔ شہاب ہر دوسرے تیسرے آ کر بڑی دیر تک بحث کر جاتے ہیں۔ لیکن فی الحال اس کے عزائم میں تبدیلی ہوتی نظر نہیں آتی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ کبھی اگر بھوپال کے قیام کے لیئے ملازمت ہی کی شرط ہے تو میں اسکی پوری کوشش کروں گی تاکہ تم مجھے ایسے میں بے سہارا نہ کر جاؤ۔ خبر سن رہی ہوں کہ عنقریب کیمبرج میں کوئی جگہ خالی ہو رہی ہے۔ جاؤں گی اس کے لئے۔

اختر! منی کا قیام تو میرے لئے خود ذاتی سکون اور مسرت کا باعث ہے۔ میں خودغرضانہ طور پر سوچتے ہوئے یہی چاہتی ہوں کہ وہ میرا ساتھ دیجائے لیکن ظاہر ہے کہ اگر وہ اس طرح محسوس کرے گی کہ یہاں کا قیام کسی طرح بھی اس کے مقاصد میں مخل ہے تو میں اس سے شکایت نہ رکھوں گی۔ میں نے ہی اس کے ساتھ کیا کر دیا ہے جو اس سے وسیع توقعات رکھ سکوں۔ یہ جانتی ہوں کہ اگر وہ میرے پاس رہ گئی تو ناخوش نہ رہے گی

دونوں بچے بڑی طرح بیمار ہیں۔ غذا کسی طرح پچتی نہیں اور مسلسل بخار ہے۔ نہ جانے کیا قصہ ہے۔ ان بچوں کی شگفتگی اکثر مجھے بڑے معصوم طریقہ پر شگفتہ بنا دیتی ہے۔ اور ان کی افسردگی سے دل پر عجب فشار کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

تم مجھے پیارا سا خط لکھو۔ اگست میں ضرور ملو ورنہ " ہمارے سر سے تو اونچا گزر گیا پانی " والی حالت ہو جائے گی۔ تمہیں دیکھے ہوئے ترس گئی ہیں یہ آنکھیں اب اور نہ ترساؤ اختر!

تمہاری اپنی صفو

بھوپال

۸ر اگست ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

آج تقریباً ایک ہفتہ بعد تمہیں خط لکھنے بیٹھی ہوں۔ جاد و اور اویس کی بیماری نے خاصا طول کھینچا، ان دونوں کی تیمارداری اور ذہنی پریشانیوں کا اثر یہ ہوا کہ مجھے بھی حرارت آنی شروع ہو گئی۔ حرارت تو اب نہیں لیکن جسم کی حدت حیرت انگیز حد تک بڑھ گئی ہے۔ راتوں کو نیند کسی طور نہیں آتی، دماغ قطعی خشک سا ہو کر رہ گیا ہے۔ خشکی عجیب حالت ہے۔

ادھر کوئی چھ روز گذرے فاطمہ بہن آگئیں، اس اطلاع سمیت کہ منّی کا تقرر گوالیار میں ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے منّی فوراً جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ بمشکل اس کو دو ایک روز رو کا اور یہ غنیمت ہی ہوا، جب اسے چھوڑنے اسٹیشن پہونچی تو گوالیار سے آئے ہوئے مسافروں سے وہاں کی تفصیلی حالت معلوم ہوئی۔ سخت فرقہ وارانہ فساد برپا ہے چنانچہ ان سب کو واپس لے آئی۔ ظاہر ہے جس وقت تک حالات نارمل نہ ہو جائیں واپسی مناسب نہیں ہے۔ نثار کا داخلہ انجینرنگ میں نہیں ہوا۔ بی۔ ایس۔ سی کے لئے علی گڑھ جائیں گے۔ تمہارا خط میں نے منّی کو دکھا دیا تھا۔

جعفر[1] سے ملنے اسٹیشن پر منّی اور میں گئے تھے۔ عالیہ عسکری نے اطلاع دی تھی۔ وہ بھی گئی تھی۔ نہایت مختصر سی ملاقات رہی اپنا پروگرام لکھو تاکہ اس کے مطابق سوچ سکوں۔ آج کل طبیعت حد درجہ بجھی سی رہنے لگی ہے۔ تکیہ میں سر دبا کر گھنٹوں خاموش پڑی رہتی ہوں۔ کبھی میرا حال ایسا تو نہ تھا۔

[1] سردار جعفری

زندگی کا کیا رنگ ہے اختر؟ میں تمھارے قدموں سے دور کمھلا کمھلا کر مر رہی ہوں، اب مجھ سے ضرور مل جاؤ۔ تم نے لکھنؤ پہونچنے کا کیا پروگرام بنایا؟ مجھے چھٹی کی درخواست پیشتر سے دینی ہوگی۔ فوراً لکھو۔

تمھاری اپنی
صفیہ

بھوپال
۵ ستمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

تم سے رخصت ہو کر مکان پر پہونچی۔ سنگر وغیرہ تیو ہار منانے باہر گئے ہوئے تھے۔ لہذا تالا توڑنا پڑا۔ جادو راستے ہی سے سُست سا ہو رہا تھا۔ اسے ٹہلا کر بخار چڑھ آیا۔ رات پریشانی میں کٹی۔ یہ چھٹی چار تک کی تھی۔ صبح کالج کھلا۔ کالج میں آج بزم ادب کا افتتاحیہ جلسہ تھا۔ اس کے پیچھے اب تک ٹھہرنا پڑا۔ کوثر چاندپوری نے مقالہ پڑھا۔ میں چائے وغیرہ میں شرکت کرنے سے پہلے ہی آگئی تھی۔ کوثر صاحب کو کسی نے بچے کی بیماری کی اطلاع کردی۔ چنانچہ خود دیکھنے آئے تھے۔

تم اب بمبئی پہونچے ہو گے۔ "دل کو مت دکھاتے رہنا۔ ہمیشہ تو یہ زندگی ایسی ویران نہ رہے گی۔ ہاں اختر! تمھاری محبت کا اظہار اب صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ تم اپنی صحت اور تندرستی کا میری خاطر لحاظ رکھو۔ تم اس طرح اپنے کو برباد نہ کرو میرے دوست!

تمھاری اپنی
صفیہ

بھوپال
۱۰ ستمبر ۱۹۵۰ء

اختر میرے!
گذشتہ خط تمھیں غالباً آج ملا ہوگا۔ تمھاری خیریت کے متعلق فکر ہے۔ کیسے پہنچے، کیا گزر رہی ہے، لکھو۔

اپنے حالات کیا لکھوں، وہی کالج کا چکر، وہی سرگرانیاں ہیں اور وہی میں ہوں۔ جادو کی طبیعت کل بہتر رہی، آج پھر بخار تیز ہو گیا ہے۔ علاج معالجوں کے قصّے سے وحشت سی ہو چلی ہے، اور کرنا بھی کیا؟

چندا غریب بہت خدمت گزار ثابت ہو رہی ہے۔ اسے اپنے پاس ضرور رکھ لوں گی۔

یہاں تعطیلات انیس اکتوبر سے ہوں گی، کوئی بیس دن کی۔ اب تو انھیں دنوں کے آسرے پر جینا ہے۔ بس جی چاہتا ہے کہ خاموشی سے یہ دن گزر جائیں اور میں تم تک پہنچ جاؤں۔

ہاں! کل ڈاکٹر سلطان صاحب کی لڑکی بائی آئی تھی۔ اس نے حال ہی میں بمبئی سے ایک گھڑی منگوائی ہے۔ مجھے بہت شدت سے پسند آئی۔ ویسٹ اینڈ کی Secondue گھڑی ہے تقریباً وہی جو میرے پاس تھی۔ البتہ کچھ ضروری جدتیں کر دی گئی ہیں۔ قیمت ایک سو باون ہے تم دریافت کرنا اور پیسے ملنے پر خرید لینا مجھے ابھی تنخواہ نہیں ملی ہے۔ تنخواہ ملنے پر کچھ پیسے میں بھیج دوں گی۔

اختر! نہ معلوم کیسا سکوت سا احساسات پر طاری ہے۔ نہ کسی سے بات کرنے کو جی چاہتا ہے نہ کسی سے ملنا پسند آتا ہے۔ بس یہی خواہش ہوتی ہے کہ

کوئی نہ چھیڑے اور یہ دن گزرتے رہیں۔ تم سے دور رہ کر تو میں کچھ بھی نہیں رہ جاتی دوست!

خط لکھو، حالات لکھو، ایوب[1] ابھی یہیں ہیں۔ پرسوں آئے تھے کل غالباً گوالیار گئے۔ جذبی[2] بھی آئے ہوئے ہیں۔ پرسوں شام کو ملنے آئے تھے۔ حسب دستور اپنے دکھڑے سناتے رہے۔ اور تمھاری شاعری کے متعلق، اس وجہ سے مایوسی کا اظہار کرتے رہے کہ تم بمبئی پہونچ گئے ہو۔ جاد و اور اویس تم کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔ اور پیار کہتے ہیں۔

علیبد[3] اور احسان[4] کو میری دعا پہونچاؤ۔ خلیل صاحب کو آداب۔

خود کو بے شمار پیار

تمھاری اپنی

صفو

بھوپال

۹ ستمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

آج تمھارے خط کا شدت سے انتظار تھا۔ میں نے تم سے اس اعتماد پر خود تاکید نہ کی تھی کہ تم خود ہی اپنی خیریت سے مطلع کرو گے۔ اب یہ مجھو بات دوشنبہ پر گئی۔ اتوار کو تو ڈاک آتی نہیں ہے۔

کل دو بجے ایوب گوالیار سے واپس آ گئے۔ آئے تھے، بولے رات کو بمبئی

---

[1] ایوب مرزا وحید چغتائی [2] معین احسن جذبی

[3] علیبد الحق ارشد [4] احسان الحق

جا رہا ہوں اسی وقت سے جلدی جلدی تمھارے لئے چیزیں بنانے میں لگ گئی۔ بھلا بمبئی جیسے شہر میں کھانے پینے کی اشیا کی کیا کمی لیکن صرف ان کی بھی قدر ہو سکتی ہے کہ میں نے بڑے شوق سے تمھارے لئے بنائی ہیں۔ خدا کرے ایوب وہ ڈبے تم تک پہونچا بھی دے۔

دن خاموشی سے گزر رہے ہیں۔ اعصاب پر ایک دہشت ناک سکوت سا طاری ہے۔ بچے گزر کر رہے ہیں۔ جادو کی حرارت کل ٹوٹی ہے۔ دوا برابر دے رہی ہوں۔

خط فوراً لکھو، حالات لکھو، میں تمھارے آسرے یہ دن کاٹ رہی ہوں۔

بہت سے پیار
تمھاری صفو

بھوپال
۱۲ ستمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

آج آٹھ دن ہو گئے۔ تمھارا کوئی حال نہیں معلوم۔ کہیں بیمار تو نہیں تم؟ جادو کو آج پھر بخار ہے۔ عجیب کشمکش کی حالت ہے۔ روؤں بھی تو کس کے سامنے؟ آج شام کو ڈاکٹر بوس کو بلا کر جادو کو دکھانے کا ارادہ کر رہی ہوں۔ ورنہ پھر اسے لکھنؤ ہی واپس بھیجوں گی۔ اس طرح اس گھلا گھلا کر مارا تو نہیں جا سکتا۔ بعض لمحے تو میری حالت پاگلوں کی سی ہونے لگتی ہے۔

نثار کل میرے پاس آئے تھے۔ کالج میں بی۔ اے کلاس میں Maths ہی

نہیں ہے۔ انکالمس اور اُردو وغیرہ لے کر وہ پڑھنے سے انکار کرتے ہیں۔ اب میں نے یہی مشورہ دیا ہے کہ فاطمہ بہن کو اپنے ہمراہ علی گڑھ لے جاؤ۔ وہ خود ذاکر صاحب سے مل کر کہیں اور حبیب صاحب سے ذاکر صاحب پر اثر ڈلوائیں۔ اگر داخلے کی کوئی شکل نکل سکتی ہے تو یوہی۔ محمود صاحب یا سالم ضابطہ سے باہر کوئی کارروائی نہیں کرسکتے بہرحال داخلہ ہوگیا تو اچھا ہے ورنہ حمیدیہ کالج تو کہیں گیا نہیں ہے میں نے نثار سے کہدیا ہے کہ علی گڑھ میں داخلہ نہ ہوسکنے کی شکل میں وہ یہیں پر واپس آجائیں۔

خدا کے لئے خط لکھو۔ میں تو مرجاؤں گی۔ اس تنہائی کی کوفت سے۔

تمہاری صفو

بھوپال

۱۶ ستمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیزم!

تمہارے دو خط ملے، تمہاری خیریت سُنکر قدرے سکون ہوا۔ اتنی دور ہو کہ ہر طرح کے وہم بآسانی دماغ میں آنے لگتے ہیں۔ بعض وقت تو شبہ ہونے لگتا تھا کہ تم شاید بمبئی ابھی نہیں پہونچے۔

تمہاری نظم پر[1] کرشن اور مہدی کا اعتراض جو تم نے لکھا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ بعض وقت انجمن میں عجیب الٹی سیدھی بحثیں ہوتی ہیں۔ کرشن اور مہدی کا اعتراض تمہاری نظم پر تو کسی طرح صادق نہیں آتا، تم نے اوہام پرستی کو بنیاد عنصر

[1] ستاروں کی صدا

بنایا ہے لیکن اس کا غلط استعمال نہیں کیا، بلکہ اوہام کو تو یہ توڑتی ہے کرشن کو میں بڑا افسانہ نگار مانتی ہوں، لیکن ان کی سخن فہمی کی میں قائل نہیں اور اختر! تم کرشن سے ضرور پوچھنا کہ ان کے افسانے۔ بت جاگتے ہیں۔ سے توہم پرستی پھیلتی ہے یا نہیں۔؟

مضمون بیں ضرور لکھنا شروع کروں گی، سنجیدہ قسم کا، بہت سی باتیں اس بارے میں اور ذہن میں آ چکی ہیں۔ البتہ Comprative مطالعہ کے لئے دوسری زبانوں کے ادب سے بھی اس بارے میں کچھ مواد ملنا ضروری ہے عورت کے بارے میں اشتراکی[1] ادیبوں کا رویہ کیا ہے؟

جادو کو ڈاکٹر بوس کو دکھا دیا ہے۔ میری طبیعت اب بہتر ہے۔ تمھاری نظمیں۔ دانائے راز "، "پانچ تصویریں"، "شہنشاہیت"، اور چند غزلیں ملی ہیں۔ کل پارسل بنا کر روانہ کروں گی۔ "ریاست، اور مارکس" نہیں مل سکیں۔

گھڑی کے بارے میں جو تم نے لکھا وہ میرا مطلب قطعی نہ تھا۔ گھڑی میں تم سے ہی لوں گی، البتہ تم خرچ کی تنگی مت اٹھانا۔ جس وقت بھی ضرورت محسوس کرو مجھے لکھ دینا میں بھیج سکوں گی۔

جادو تم کو بھوپال کا بلاوا لکھ رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ ان کا بھیجا ہوا تحفہ بھی تم کو ایوب نے پہنچایا یا نہیں۔

بعض لمحے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم سے دور نہیں بلکہ سچ مچ تمھارے ساتھ ہوں۔ پھر تم تنہا کیوں محسوس کرو خود کو اختر!

---

[1] اردو ادب میں عورت کا تصور

اچھا بہت سے پیار
تمہاری اپنی صفیہ

بھوپال
۲۴ ستمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

تمہارا خط ملا تھا۔ میں تمہیں اس طرف ہفتہ بھر سے خط نہیں لکھ سکی۔ آج عید ہے۔ بنا مرد کے عورت کی عید ہی کیا؟ بس یہ سوچ کر دل و دماغ کو اکٹھا رکھتی ہوں کہ بچے بچارے ہم ہی لوگوں کے سہارے جی رہے ہیں۔ دونوں کو صاف ستھرا کرکے عثمان کے ساتھ نماز کو بھیجا ہے اور خود خط لکھنے بیٹھ گئی ہوں۔

دوشامیں کالج کی ڈبیٹ کی نذر ہوئیں اگیارہ بجے رات کو واپسی پر سُونا گھر اور بچے ایک مسکین انداز میں سوئے ہوئے ملے۔ کیسی کمی محسوس ہوتی رہی، اختر! تمہارا گھر تمہارے بغیر بالکل اجاڑ ہے کبھی تو آجاؤ۔ بعض اوقات تو ضبط ہاتھ سے جاتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

تم کیا کر رہے ہو گے؟ ہوٹل کی چائے اور ہوٹل کا کھانا، عید کے دن بھی کیا ظلم ہے میرے اللہ! یوں تمہارے ساتھ نہ سہی مگر ذہنی طور پر تم سے ایک لحظہ کے لئے الگ نہیں ہوں۔ آؤ تمہارے گلے میں ہاتھ ڈال کر تمہارے سینے پر دو چار گرم آنسو ڈھلکا دوں۔ میری عید ہو جائے گی۔

تمہاری اپنی
صفیہ

بھوپال
۲۷ ستمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

کیسے ہو تم؟ کیا کرتے رہتے ہو؟

تمھاری یاد دن رات میری رفیق ہے، کسی سے دل کی باتیں بھی تو نہیں بتائی جا سکتیں۔ چاندنی راتیں اور خنک صبحیں تمھارے ہی تصور میں بیت جاتی ہیں۔ زندگی کے اس مرحلے میں یہ تصور پرستی بعض وقت کھَل سی جاتی ہے۔ کنوارپن کے کتنے سال اسی آسرے پر گزارے تھے کہ کسی کے شانے پر سر ٹکا کر غرور سے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنی ہیں، اب تو خواب کی تعبیر ملنی تھی، مگر کیا کیا جائے دوست جبکہ زندگی اب تک صرف زندگی کی آرزو ہی کا نام ہو۔

بچے کیسی کیسی پیار بھری باتیں تمھارے لئے کہتے ہیں۔ جادو کا کہنا ہے "امی کمرہ بالکل اسی طرح سجاؤ جیسے ابی کو پسند آئے"۔ اویس کہتا ہے "امی کھانا ابی کی پسند کا پکوایا کرو"۔ بتاؤ اس تشنگی اور اس تلاش کی تلافی کب ہو سکے گی؟

میں انہیں وہ سب کچھ دینے کی کوشش کرتی ہوں جو تم سے مل سکتا تھا مگر کچھ بھی نہیں دے سکتی۔ تم وہ کچھ نہیں پا سکتے جو تمھیں ہم سے مل سکتا تھا۔ پھر کیا کرنا ہے آج؟ میں جانتی ہوں تم ہم سب سے زیادہ خسارے میں ہو۔ مجھے غم سے زیادہ غصہ ہونا شروع ہوتا ہے زندگی کی اس مضحکہ خیزی پر کہ جہاں جینے میں سوائے نقصان کے اور کچھ نہ ہو۔

کسی سے باتیں کیا کروں؟ کوئی اپنا نہیں تمھارا ہی مخلص ہو تا یہ دنیا

ہم رازوں سے خالی نظر آتی ہے اختر! کوئی بات نہیں، عزم و استقلال ہی کیوں نہ کہلاتے ہوں میرا مسلک رہے ہیں اور رہیں گے۔ میں خود تمہیں زندگی کی اس جدوجہد میں ایک قدم پیچھے ہٹتے نہیں دیکھنا چاہتی اور میں تمہارے ارادوں کو کمزور نہ کروں گی۔ چاہے کچھ بھی گزر جائے ہم پر۔

اچھا بہت سے پیار لو۔ ابھی کالج کی تیاری کرنی ہے۔ آج شام تک کی مصروفیت ہوگی۔ پڑھانا، لڑکیوں کے کھیل کی نگرانی، اس کے بعد عبیداللہ اسکالرشپ ٹرسٹ کی میٹنگ۔

تمہاری اپنی صفیہ

بھوپال
۴ر اکتوبر ۱۹۵۰ء

عزیز اختر!

خط ملا تھا، آج پھر کئی دن سے میں نے تمہیں خیریت کی اطلاع بھی نہ بھیجی۔ جادو کی طبیعت پھر بگڑ گئی ہے۔ کل صبح عزت کے ہمراہ جاکر حکیم ضیاء الحسن کو دکھایا، اب اگر حکیم کی دوا سے افاقہ ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہی ہے ورنہ پھر اسے لکھنؤ ہی پہنچانا ہوگا۔ اس کے سوا اور کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔

جادو اگر اچھا ہوتا تو آج کل ہر طرح کا آرام میسر تھا۔ موسم بھی سنبھل گیا ہے۔ جادو کے پیچھے دل و دماغ آرام اور پیسہ کا خون مستقل ہو رہا ہے خدا رحم کرے۔

تعطیلات اٹھارہ سے ہوں گی۔ جعفری کے گھر کے بارے میں کیا طے ہوا؟ دن گن گن کر کاٹ رہی ہوں۔ دو ہفتے اور گزارنے ہیں۔ پھر تو میں تمھارے ساتھ ہوں گی۔

مجموعے تمھارے چھپ جائیں تو میرے لئے کتنی خوشی کی بات ہو گی اختر، تم اُن کے چھپوانے کی پوری کوشش کرو۔ اور اس بارے میں پیسوں کا فائدہ مت دیکھو۔

یہاں کالج میں گاندھی جینتی کے دن بڑا ہنگامہ رہا۔ دیوی سرن اور عالیہ عسکری زبردستی اسٹیج پر آگئے تقریر کرنے، لیکن انھیں کہاں تقریر کرنے دی جاتی۔ پرنسپل سخت سراسیمہ و متوحش تھا۔ میں کہوں تو کیا کہوں، مجھے تو ہونٹ سی کر یہاں رہنا ہے۔

جادو، ادیس تم کو دن رات یاد کرتے ہیں۔ اور تمھارے پاس پہونچنے کے خیال سے خوش ہیں۔ خدا کرے جادو کی طبیعت سنبھل جائے میرا تمام وقت اس کی دلداری میں گزرتا ہے۔

اپنے حالات مجھے لکھتے رہا کرو اختر! میں تمھارا ایک خط چھ چھ بار سے کم نہیں پڑھتی ہوں گی۔ آج انتظار ہے تمھارے خط کا، نہ آیا تو مایوسی ہو گی۔ ہم سب کے آنے اور رہنے کا بندوبست ضرور کر ڈالو۔

اچھا بہت سے پیار

تمھاری بنی

صفیہ

بھوپال
۹ر اکتوبر ۱۹۵۵ء

اختر عزیز!

خدا کرے تم بخیر و عافیت ہو۔ تمھارے خط کا روز انتظار کرتی ہوں
تم جانتے ہو کہ جادو کی مسلسل بیماری نے مجھے کس درجہ پریشان اور بدحواس
کر رکھا ہو گا۔ تمھیں تو چاہیئے تھا کہ آج کل مجھے دستور سے بھی زیادہ جلد خط
لکھا کرتے تاکہ مجھے انھیں کی ڈھارس سے، پریشانیوں کو جھیلنے میں مدد ملتی۔
جادو تمھیں سلام لکھوا رہا ہے۔ کہتا ہے کہ ابی کو لکھیے کہ جادو
نے آپ کو ہر ہر طرف سے سلام کہا ہے۔" کہہ رہا ہے کہ "ہر ہر طرف" تو میں اس
لئے لکھوا رہا ہوں کہ ابی کو ہنسی آئے۔
نہ معلوم کیسے ہو؟ ادھر کن کن تکلیفوں کو گوارا بنا رہے ہو۔ تعطیلات
کو دس بارہ دن اور باقی ہیں۔ اچھا پیار لو۔

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال
۹ر اکتوبر ۱۹۵۵ء

اختر عزیز!

تمھارا خط ملا۔ ادھر میں کئی دن سے تمھیں خط نہ لکھ سکی۔ اویس کو
سخت قسم کا سانس کا دورہ رہا اور ساتھ ہی بخار بھی۔ راتیں جاگ جاگ
کر کٹیں، شکر ہے کہ اب اچھا ہے۔ جادو کو حکیم کے علاج سے افاقہ ہے
طبیعت پہلے سے بہت بحال ہے۔

تم نے جعفری سے کمرے کی بات چیت کرلی ہوگی۔ یہاں سے کامرس سوسائٹی کا Tour کبھی آ رہا ہے۔ ہری پرشاد کی معیت میں اگر یہ لوگ بروقت روانہ ہوئے تو ساتھ ہی ہو جائے گا۔ اگر انھوں نے دیر کی تو میں اٹھارہ و نہ انیس کو روانہ ہو جاؤں گی۔ تم مجھے یہاں فی الحال کچھ نہ بھیجو، میں وہاں آکر لے لوں گی۔

پندرہ کو آگرے سے وائس چانسلر تشریف لا رہے ہیں، دعوت مدارات کی تجویز ہے۔ اس دوران میں جادو اور راویس کی الجھنوں نے بارہا محسوس کرا دیا، کہ "دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے"

جادو پاس ہی لیٹا ہوا افسانے گھڑ رہا ہے۔ مسلسل بخار نے اسکے دماغ پر غیر معمولی جلا کر دی ہے۔ بعض وقت ایسی ادبی گفتگو کرتا ہے کہ حیران ہو جاتی ہوں۔ ابھی دو ایک دن کی بات ہے کہ بائی پڑھنے آئی تھی، اُسے میں جوش کے "پانچ برجے" پڑھا رہی تھی، آخری حصے میں "زمیں مست و فلک مست ہیں مست" وغیرہ کی تکرار ہی، جادو سنکر بولا، امی یہ حصہ تو ابی کے جاگا کا قلم جاگی کتاب "سے ملتا ہوا ہے" یہ عمر اور یہ ناقدانہ نگاہیں۔ دیکھو یہ جوہر یونہی ضائع ہو جاتا ہے یا اپنی آب و تاب سمیت چمکتا بھی ہے

تم خط لکھتے رہو۔

پیار اور دعائیں
تمھاری
صفیہ

بھوپال
۱۰ اکتوبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز
دونوں خط مل گئے۔ جعفری کے گھر ٹھیرنے کا انتظام نہ ہو سکنے کا غم ہے۔ بہر حال ہوٹل سے تو دل وحشت کھاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ صرفہ بھی بہت ہو گا۔ تم عصمت آپا کی بہن کے گھر یا کرشن کے یہاں یا اختر الایمان کے ساتھ کہیں کوئی صورت نکالو۔ بچوں کو لکھنؤ پہونچا کر پھر بمبئی آنے کی صورت میں ہزاروں کا خرچ اور انتہائی زحمت ہے۔ اگر بمبئی میں ٹھیرنے کا انتظام درست نہیں ہوتا ہے تو پھر میں بھی لکھنؤ جاتی ہوں، تم بھی وہیں آجاؤ۔ اماں کئی بار اس بارے میں لکھوا بھی چکی ہیں، آرام سے گزر جائیں گے یہ دن۔ تم لکھنؤ جانے کے خیال سے اس لئے مت جھجکو کہ ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا جا چکے ہو۔ وہ لوگ تمہیں ہر وقت محبت اور پیار سے خیر مقدم کہنے کو تیار ہوں گے اور تمہارے پہونچنے سے خوشی محسوس کریں گے۔ ورنہ جیسا کچھ تم پسند کرو، مجھے منظور ہو گا۔
قلم کی فکر مت کرو، میرا قلم حاضر ہے تمہارے لئے۔ خط کا جواب فوراً ہی دینا!

تمہاری اپنی صفیہ

بھوپال
۱۴ اکتوبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!
تمہارے خط کا آج مجھے انتظار تھا، نہیں آیا۔

جادو کی طبیعت پھر خراب ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا اس حالت میں اسے بمبئی لے کر کیونکر آؤں۔ تمھارے لئے لکھنؤ آنا ممکن ہو تو پھر کوئی الجھن ہی نہیں باقی رہ جاتی، سوچو تو بھی، میرے لئے کتنی بڑی خوشی کی بات تھی کہ میں یہ دن تمھارے پاس گزاروں گی مگر حالات نے میرے حصّے سے ہر امکانی مسرت ضبط سی کر لی ہے۔ تم غم وغصہ نہ کرنا میرے دل کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔ چاہوں تو جادو کو لے کر تمھارے پاس بھی آ سکتی ہوں۔ مگر اسی خدشے سے نہیں لانا چاہتی کہ تمھاری فکریں بڑھ جائیں گی۔

حالات نے کتنی ایسی ذمہ داریاں مجھ پر ڈال دی ہیں جن میں تم ذہنی طور پر شریک ہونے کے علاوہ اتنی دور سے کچھ نہیں کر سکتے۔ تعطیل جمعرات سے ہے۔ اگر علاج وغیرہ کا امکان ہو اور تم اعتماد محسوس کرو تو میں قطعی بمبئی چلی آؤنگی۔ بہر حال اب مجھے جو کچھ بھی لکھو، فیصلے کی شکل میں لکھنا۔ تم جانتے ہو تمھارے فیصلے کے مطابق عمل کر کے ہی مجھے دلی سکون محسوس ہوتا ہے۔ بہت سے پیار

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۱۶؍ اکتوبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز

دونوں خط مل گئے۔ اٹھارہ کو روانگی مشکل ہو گی۔ بارہ بجے تک تو امتحان کا سلسلہ چلے گا۔ اب میں انیس کی دوپہر کو روانہ ہو کر بیس کی صبح کو تمھارے پاس پہونچ رہی ہوں۔

تمھاری صفیہ

بھوپال

۱۵؍ نومبر ۱۹۵۰ء

اخترِ عزیز!

بہت سے پیار، بے شمار دعائیں۔

میرا تار تو ملا ہوگا۔ سفر بعافیت گزرا۔ صبح ہی کو ڈاکٹر سلطان صاحب کے یہاں پہونچ گئی۔ ان لوگوں کا سلوک کچھ ایسا مشفقانہ ہے کہ ایک لحظ کو غربت محسوس نہیں ہوتی۔

مکان میں پرسوں ہی سے قلعی شروع ہو گئی ہے۔ کل جاکر پورا مکان کھول دیا تھا۔ پھر سامان کا کمرہ مقفل تھا آج اس میں بھی قلعی ہو گی۔ خیال تو ہے کہ آج شام ورنہ کل صبح منتقل ہو جاؤں گی۔

جاوید سفر کی تکان سے متاثر رہا۔ موسم یہاں کا خوب جی بھر کے سرد ہو رہا ہے۔ رات کو لحاف اوڑھنا پڑتا ہے۔ گرم کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے دونوں راتیں کیسی خاموشی اور دہشت سے پُر رہیں، پھر بھی میرے سرد اور ویران پہلو کو تمھارے ننھے اور معصوم نمائندے گرماتے رہے دوست!

یہ ساڑھے پانچ مہینے یعنی ایک سو پینسٹھ راتیں خاموشی سے گزار دینی ہیں اور پھر اس کے بعد میں تم سے الگ نہ رہوں گی ورنہ خدشہ اسی کا ہے کہ میرے دل و دماغ پر مہلک اثر پڑ جائے گا۔ بلکہ کے علیٰ ہی میرا سرمایۂ حیات رہیں گے۔

تمھاری تنہائی اور پریشانی کے احساس سے دل مسوستا ہے۔ آؤ بہادر بنیں، دوست! اور یہ کڑی گھڑیاں بھی جھیل جائیں۔

جاوید تم کو بہت یاد کرتا ہے اور ایک تصویروں کی کاپی کی فرمائش

کر رہا ہے، جس میں رنگ بھرے جاتے ہیں۔ اور رنگ کے ڈبے کی بھی۔ اب تم جانو اور وہ جانے۔

یہاں ڈاکٹر صاحب کے یہاں نوراللہ صاحب[1] آئے تھے پونا والے آج کل وہ یہیں مقیم ہیں۔ ان سے میں نے اپنی ملازمت کے بارے میں گفتگو کی تھی۔ کئی راہیں بتائی ہیں انھوں نے۔

ایک حادثہ اور۔ میری دھوپ کی عینک کھو گئی۔ خدا جانے ٹرین میں رہ گئی یا پھر درزی کی دوکان پر جب کوٹ لینے گئی تھی۔ تم Dorotha کی دوکان سے گزرو تو ضرور پوچھ لینا۔

اچھا بہت سے پیار میرے دل کی دھڑکن تمھارے لئے وقف ہے اختر!

تمھاری اپنی صفو

بھوپال

۱۶ نومبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

میرا پچھلا خط پہونچا ہو گا۔ خدا جانے اپنے کمرے پر واپس آ گئے یا وہیں اختر سعید کے ساتھ ہو؟

کل سے گھر پر آ گئی ہوں۔ آتے ہی عثمان کو بخار آ گیا۔ بحیثیت مجموعی بچے اپنے مستقر پر پہونچ کر بہت مطمئن ہیں۔ جادو کی حرارت کا وہی عالم ہے کل ہی حمیدہ کا خط آیا ہے۔ جادو کو باصرار بلوایا ہے۔ ہفتہ عشرہ اور دیکھ کر یہی کرنا ہو گا۔

---

[1] اسسٹنٹ ڈائرکٹر شعبۂ تعلیمات ممبئی

یہاں کی ویرانی کا اندازہ تم نہ کرسکو گے۔ شہاب ویسے بھی کبھی کبھار آتے تھے، اب ان کی بیوی اور ماں وغیرہ بھی آگئی ہیں۔ ان لوگوں سے ملنے ایک دن جاؤں گی۔ رات میں کم سے کم تین بار آنکھ کھلتی ہے اور تمھاری یاد میرے دل کو دھڑکا جاتی ہے۔ ہر صبح "کہ رات رونے کی خواہش تھی اور رو نہ سکا،" کا احساس ساتھ لاتی ہے۔

اختر! تمھیں پیسوں کی ذرا دقت ہو تو مجھے لکھنا۔ میں T. M. C. کر دوں گی۔

باقی پھر۔

تمھاری صفیہ

بھوپال

۱۸ر نومبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

آج تو تمھارا خط آنا ہی چاہیئے ورنہ اتوار کا دن شدید کوفت میں گزریگا۔ ابھی تک تو یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ تم وہیں ہو یا آرکیٹہ یا واپس آگئے ہو؟ جادو کا وہی حال ہے۔ آٹھ دس دن اور دیکھتی ہوں ورنہ لکھنؤ روانہ کر دوں گی، اس کے رہتے ہوئے کچھ تمھاری رفاقت کا احساس رہتا ہے۔ اس کے بغیر بالکل ہی تنہا رہ جاؤں گی۔ لیکن جب میں تمھاری خاطر تم سے دور رہ سکتی ہوں تو پھر اس کی خاطر اس سے بھی دور رہوں گی۔

گھر کا کیا حال لکھوں؟ "کوئی ویرانی سی ویرانی ہے" والی کیفیت ہے۔ تمھاری زندگی کے تصور سے بے چین ہو کر رہ جاتی ہوں۔ تمھارے کپڑے تیار کرانے

کی فکر میں ہوں۔ عنقریب بازار جاؤں گی۔

جادو کی انقلاب پسندی اپنے عروج پر ہے۔ نوراللہ صاحب سے انھوں نے باقاعدہ ایشیا، روس، اور اسٹالن کی خوب باتیں کر ڈالیں چنانچہ نوراللہ صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ ایسے انقلابی بچوں کے ساتھ تو آپ کو بمبئی گورنمنٹ میں ملازمت ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

اب سوا نو بجے ہیں ساڑھے نو بجے کلج پہونچنا ہے، اس لئے فی الحال رخصت دو۔ تمھاری ڈاڑھ کی تکلیف کیسی ہے؟

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۲۳، نومبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

آج تک تمھاری خیریت مجھے نہیں معلوم ہو سکی۔ میری حالت قابلِ رحم بن رہی ہے۔ خدانخواستہ اگر تمھاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں تو اس کی اطلاع تو کرو۔ مجھے لحظہ بھر کا سکون بھی میسر نہیں ہے۔ کیا بمبئی کے عیش کا یہی انجام ہونا تھا؟

یہاں سنگر کا تقرر چیف انسپکٹری پر ہو گیا ہے۔ جشن منا رہے ہیں۔ "یہ میرا تو فریاد سے من گونج رہا ہے" دوست! تم اس سوگواری کا خیال تو کرو، جو اس کس مپرسی میں مجھ پر طاری ہوگی۔

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۲۴ نومبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

شکر ہے کہ تم بخیریت ہو۔ اتنے طویل عرصہ تک خاموش نہ رہا کرو تم پھر خلیل صاحب کے پاس ہی آ گئے۔ چلو یہ پانچ مہینے کا عرصہ اور یونہی گزارلو پھر کوئی نئی شکل بنانی ہی ہوگی۔ یہ گاڑی یوں آگے نہ چل سکے گی۔

تم نے پیسوں کے بارے میں قطعی تکلف برتا ہے۔ خلیل صاحب کے بجائے مجھے اپنا Financer بنانے میں کیا اعتراض تھا؟ خدا کرے نواب صاحب آ چکے ہوں۔ اور تمہارے خرچ کی تمھیں دقت دور ہو چکی ہو۔

جادو کا وہی حال ہے۔ تم مجھے اپنے تمام مشاغل اور اپنی تمام مصروفیتوں کے بارے میں بھی لکھا کرو۔ تمھاری صبح و شام کیسی گزرتی ہے؟ یہاں موسم رومانی تو نہ کہوں گی، مگر یہ سرد راتیں بھری پُری زندگی کا تقاضا ضرور کرتی ہیں۔ رات کو میں مُنہ سُکھائے ہوئے بستر پر جا پڑتی ہوں! "بچے غریب آپس میں لڑ جھگڑ کر خود کو تھکا لیتے ہیں۔ اور سو جاتے ہیں" خبر کیا تھی کہ ایسی چاندنی راتیں بھی آئیں گی۔ یہ حالت بھی کبھی کبھی گذر جاتی ہے Sin & Science شروع کی ہے۔ کالج ہی میں پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ چنانچہ ایک ترنگا Cover چڑھا لیا ہے اس پر۔

جادو اور اویس تمھیں ہر دم یاد کرتے ہیں۔ جادو تمھاری اداؤں کی نقالی میں فخر محسوس کرتا رہتا ہے۔ پیار لو۔

تمھاری صفیہ

بھوپال

۲۶ر نومبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز

بے شمار یادیں

اس پندرہ سولہ دن کے عرصے میں مجھے تمھاری ایک تحریر ملی ہے تم خود ہی جانتے ہو کہ تمھارے خطوں کی کس درجہ اہمیت میری زندگی میں ہے تمھاری باتیں خواہ وہ مختصر کیوں نہ ہوں مجھے زندگانی کا نشہ بخشنے کو کافی ہوتی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ تم ٹھیرے شاعر۔ تم تڑپ چاہتے ہو اور مجھ سے تڑپ کے بجائے سکون ملتا رہتا ہے۔ لیکن میری تڑپ کی تو قدر کیا کرو۔ آؤ میری شکایت بھری نگاہوں کے آنسو قبول کرو۔ یہ زندگی بہت سرعت سے گزر رہی ہے۔ اس سے کچھ تو وصول کرنا ضروری ہے۔ بچے ہر لمحے تمھیں یاد کرتے ہیں اور اپنے آپ تمھاری آمد کے منتظر رہتے ہیں۔ جادو غریب کا وہی اگلا سا حال ہے۔ اسے لکھنؤ ہی پہونچانا پڑے گا۔ مجھ پر یہ دوہری قیامت بھی گزرے گی۔ زندگی کی ہر اچھی چیز مجھے اپنے سے گریزاں معلوم ہوتی ہے۔ جب تمھارے قدموں کی چھاؤں نہیں تو جادو کے ملائم بازو ہی کیوں نصیب رہیں۔

آج اتوار کا دن ہے۔ کچھ وقت گھر جھاڑنے پونچھنے میں نکالا۔ اب تمھیں خط لکھنے بیٹھ گئی ہوں۔ کل سے لڑکیوں کے ڈرامے کی تیاری بھی شروع ہوگی۔ اس میں مسز ملہوترا کی فوقیت کو برقرار رکھنے کا فرض بڑا دشوار مسئلہ ہوتا ہے۔

ادبی مشاغل کا کیا عالم ہے۔ کسی نظم کا Mood تو نہیں پیدا ہے۔

پیار لو۔

تمھاری صفیہ

بھوپال
۲۸، نومبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

کل تمھارا دوسرا خط ملا۔ تمھارا خط پا کر میں جی اٹھتی ہوں۔ تم مجھے ایک سیاسی نظر بند قیدی سے کم نہ سمجھو۔ یہ قید بے زنجیر بھی اکثر جھیلی جاتی ہے بہر حال یہ دن بھی گزر ہی جائیں گے۔

یہاں نئے اسکول آ گئے ہیں۔ غالباً ساڑھے تین سو سے Start ہو جائے گا۔ خیر کرنا بھی کیا ہے۔

جاوید تمھیں حد سے زیادہ یاد کرتا ہے۔ کل کہہ رہا تھا کہ میرے تو دو ہی کھلونے ہیں۔ ایک گڈا اور ایک گڑیا۔ گڑیا بھوپال میں ہے اور گڈا بمبئی ہیں کنپٹی پر انگلی رکھ کے بتانے لگا کہ یہاں پر اُس کے ایک چابی لگی ہوئی ہے جب میں چابی گھما دیتا ہوں تو گڈا تماشے کرنے لگتا ہے۔

ایشیا کا ڈرامہ ہر وقت کھیلا جاتا ہے۔ سنگر کے بچے امریکی شیطان بنتے ہیں۔ سائکل پر لکڑیاں لگا کر توپ بنائی جاتی ہے۔ اور روس سے امریکہ کی جنگ ہوتی ہے۔ جعفری کی نظم "ایشیا جاگ اٹھا" کے مصرعے دہرائے جاتے ہیں۔ غرضکہ بچے کیا ہیں شامتِ اعمال ہیں۔

مجروح کے زندانی ہونے کی خبر سُنی۔ بیچارا۔ تم ملنے جاؤ تو میری دعا اور اسی کا شعر میری طرف سے اُسے پہونچا دینا۔

دیکھ زنداں سے پرے رنگِ چمن رنگِ بہار
رقص کرنا ہے تو پھر پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ!

اختر! اپنی شاعری اور محبّت کا واسطہ مجھے خط جلد لکھا کرو۔ بہت سے پیار۔

تمھاری صفّو

بھوپال
۲۹ر نومبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

تم میرے شکووں سے گھبرانہ جایا کرو۔ دراصل میرا جی چاہتا ہے کہ یوں نہ سہی تو خطوں کے ذریعے ہی تم سے جلد جلد ملنا ہوا کرے۔ خط میں تاخیر ہوتی ہے تو بے سہارا سی ہونے لگتی ہوں۔

تم اس خیال سے جی مت کڑھاؤ کہ میں یہاں رہ کر خدانخواستہ دوسروں کی ہمدردی کی محتاج ہوں۔ میں پوری آن سے رہتی ہوں دوست۔ میں اپنے دکھ درد کو تمھارے سامنے رکھنے کے علاوہ اس میں کسی اور کی شرکت گوارا نہیں کرتی ورنہ مجھے اتنی دشواریاں بھی پیش نہ آیا کریں، اور پھر مجھے دقتیں بھی ایسی کیا ہیں؟ سب سے بڑا سوال پیسے کا ہوا کرتا ہے سو تمھاری مدد اور اپنی محنت کے صلے میں اس طرف سے پورا اطمینان حاصل رہتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ گذشتہ سال جب پیسے کی تنگی کا بھی امکان تھا، میں نے خود کو کسی کے سامنے نیچا نہیں کیا۔ اس میں مجھے تمھاری توہین نظر آتی ہے ساتھی! تم میری طرف سے خود کو کسی طرح بے چین نہ کرو۔

کالج لائبریری کے لئے رفیق سے دو ڈھائی سو کی کتابوں کی فہرست

بھجوادو جو تمھارے اندازے میں کالج میں نہ ہوں۔ میں ان کا آرڈر کرادوں گی۔ یوسف اکاونٹنٹ دس پندرہ دن سے بغیر اطلاع غائب ہیں، کچھ روپیہ لے کر پاکستان چل دیئے ہیں غالباً۔

اور کیا لکھوں دوست۔ میرا بچّہ اچھا ہو جائے پھر تو مجھے کوئی بھی پریشانی نہ ہوگی۔ تم مجھے کوئی فرمائش، کوئی ہدایت، کوئی حکم تو لکھو کہ تمھاری حکمرانی کا احساس قائم رہے۔

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۲ر دسمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز

تم کیسے ہو؟ کیا کرتے رہتے ہو؟ کوئی نظم وغیرہ تو جنم نہیں لے رہی؟ مجموعے کی کتابت ضرور شروع کرادو۔ اس کے بعد تو چھپ ہی جائے گا، اور وہاں تمھاری ڈاڑھ کی تکلیف کیسی ہے؟ سب کچھ لکھو!

یہاں جادو کا کمھلایا ہوا چہرہ دیکھ کر دل بہت متاثر ہوتا ہے جیسے میرا پیارا کمھلا رہا ہو۔ اسے لاکھ کھلاتی پلاتی ہوں، وہ ذرا نہیں پنپتا۔ دراصل وہ تم سب کو بھی یاد کر کے بہت دل دُکھاتا ہے۔ مردوں کی Company تو اسے یہاں میسّر ہی نہیں آتی جس کا وہ حد سے زیادہ عادی ہے۔ میں یہاں کے مردوں سے ملنا پسند نہیں کرتی۔ صحیح قسم کی ذہنی شرکت والا میل ملاپ یہاں کہاں؟ سنا ہے عرشی جیسے "ترقی پسند" بھی آج کل اسلامی لٹریچر فروخت کرتے ہوئے بازار میں نظر آتے ہیں، خیر۔ شہاب کی بیوی اور اماں ایک دن

میرے پاس آئی تھیں، ان کی خاطر تواضع کر دی تھی۔

پڑھنا آنکھوں کی کمزوری سے بہت ہی کم کر دینا پڑا ہے۔ اس طرف بعض رسالوں میں چند نئے لکھنے والوں کی کچھ اچھی چیزیں پڑھیں، لیکن مجھے تو بڑی شکایت ہے اپنے نقادوں سے کہ سوائے اپنے دوست احباب کے دوسرے کی بات ہی نہیں کرتے۔ چند نام لے لئے ہیں انھیں کو رٹتے رہتے ہیں، چاہے دھول ہی اڑ رہی ہو۔

ہاں، تم نے کان پور کے مشاعرے والوں کو کیا لکھا؟ مناسب پیسے دینے کو تیار ہو جائیں تو ضرور جاؤ۔ سترہ دسمبر کو مشاعرہ ہے۔ بندو کو یہاں سے گزرو، جاؤ کو ساتھ لے لو، اسے لکھنؤ پہونچا دو۔ کان پور اگریکلچرل کالج والو کا خط میں نے تمھیں بھیج دیا ہے۔

تم بہت ہی مفصل خط مجھے لکھنا، بس بالکل ایسا ہی خط جیسے کسی ایسی نظر بند کو لکھا جاتا ہے۔ کہ باہر کی دنیا کی کچھ تو جھلک اس تک پہونچ سکے۔

احسان اور اویس کو دعائیں۔ احسان کی خوش سلوکیاں اکثر یاد آتی ہیں۔ خلیل صاحب کو آداب اچھا پیاروں کے ساتھ۔

تمھاری صفیہ

بھوپال

۷، دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء

اختر عزیز۔ میری جان:

آج کئی دن کے بعد تمھیں خط لکھنے بیٹھی ہوں۔ تم کو میرا خط نہ ملنے سے کوفت ضرور ہوگی۔ اس طرف تمہارا بہت ہی پیارا سا خط مل گیا تھا۔ اختر بہت

سی باتیں تم ایسی لکھدیتے ہو جن سے خود کو بہت کم پاتی ہوں۔ یاد ہے تم نے میرے لئے معصوم کا لفظ استعمال کیا تھا میں کانپ گئی تھی۔ کاش میں ہمیشہ تمھاری توقعات کی تکمیل کر سکوں۔ تم میرے لئے کیسی حسین اور کتنی تبسریں یادیں رکھتے ہو۔ میرے پاس وفاداری اور محبت سے زیادہ کیا پا سکو گے۔ حسن، تن درستی، نوجوانی، کاش یہ سب کچھ میں تمھیں دے سکتی اور تمھارے لئے خود میں پیدا کر سکتی۔ بہر حال تم میری وفاؤں کے قدر شناس رہو اور میں اپنی زندگی اسی طرح پوری کرلوں بس یہ بہت ہے۔

ان اداسی کے دنوں اور تنہا راتوں سے گھبرا مت جادو۔ یہ چار ساڑھے چار مہینے بھی کٹ ہی جائیں گے۔ ہم ایک دوسرے کی خاطر جب الگ رہ کر ہر پریشانی کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ تو پھر ساتھ رہ کر تو ہماری طاقت بہت بڑھی ہوئی ہوگی اختر! مجھے تمھاری سرپرستی اور تمھیں میری دلداری بہت ہوگی۔ ہم مل کر زندہ رہنے کے امکانات پیدا کریں گے۔ اپنے اور اپنے بچوں کے لئے۔

جادو تمھیں ہر وقت یاد کرتا ہے اور اس سے کچھ زیادہ ہی اداس۔ جادو کی طبیعت پہلے سے کچھ غنیمت ہے۔ ابا نے آنے کو لکھا ہے۔ انھیں کچھ دن روکوں گی۔ اور ضروری ہوا تو جادو ان کے ہی ساتھ چلا بھی جائے گا۔

مجھے خط جلد ہی جلدی لکھتے رہا کرو۔ تمھارا خط پا کر میں نہال ہو جاتی ہوں اور ایک خط کو دس دس بار پڑھتی ہوں۔ تمھارے خطوں کے علاوہ میری زندگی میں کوئی روشنی نہیں ہے۔

میرے تمام پیار اور میرا ہر احساس تمھارے لئے ہے ساتھی!

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال
۸ر دسمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

نامۂ شوق ملا۔ اس درجہ بےتابی اور بےصبری سے ہم دونوں کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ سکون اور انتظار سے یہ دوری کا عرصہ گذار دو پھر مجھے اپنے سائے سے دور نہ کرنا۔ میری جنت وہی ہوگی۔

تم تو پڑھ لکھ کر بھی وقت کاٹ لیتے ہو، کیوں نہ یہ زور اور یہ جذبہ کسی پیاری سی نظم پر ہی صرف ہو جائے۔ وہ تخلیق تو زندگی لے کر آئے گی۔ اور یہ جذبے کی رو تو آئی اور گزر گئی۔

تمہاری ڈاڑھ کی تکلیف کی خبر سُن کر اور وحشت ہے، کتنے دن ہو گئے تمھیں تکلیف اٹھاتے ہوئے، کسی معقول ڈاکٹر کو دکھاؤ۔ شاید دوا ہی سے کام چل جائے۔ ورنہ سوچ سمجھ کر نکلوانے کی شکل کرنا۔ خون زیادہ نہ جانا چاہیے غرضکہ شدید فکر ہے۔ یہ Aspro وغیرہ مت کھاؤ۔ تمھیں دل کی تکلیف ویسے ہی ہوتی ہے، اور بڑھ جائے گی۔

صبح پڑھانے نکلنے کے بعد دو بجے سے پانچ چھ بجے شام تک ڈرامے کے چکر میں نکل جاتا ہے۔ واپس آتی ہوں تو جادو کو حرارت میں کڑھتا ہوا پاتی ہوں۔ بس زندگی کا یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ آبو[1] نے آنے کو لکھا ہے۔ جادو کو اس کے ساتھ لکھنؤ بھیج دوں گی، پھر زندگی کی رہی سہی روشنی بھی بجھ جائے گی۔ بس تمھارے خطوں کا آسرا رہے گا۔

تم نے میرے خطوں کے مختصر ہونے کی شکایت کی ہے، یہاں حالات ہی

۱؎ ابو المعروف صفیہ اختر کے بھانجے۔

کیا ہیں دوست جو تم کو لکھوں "صبر اے دوست کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں" تم جنوری میں آنے کا ارادہ برقرار رکھو۔ کوئی شکل نکل ہی آئے گی۔ کیا کاہنور کے مشاعرے والا معاملہ ٹھیک نہ رہے گا؟

اچھا میرا ہر احساس تمھارے لئے ہے ساتھی!

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۹ر دسمبر ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر!

اچھے تو ہو؟ کل خط لکھ چکی ہوں۔ تم سے آج باتیں کرنے کو پھر جی چاہ اٹھا۔ یہ لفافہ دیکھ کر بڑا ناامت، یہ موجود ہے، دوسرا حاصل کرنے میں ڈاک کا وقت جاتا رہے گا۔ تمھاری ڈاڑھ کی طرف سے فکر ہے۔ سمناک کا حلوہ بنا کر پارسل کرنے کا ارادہ تھا۔ اب اسی خیال سے ملتوی رکھ رہی ہوں، تمھارے دانت کی تکلیف دور ہولے۔

کالج کا ڈرامہ غالباً سولہ کو ہو سکے۔ اُس وقت تک عجب عالم سکرات طاری رہے گا۔ کل ذمہ داری میری ہی ہے اور اس پر ستم یہ کہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا کچھ بھی کرنے کا خاص طور سے اس لئے کہ لڑکیاں حد درجہ Un-inspring واقع ہوئی ہیں۔ نفیس اور حامد وغیرہ کی بات ہی نہیں۔

کل ابّو کا انتظار رہے گا۔ آگئے تو جادو کو ان کے ساتھ بھیج دوں گی۔ انجمن کیسی چل رہی ہے؟ تم نے اپنے مجموعے کا کیا حشر کیا؟ ساری باتیں لکھو۔ صبح سے

لہ ابو المعروف۔ صفیہ اختر کے بھانجے۔

شام اور شام سے صبح کیونکر ہوتی ہے؟
آج کل نہ جانے کیا بات ہے کہ پڑھانے کو بھی جی نہیں ہوتا۔ بس نہ جانے کس طرح کام کو ڈھکیلتی ہوں۔
بعض وقت سوچتی ہوں گھر پر کوئی محنت مشغلہ شروع کردوں خصوصاً جاذو کے چلے جانے کے بعد یہ بہت ضروری ہوگا۔ اس کی موجودگی میں اسی کی مصروفیت کیا کم رہتی ہے۔ بہر حال۔
اچھا خط لکھو۔ پیار طویل اور گرم۔
تمھاری صفیہ

بھوپال
۱۳ / دسمبر ۱۹۵۰ء
اختر عزیز!
آج تمھارا خط آتا ہوگا۔ اور اگر نہ آیا تو دکھ ہوگا۔
یہاں کالج کی مصروفیت اپنے عروج پر ہے۔ صبح سے شام وہیں گذر جاتی ہے۔ ابو آیا ہوا ہے۔ مگر غریب کی خاطر تواضع بھی نہیں ہوسکتی۔
بائیس سے سات دن کی تعطیل بھی آ رہی ہے۔ کیوں نہ کوئی پروگرام بنا ڈالیں۔ میں سمجھیں اس طرف ایسے ہی اکھڑے خطوط لکھ سکوں گی، تم اثر مت لینا۔ فرض کی پکار مجھے اتوار تک منہمک رکھے گی۔ اتوار کو ڈرامہ ہو رہا ہے پھر سکون مل سکے گا۔ بے طرح کام ہے۔
اچھا پیارے
تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۱۴ر دسمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

کل تمہارا خط ملا تھا۔ نہ جانے کیوں آج دوسرے خط کا آسرا تھا۔ شاید کل آ جائے!

کل صبح جادو ابو کے ہمراہ لکھنؤ جا رہا ہے اور اب رات کے نو بجے میں کالج کے ڈرامہ کے چکر سے مہلت پا کر تمہیں خط لکھنے بیٹھی ہوں۔ یہ چار دن بھی عجیب کش مکش میں گزرے۔ بار بار یہی سوچا کہ جادو کو نہ بھیجوں اور وہ بھی کبھی کبھی میرے غم کے احساس سے مجرم سا محسوس کرنے لگتا تھا۔ لیکن آج اپنے سینے پر سل رکھ کر تیاری کر رہی ہوں۔ اس کی حرارت مستقل اُس سے چمٹی ہوئی ہے۔ اور تندرستی کا تقریباً پہلا ہی سا حال ہے۔ کہاں تک اسے گھُلاتی رہوں۔ وہ لکھنؤ رہ کر اپنی کھوئی صحت مندی واپس پالے میرے لئے یہ سب کچھ ہو گا۔ تم سے دور رہ کر بھی ان دونوں بچوں کو سینے سے لگا کر مجھے کافی سکون مل جاتا تھا۔ پھر جادو تو "مجھی کو سب پکار اٹھیں، گزر جاؤں جدھر ہو کر" کا مصداق ہے۔ بارہا میں نے خود ایسا محسوس کیا کہ تم ہی میرے پاس ہو مگر اختر یہ سات سال تم کو پا لینے ہی کی سعی میں گزر گئے۔ اور تم میرے ہو کر بھی مجھ سے آج دور ہی ہو۔ جادو کو بھی میرا ساتھ راس نہیں آتا۔ کیا کروں؟

حالات کے چکر نے میری فطری بے فکری کو بری طرح کچل کر رکھ دیا، آج مجھ پر خفیف سی بات کا بھی بڑا شدید اثر ہوتا ہے دوست۔ بھوپال والوں کا رویہ جو تمہارے چلے جانے کے بعد بدلا، اس نے مجھ میں ایک عجیب طرح کی تلخی پیدا کر دی

"دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا" ، میرا کسی سے ملنے جلنے کو دل نہیں چاہتا۔
ایک مسلسل تنہائی ہے اور میں ہوں۔

آج دوپہر سے اب تک میرے آنسوؤں کی جھڑی بند نہ ہو سکی۔ کالج میں کیسا بُرا وقت گزرا۔ بہانوں سے منہ دھو دھو کر آتی تھی۔ جادو میرا ساتھی دوست رفیق سبھی کچھ تھا۔ اس سے مجھے بڑی تقویت تھی اور ڈھارس۔ مجھے گھر کا کوئی سکون میسر نہ رہے گا، مگر کیا کروں اختر! میں نے تم سے خود غرضی نہیں برتی تو اس سے بھی فریب نہ کروں گی۔ اُسے مجھ سے وہی بے غرضانہ محبت حاصل ہونا چاہیئے جو تمھیں ہو سکتی ہے۔ میں تمھارے لئے مٹ سکتی ہوں تو اس کے لئے بھی کچھ قربانیاں دے سکوں گی۔

اختر! تم مجھے تسکین دینا اور میری ڈھارس بندھانا۔ ڈاڑھ کا درد کیسا ہے؟ علاج سے اس درجہ تغافل مت برتو۔ پیار

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۱۶ر دسمبر ۱۹۵۰ء

میرے شاعر اختر!

کئی دن سے تمھاری کوئی تحریر نہیں ملی ہے۔ تمھاری طرف سے ہر وقت فکر رہتی ہے۔ اپنی خیریت برابر لکھتے رہو۔

جادو کل چلا ہی گیا۔ چھ مہینے وہ میرے پاس رہا۔ ہر طرح کا آرام ہو کر بھی اسے دُکھ ہی رہا اور آخر وہ گیا، مجھے اور ادیس کو قطعی تنہا کر کے۔ کل تمام دن ادیس کی مظلومیت کا ٹھکانہ نہ تھا۔ بات بات پر روئے دیتا تھا۔ تم جانتے ہو کہ

وہ جادو ہی کے دماغ سے سوچتا ہے اور اسی کے اشاروں پر چلتا ہے ادھر گھر مجھے کاٹنے دوڑتا ہے۔ رات سیج کے سونے ہونے کا سچا احساس پیدا ہوا تھا۔ جانے سے قبل والی رات جادو میری گود میں سویا یہ کہہ کر رات بھر مجھے سینے سے چمٹائے رکھنا۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے ہی میں نے اسے روانہ کر دیا۔ میری دنیا فی الحال بالکل اندھیری سی ہے۔ جادو کی صحت اسے دوبارہ واپس مل جائے میرے لئے یہی سب کچھ ہو گا۔

تمہاری دوری کے اوپر یہ مزید ستم کیوں ٹوٹتے ہیں اس کے لئے میرے اور تمہارے پاس کوئی سبب نہ ملے گا۔

تم آئندہ ماہ کی پندرہ کو میرے پاس ضرور آجاؤ اب سے مہینہ بھر کا ایک ایک دن گن گن کر کاٹ لوں گی۔ سردار پٹیل کے رخصت ہو جانے سے ڈرامہ جو کل ہونے والا تھا تیرہ دن کے لئے ملتوی ہو گیا ہے۔ سوچو کہ زحمت میں کس درجہ اضافہ ہو گیا تقریباً کل تیاری ہو چکی تھی اب سارا ڈھچر پھر سے جمانا ہو گا۔

سنا ہے مہدی آئے ہوئے ہیں۔ میرے پاس آنے کا قصد کر رہے ہیں۔ تمہارے لئے دس گز لٹھا لکھنؤ سے آگیا ہے۔ پاجامہ سی کر انھیں کے ساتھ بھجوا دوں گی ورنہ پارسل کر دوں گی۔

ڈاڑھ کیسی ہے؟ تمہارے خط جذباتی زیادہ واقعاتی کم ہوتے ہیں تم حالات تو لکھا کرو۔ تم نے یہ بھی نہ لکھا کہ یہ سات دن کی چھٹیاں کیونکر گزاروں؟ دو ایک دن میں ہوش و حواس اکٹھا کر کے خود کو کسی کام میں لگانے کی کوشش کروں گی، دیکھو۔ بہت سے پیار۔

تمہاری صفو

بھوپال

۱۸ر دسمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

بہت سے پیار! اتوار کے بعد سے اب تک تمھارا حال نہیں معلوم آج بھی تمھارا خط نہ آیا تو بے چینی میں شدید اضافہ ہو جائے گا۔

جادو کے چلے جانے سے جو خلا زندگی میں پیدا ہو گیا ہے اس کا احساس تم کو کیونکر دلاؤں۔ گھر کا سونا پن برداشت نہیں ہوتا۔ دن رات میں کتنی دفعہ اس کی یاد کو آنسوؤں سے سینچ لیتی ہوں۔

دل کو باتیں جو اس کی یاد آئیں!
کس کی باتوں سے جی کو بہلائیں

بس یہی تسکین کافی ہے کہ شاید یہ سب اُس کی بہتری کے لئے ہو۔

کل کی دلچسپ بات سنو! صبح صبح میں اور ادیس باورچی خانے میں ناشتہ کر رہے تھے۔ کسی نے عثمان کو پکارا۔ معلوم ہوا ابراہیم یوسف صاحب تشریف لائے ہیں۔ ان کی اس کرم فرمائی پر سخت حیرت ہوئی۔ پھر غور کر کے نتیجہ نکالا کہ سنگر سے کام ہو گا۔ چنانچہ اندازہ درست نکلا۔ ملنے پر بلا تمہید ابراہیم صاحب نے مطالبہ کیا کہ سنگر سے ان کے تبادلے کے روکنے کی سفارش کر دوں، میں نے قطعی مجبوری ظاہر کی کہ سنگر سے میں، ایسے مراسم نہیں رکھتی کہ ضرورتیں لے کر ان کے سامنے جاؤں! —— آج تمھیں بھوپال چھوڑے سال پورا ہو رہا ہے۔ ابراہیم یوسف صاحب کو میری یاد اپنے کام پر آئی۔ بہر حال ایسے تجربات اس تنہائی میں میری کوفت اور تلخی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ تمھاری موجودگی میں جو آپا کا

دم بھرتے تھے وہ آپا کی طرف منہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ میں خود بڑھ کر کسی سے ملوں، یہ بھوپال میں مجھ سے نہ ہو گا۔

میں آج چاہوں تو، اسی بھوپال میں ہزار دلچسپیوں کے ذرائع پیدا ہو سکتے ہیں۔ مگر اختر! دل نہیں چاہتا۔ بس کل بات یہ ہے ـــــ

مجھے تسکین آمیز تحریریں بھیجو۔ میری مامتا رہ رہ کے بھڑک اٹھتی ہے تم جانتے ہو کہ جادو سے میری محبت عاشقی کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ عاشقی "سلسلہ دراز عشق" کی ایک کڑی ہے اختر!

بہت سے پیار
تمہاری صفیہ

بھوپال
۱۹ر دسمبر ۵۰ء

اختر عزیز!

خط ملا۔ آج ۱۹ دسمبر ہے۔ آج تمہیں گئے پورا سال ہو گیا۔ اس سال بھر میں میرے سر کے بال سفید ہونے لگے اور تمہاری آسودگی خاک میں مل گئی۔ ہمیں معلوم ہے کہ ذمہ داری کس کی ہے؟ اپنے لئے نہیں تو اپنے بچوں کے لئے ضرور اس دشمن کو راستے سے ہٹانا ہے۔ میں اس Fight سے دستبردار نہ ہوں گی تم بھی اپنے راستے پر قائم رہو ساتھی!

اب شاہجہاں پور جا کر کیا کروں گی۔ جنوری میں تو تم آ ہی رہے ہو نا؟ بہت سی فرمائشیں لکھوں گی تم کو جب تم آنے والے ہو گے۔

ادیس بہت اداس رہتا ہے۔ مجھے انگریزی کی ایک نظم اکثر یاد آتی ہے:۔

O call my brother back to me

I cannot play alone

تمہیں بہت یاد کرتا ہے اور بمبئی جانے کی فرمائشیں مستقل کرتا رہتا ہے۔ مجھے خط جلد ہی لکھا کرو۔ تم کسی مشغولیت میں پڑ کر بھی مجھ سے غافل ہو جایا کرتے ہو۔ یہ خطرہ مجھے ہمیشہ پریشان رکھتا ہے۔

بہت سے پیار۔ آؤ تمھارے سینہ پر سر ٹکا دوں اختر!

تمھاری صفو

بھوپال

۲۱ر دسمبر ۵۰ء

اختر عزیز

آج تمھارے خط کا انتظار ہے بشرطیکہ تم نے پیر کو کوئی خط پوسٹ کیا ہو۔ میرا خط تو ہر روز مل جاتا ہو گا تم کو آج کل۔

کل شام عسکری صاحب کے یہاں گئی تھی۔ مہدی[1] سے بڑی دیر تک گپ رہی۔ کیا فرق محسوس ہوتا ہے کالج والوں سے اور ان لوگوں سے ملنے میں مہدی نے آنے کو بھی کہا ہے۔ میں نے کہا ضرور آئیے لیکن بنگر سے مڈبھیڑ ہو جائے تو خود کو لکھنؤ کا عطر فروش بتا دیجیے گا۔

جادو کے نہ ہونے سے زندگی میں ایک عجیب خلا سا پیدا ہے سطح کو ہموار کرنے کی کوشش کرتی ہی رہتی ہوں، لیکن یہ کار آسان تو نہیں تعطیلات میں ضرور کچھ لکھوں گی۔ لیکن ایسی چیز جس میں تحقیقی مطالعہ درکار نہ ہو۔ بہر حال کچھ نہ کچھ لکھوں گی۔ وعدہ سمجھو۔

---

[1] محمد مہدی اڈیٹر "عوام" حیدرآباد دکن۔

تم جنوری میں آؤ گے کیا کیا خاطر داریاں سوچ رکھوں؟ ابھی سے اہتمام میں لگ جاؤں۔

اختر! تم مجھے ضرورتاً زیادہ خط لکھا کرو۔ میرا دل بہل سکتا ہے تو تمہاری پیار بھری باتوں سے۔ میرے لئے ہجر کی گرمی جادو کے نہ ہونے سے دو آتشہ بن چکی ہے۔ میری پیار سے خالی زندگی تمہارے خطوط سے جاگ جاتی ہے۔

تمہاری اپنی صفو

بھوپال

۲۲ر دسمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

خدا کرے تم بعافیت ہو۔

پرسوں تمہارا خط ملا۔ اور کتابوں کی فہرست بھی۔ کالج اسی دن بند ہو چکا تھا۔ اب کھلنے پر ہی کارروائی ممکن ہو گی۔

کل کتابوں کا پارسل ملا۔ کیسی زندگی کی لہر سی آگئی۔ یہ نئی نئی کتابیں پاکر۔ پھر تمہارے آٹو گراف! "پریم چند" کے آٹو گراف میں تو تم بھی بڑے ناصحانہ موڈ میں نظر آ رہے ہو دوست! "صبح ہوتی ہے" پر عنقریب لکھنا شروع کروں گی کل سے اسی انداز سے پڑھنی شروع کی ہے۔ اپنی ادبیت کے لحاظ سے یہ یادگار مشاعرہ کی یاد دلاتی ہے۔ اس کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ جلد ہی شروع کروں گی یہ مضمون۔ شاید یہی کام میرے جمود کو کم کر سکے۔ کل شام مہدی آئے تھے اتوار کو جانے کو کہہ رہے تھے۔ حلوہ میں نے تمہارے لئے کل ہی بنایا۔ شکر تمہارا لحاظ کرتے ہوئے ہلکی رکھی ہے۔ پسند ضرور کرنا ورنہ میری محنت رائگاں ہی جائیگی۔

لیموں کا اچار بھی بھیج رہی ہوں۔

لکھنؤ سے خط آیا ہے جاوید کو وہاں کسی مشہور و معروف طبیب کو دکھایا گیا ہے۔ خوش ہے اور بحال بھی۔ خدا کرے اس کی حرارت بھی جاتی رہے تو پندرہ جنوری کے بعد ہی بلالوں گی اُسے۔

تم اپنے آنے کے بارے میں ہر خط میں لکھتے رہو۔ میں مستقل سوچتی رہوں گی کہ تم آنے والے ہو۔ پھر میں کتنی خوش رہ سکوں گی اور مغرور

اچھا۔ اویس تمھیں ہر دم یاد کرتا ہے وہ غریب سدا میرے سُکھ دُکھ کا ساتھی رہا ہے۔ تم اس کی قدر کیا کرو۔ پیار لو۔

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۲۵ر دسمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

آج کی تاریخ سے کچھ یادیں وابستہ رکھتے ہو ساتھی؟ آج سات سال ہو رہے ہیں کہ ہمیں ایک دوسرے سے وابستہ کیا گیا تھا۔ اور ہم نے امیدوں اور اندیشوں کے ساتھ زندگی کا جوا اپنے شانوں پر سنبھال لیا تھا۔ اس سات سال میں زندگی کتنے کرطے، دلچسپ اور پُرخطر امتحانوں سے گزری اور ہماری باہمی شرکت کو زیادہ سے زیادہ ضروری بناتی گئی۔ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ بہی کھویا نہیں پایا ہے۔ آؤ اس سات سال کے بعد آج پھر اپنے عہد کی تجدید کریں کہ ہم کبھی کسی قیمت پر ایک دوسرے کی ابتری کا باعث نہیں بنیں گے۔ ہم زندگی کو سنوارنے اور اس کی سطح کو بلند کرنے کے لئے ہی اپنی کاوشوں کو صرف کریں گے۔ یہ ۱۹۵۱

معصوم محبت سے بھرے ہوئے نرم و نازک دل جو تھیں اور مجھے برابر کے اعتماد سے اپنا سمجھتے ہیں۔ ان کی محبت کا صلہ صرف یہی ہو سکتا ہے دوست کہ ہم ان کے لئے ایک روشن دنیا پیدا کر سکیں۔ آؤ۔ میں تمھارے گلے میں منبولی سے بانہیں ڈال کر تمھارے سینے میں اس طرح سر چھپا دوں جیسے درخت کے تنے پر بیل چڑھ جاتی ہے۔ تم میرا سہارا ہو۔ میری زندگی، میری جان۔

تم کب آؤ گے لکھو تو سہی۔ تمھاری "ستاروں کی صدا" پوری تراش خراش کے بعد حمیدیہ کالج کے اسٹیج پر ادا ہو رہی ہے۔ دیکھنا تو چاہو گے مگر آؤ گے نہیں۔

آج جادو کو بھی خط لکھوں گی۔ اچھا، پیار

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۲۸ر دسمبر ۱۹۵۰ء

اختر عزیز!

بہت سے پیار۔ کل بعد از صد انتظار تمھارا خط ملا۔ اگر خدانخواستہ نہ ملتا تو آج تک اور پریشانی رہتی۔ اکیس تاریخ کا لکھا ہوا خط ستائیس کو پہنچ سکا ہے۔ بمبئی تو میرے لئے انگلستان بن گئی ہے۔

"صبح ہوتی ہے" کا تفصیلی مطالعہ کر لیا ہے۔ تیس کو ڈرامہ ہو چکے۔ اکتیس اور اور پہلی کی چھٹی سکون سے گھر پر گزرے گی۔ اس وقت لکھ ڈالوں گی۔

عثمان رات چار دن کے بعد واپس آ گیا۔ یہ عرصہ بھی میں نے گھر پر ہی گزار لیا۔ گو کہ صبح و شام ڈاکٹر صاحب کے یہاں سے بلاوا آتا تھا کہ تنہا گھر پر مت رہو

نہ جانے کیا وفاداری مجھے اس ٹھکانے سے ہٹنے سے روکتی ہے۔ مجھے جو سکون اس آشیانے میں میسر آتا ہے وہ کسی غیر جگہ نہ مل سکے گا البتہ ادیس کے صبر و برداشت کی داد دو۔ صرف میرے بل بوتے پر اس نے یہ دن بھی کاٹ لیے۔

یہاں مہاوٹیں برس رہی تھیں۔ بلا کی سردی تھی۔ آج دھوپ نکل آئی ہے یہ تعطیلات تو یونہی گئیں۔ "صبح و شام ہی نہ ہوئی" کے مترادف۔

بار بار فرمائش کرنے پر بھی مختصر ہی خط لکھتے ہو دوست! نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمہارا خط پاکر کبھی طبیعت آسودہ نہیں ہوتی۔ جی چاہتا ہے تم بہت سی باتیں کرتے جاتے اور میں سنتی رہتی۔ اب تو تم ویسے ہی خاموش سے رہنے لگے ہو۔ کتنی میٹھی اور پیاری ہوا کرتی تھی تمہاری گفتگو۔ تم اپنی باتوں سے دن دن بھر اور رات رات بھر مجھے کسی جانب متوجہ ہونے کا موقع نہ دیتے تھے۔ آج کیا ہو گیا تمہیں؟ میرا ہر پیار اور ہر خیال تمہارے ہی لئے ہے آؤ مجھے چھپالو اپنے سے۔

تمہاری اپنی صفو

محبوب منزل
بھوپال
۱ر جنوری ۵۱ء

اختر عزیز!

بہت سے پیار۔ تمہارا ۲۴ کا لکھا ہوا خط مجھے جمعہ کو ہی مل گیا تھا مستقل مصروفیت نے جواب لکھنے کی مہلت نہ دی۔ بارے کالج کا سارا پروگرام بخیر و خوبی انجام پا گیا۔ تمہاری "ستاروں کی صدا" بہت مقبول ہوئی اس پوری پریشانی میں میری تسکین کا سامان یہی تھا۔

تم نے ایک آدھ بات ایسی لکھی ہے جس سے میں اتفاق نہیں کر سکتی۔ اختر تمھاری فطرت میں تھکاوٹ کا احساس آج تک مجھے نہیں ہوا۔ تمھاری ہر صلاحیت بھرپور طریقے پر آج بھی زندہ ہے۔ تم بے پناہ محبت اور شدید نفرت کر سکتے ہو۔ میں تمھاری محبت اور تمھاری نفرت دونوں سے ہمیشہ خائف رہی۔ یہ تمھاری کمزوری نہیں میری ہے اور سچ پوچھو تو یہ کمزوری بھی نہیں۔ میں بہ جانے کی قائل نہیں رہی۔ میں نے تمھارے قدم بھی ہمیشہ زمین پر ٹکانے چاہے ہیں۔ اسے اگر تم یہ سمجھو کہ تمھیں میرے دل کی وہ محبت نہیں مل سکی جو تم چاہتے تھے تو میں یہ بات نہ مانوں گی اختر۔ تم چاہ سکتے ہو اور دیوانہ وار چاہ سکتے ہو۔ میری چاہت دیوانی ہو کر بھی حقیقتوں سے چشم پوشی نہیں کرتی۔ محبت کے اس امتزاج کے سہارے ہی ہم یہاں تک پہونچے ہیں جہاں ہم ایک دوسرے کے بغیر نامکمل اور بے معنی رہ جاتے ہیں دوست۔ مجھے تو تم سے وہ ملا جو دنیا میں کہیں سے مل سکتا تھا۔ زندگی کے عظیم الشان تجربے۔ سماج کی عزت "بچے"۔ گھر۔ کردار۔ شخصیت سبھی کچھ تو میں نے تم سے پایا پھر بھی تم ایسا سوچ کر دل دکھاتے ہو کہ تم مجھے بہت کچھ دے نہ سکے۔ زندگی کے حالات الجھے ہوئے ہیں دوست آؤ ایک دوسرے پر اعتماد بڑھائیں۔ تم میرے سامنے سرخرو اور سربلند ہو کر آؤ۔ تم نے مجھے ایک انوکھی اور نویلی زندگی دی ہے۔ جو تمھارے بغیر میں نہیں پا سکتی تھی۔ ایک شاعر کی بیوی ہونا کوئی معمولی مرتبہ نہیں اختر! میں اکثر سوچتی ہوں کہ اگر احساس کی یہ لطافتیں میرے حصے کی نہ ہوتیں تو زندگی کتنی بے کیف ہوتی اور مکدر۔

اختر! تم میرے Prosaic پن سے گھبراؤ نہیں گو کہ یہ کمی مجھ میں ہے

لیکن یہ غنیمت ہی ہے ورنہ ہم ضرور ہی حقیقتوں سے بھٹک جاتے اور حقیقتوں سے بچکر کہاں جاسکتے تھے دوست! وہ ہمارا پیچھا ضرور کرتیں۔ میرے دل کی گرمی، میرے سینے کا گداز، میرے ذہن کی روشنی۔ میری کلائی کی مضبوطی یہ سب کچھ تمھاری زندگی کے راستے میں صرف ہوں گی۔ تمھاری زندگی کے لئے یہی کچھ ہے میرے پاس اور پوری وفاداری کے ساتھ ہے یہ سب کچھ ——

تم اس احساس کو مٹا ڈالو اختر کہ آج تک تمھاری طرف سے کوئی کمی میرے ساتھ رہی ہے۔ اگر تمھیں میرے لئے یا مجھے تمھارے لئے کوئی قربانی دینی پڑی ہوگی تو اس کی ذمہ داری تو ان حالات پر ہے جس میں ہم گھرے ہوئے ہیں۔ آج میں تم سے دور ہوں۔ تنہا ہوں تو کیا تم کسی طرح بھی مجھ سے بہتر حالت میں ہو؟ کیا تم میری خاطر سختیاں نہیں جھیل رہے؟ یہ قربانیاں رائگاں نہ جائیں گی۔ آؤ یہ نیا سال اس طرح شروع کرو کہ مجھ پر اعتماد پیدا کرو اور خود پر بھی۔ تمھارا حوصلہ دگنا ہو جائیگا۔ تمھاری محبت کے لازوال سر چشمے ابل پڑیں گے۔ تم جاگ جاؤ گے۔ اور میرا سال!

"اسی کے نام ہے جس کی محبت میری دنیا ہے"

پیار لو۔

تمھاری صفو

بھوپال

۵ جنوری ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر!

کل تمھارا خط ملا۔ یہ کمبخت ڈاک والے بھی کیا قیامت کرتے ہیں کہ پانچ

دن سے پہلے تمہاری تحریر مجھ تک نہیں پہونچتے۔ بہرحال۔ "اُیں ہم اندر عاشقی۔" تم "ساز" کے گانوں کے چکر میں کب مبتلا رہو گے۔ مجھے تو جنوری کا مہینہ بھی جاتا نظر آتا ہے۔ پھر کیا فروری تک میرے پاس آسکو گے؟ مجھے تو ہر وقت تمہارے قدموں کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔ انتظار بھی کیسا سحر آفریں ہوتا ہے۔ گھر کی سونی سنسان زندگی میں یہی آس میری زندگی کا سہارا ہے۔ ہفتہ میں ایک خط بیا دو کی خیریت کا آجاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دو خط تمہارے بس۔ گھر کی وہ جیتی جاگتی فضا کہاں، جو جادو کے دم سے تھی۔ خدا اسے تندرستی دے۔ میں اس کی بھلائی کے لئے یہ ہجر کی گھڑیاں بھی کاٹ لوں گی۔ تمہارا جانشین، تمہارا ہم شبیہ اور تمہارا رقیب اگر ہے تو جادو ہے۔

تم نے پوچھا ہے کہ میں تمہارے نام کے ساتھ "عزیز" کیوں لکھتی ہوں تو اختر، اس لفظ نے تو میرے احساس کی استواری کا پتہ دیا ہے۔ تم مجھے ہر حال میں، ہر موقع پر "عزیز" رہے ہو اس سے انکار نہ کر سکو گے۔ اچھا اب میں تمہیں "میرے اپنے اختر" سے مخاطب کیا کروں گی۔ البتہ اس شرط پر کہ میرے اس احساس کو کبھی مجروح نہ کرنا۔ اکثر برہمی کے موقع پر جب تم "تمہارا" حذف کرکے محض "اختر" لکھ جاتے ہو تو بس یقین کرو کہ میری جان آدھی تو ہو ہی جاتی ہے سچ پوچھو تو شرط تو تم سے رکھی ہی نہیں جا سکتی۔ شرط میں نے لگائی بھی تو وہی "ورنہ" والا لطیفہ دہرانا پڑے گا۔ وہ اور ہی ہوتے ہیں جو اپنی خوئے وفا سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ کہیں عاشقی بندگی نہ ہو جائے۔" یہاں تو عاشقی و بندگی کے امتیازات ہی قائم نہیں ہو سکتے۔ میں تو ہوں ہی تمہاری اور تم بھی مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گے آج امتحان کے کمرے میں بیٹھ کر یہ خط تمہیں لکھ رہی ہوں لڑکیاں پرچے کر رہی ہیں اور میں ان کی نگرانی پر تعینات ہوں۔ تھوڑی دیر بعد

نوشہ صاحب آن کر دریافت حال کر جاتے ہیں۔

اچھا ہی ہوا تم نے اختر سعید کے کمرے میں شرکت نہ کی ورنہ آج تنہا تم پر ہی پورے کمرے کی ذمہ داری آجاتی۔ اختر سعید غالباً بھوپال ہی میں ہوں گے۔ انھوں نے یہ بھی زحمت نہ کی کہ تمھاری خیریت زبانی سنا جاتے۔ خیر!

ادھر بھوپال میں بلا کی سردی پڑ گئی تھی۔ اب موسم قدرے ٹھکانے پر آرہا ہے۔ گرانی یہاں کی بمبئی سے ٹکر کھا رہی ہے۔ سوتی کپڑا بازار سے قطعی غائب ہے۔ ریشمین کپڑا اٹا پڑا ہے۔ لیکن وہ ہماری ضرورت تو پوری نہیں کرتا۔

ہفتہ میں تین خط تو بھیجا کرو اختر! اب تو تمھارے خطوں کے دن بندھ ٹکے ہوگئے ہیں۔ ایک جمعرات کو ملتا ہے اور دوسرا، اگر خوش نصیبی شامل حال ہوئی تو سنیچر کو ورنہ پھر دوسری جمعرات تک بات گئی۔ آنے کے بارے میں لکھو میں تمھارے لئے گھر سجا کر رکھوں گی، ویسے تو گھر تمھارے آنے ہی سے سج جائے گا۔ تم بن میری زندگی کیسی روکھی اور راہبانہ بن جاتی ہے۔ میرا ہنسنے کو بھی تو دل نہیں چاہتا۔ آؤ اپنی مسکراہٹ کا پرتو ڈالنے کو تو آجاؤ

تمھاری صفیہ

بھوپال

۰، جنوری ۱۹۵۱ء

میرے اختر!

کس مصروفیت نے تمھیں مجھ سے چھین رکھا ہے؟ خط لکھو، اپنی مصروفیت کے بارے میں لکھو اور اپنے عزائم کے بارے میں بھی۔

میرے پیار دن کی گرمی سے گھبرا نہ جاؤ دوست! تمھاری صفیہ

بھوپال
۱۰ر جنوری ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر!

بہت سے پیار۔ آج بہت انتظار کے بعد تمھارے دو خط اکٹھے ملے۔ میں آج کالج نہ جا سکی، دو تین شاموں سے طبیعت سست ہو جاتی ہے۔ غالباً نزلہ وغیرہ کا اثر ہو گا جاتا رہے گا۔

کرشن کی "صبح ہوتی ہے" پر بہت کچھ منتشر پارے لکھ ڈالے ہیں اب ان میں ربط و تنظیم پیدا کرنے کی کوشش کروں گی۔ پھر تمھیں بھیجوں گی۔

کالج میں تیرہ کو مشاعرہ ہو رہا ہے۔ زیرِ اہتمام ڈاکٹر گیان چند صاحب شرکت بطور فرض ضروری ہو گی۔ تم کس درجہ یاد آؤ گے۔ سوچو تو بھی، طبیعت کی تھوڑی سی ناسازی میں زیادہ رومانٹک پن طاری ہو جایا کرتا ہے اور رنگین یادیں ابھرنے لگتی ہیں۔ چنانچہ آج کل تصور مستقل تمھیں میرے وجود سے بہت قریب لا دیا کرتا ہے۔ مگر تصور پرستی ہی تو زندگی نہیں دوست! پرسوں تم سے رخصت ہوئے دو مہینے ہوں گے۔ معلوم ہوتا ہے دو برس ہو گئے۔ ڈاکٹر سلطان صاحب کے گھر والوں کی ہمدردی اور ان کی نگرانی سے مجھے بہت تسکین رہتی ہے۔ آج کل بیچاری خالہ جان دن میں دو تین بار بچوں کو دریافت خیریت کے لئے بھیجتی ہیں۔ ادریس بھی ان کے گھر جا کر بہل جاتا ہے۔ بقیہ کسی سے ملنا رسم و راہ کی صورت نہیں ہے۔

اور کیا لکھتی چلی جاؤں؟ تم فضول بکواس سے بعض وقت گھبرا جایا کرتے ہو۔ مگر یہاں گپ کا موقع کسی سے نکلتا ہی نہیں۔ بس کبھی کبھی دو چار منٹ کی گفتگو نوشہ صاحب سے کالج میں ہو جایا کرتی ہے۔ جس سے جی خوش ہو جاتا

کرتا ہے۔

جعفری اور سلطانہ کے کیا مشاغل ہیں؟ عصمت آپا اپنے نئے مکان میں منتقل ہو گئی ہوں گی۔ ان کی ریاست کو مزید فروغ ہوا یا نہیں؟ ایس۔ ایم۔ نواب کے مزاج عالی کا کیا عالم ہے؟ "مہوشوں" کے لئے اب بھی معتوری سیکھتے ہیں یا نہیں؟ خلیل صاحب کی وضعداری میں فرق آنا غالباً ممکن ہی نہیں رہا۔ ادیس اور احسان کا کیا رنگ ڈھنگ ہے؟ رفیق سے کہو کہ بھوپال ضرور آئیں مجھے ابھی سے انتظار ہے۔

انجمن کس ڈھنگ سے چل رہی ہے؟

روشنائی خطرناک حد تک خراب ہے۔ تم کڑھو گے۔ پچھلے مہینہ جاوید کو لکھنؤ پہنچانے کے سلسلہ میں ساٹھ ستر اٹھ گئے ورنہ قلم خرید ہی لیتی۔

یہاں موسم کا انداز بدل چکا ہے۔ شامیں گرمیوں کی سی اُداس ہونے لگی ہیں۔ فضا میں گرمی کی آہٹ محسوس ہوتی ہے۔ کل تو پھر کالج جانا ہی ہو گا۔ گو کہ آج کل پڑھانے کا موڈ بالکل پیدا نہیں ہوتا۔ فروری تک کلاس کا سلسلہ ہے پھر تو مارچ سے امتحانات کا چکر چلے گا۔

اب بہت سی باتیں ہو چکیں۔ بے سر پیر کی باتیں۔ اختر تم ہفتہ میں دو خط تو لکھ ہی ڈالا کرو۔ آج کل بمبئی سے پانچ دن کے بعد خط یہاں پہنچنے لگا ہے۔ اس قومی حکومت میں، ڈاک کی خوش انتظامی کا بھلا ہو۔

آؤ پیار تو کر لیں ایک دوسرے کو۔

تمہاری اپنی

صفیہ

بھوپال

۱۲ر جنوری ۱۹۵۱ء

میرے اختر!

خوش رہو۔ کل تمھارا خط مل گیا تھا۔ میری طبیعت حسب توقع اب بہتر ہے۔ یہاں آج کل انفلوئنزا کا زور ہی بہت ہے۔ ہر طرف لوگ مبتلا نظر آتے ہیں۔

آج کالج میں کوئی انعامی مباحثہ ہو رہا ہے۔ جس کے سلسلہ میں شام کو حاضری لازمی ہے۔ کل مشاعرہ ہے۔ بیس کو کانووکیشن۔ غرضکہ یہ ہنگامے بھی عجیب ہوا کرتے ہیں۔ مجھے نہ جانے کیوں ان تمام باتوں میں ایک انچ بھی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی۔ عجیب طفلانہ ذہنیتیں کام کرتی ہیں۔ ان تقریبوں کے پیچھے۔

اس مرتبہ "نقوش" کا سالنامہ مجھ تک پہونچ گیا۔ عجب خلط ملط قسم کا رسالہ بن چکا ہے۔ دراصل سلطنت خداداد پاکستان کا اقتدار نقوش کی پالیسی کو خریدنے میں کوئی دشواری نہ محسوس کرتا ہوگا۔ ہاں پاکستان کا نشر شدہ مشاعرہ بھی سنا؟ میں نے تو خبریں ہی سنی ہیں۔ اسرار[1] بھائی بھی پہونچ گئے۔ سنا ہے کہ خمار[2] اور شکیل[3] خوب جمے۔ خصوصاً ان دونوں میں سے کسی کا یہ شعر کہ محبوب کی مست نگاہی آدمی تو کیا فرشتے کو بھی دیوانہ بنا سکتی ہے۔" اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہ آدمی اور فرشتے کی تقسیم ہندوستان اور پاکستان کے لحاظ سے کی گئی ہوگی واقعی اس ادبی ذوق پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔

تمھارے گیتوں کی رفتار کیا ہے؟ نواب صاحب کی اس تساہل پسندی سے ایک تصویر کی تیاری میں تین سال تو ضرور لگتے نظر آتے ہیں۔ نجم[4] کی

۱۔ اسرار الحق مجاز ۲۔ خمار بارہ بنکوی ۳۔ شکیل بدایونی ۴۔ ڈاکٹر نجم نقوی

تصویر شروع ہوئی یا نہیں۔ عصمت آپا تو اب دوسرا نشانہ تاک رہی ہوں گی۔
احسان کی حالت سے ہمدردی ہے۔ ان سے کہو غم نہ کریں۔ اب اٹھتے ہی ملازمت تلاش کریں گے۔ اویس تو رئیس بن گئے ہوں گے! میری طرف سے احسان سے کہو کہ تمھارے کرتوں کے لئے کپڑا ضرور خرید دیں اور پیسے تم سے وصول کرلیں۔ یہاں کپڑا قطعی نایاب ہے۔

اچھا کالج جانا ہے —— پیار لو۔

تمھاری صفو

بھوپال
۱۵ر جنوری ۵۱ء

اختر میرے!

پچھلے ہفتے تین خط ملے۔ اور سنیچر کو منی آرڈر بھی وصول ہوا۔ تم نے تو پوری تنخواہ مجھے ہی بھیج دی۔ تمہیں شاید تنگی میں بسر کرنے میں مزا آنے لگا ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی دوست! گھر سے دور رہ کر ویسے ہی کون سی آسائش تمھارے حصہ کی رہ جاتی ہے۔ جو محنت کر کے جیب بھی خالی رہے۔ خیر میرے پاس وہ پیسے بھی جو تم نے بمبئی سے روانگی کے وقت دیئے تھے، جمع ہیں اور یہ بھی۔ اب میں تم سے الگ رہ کر پیسے کی خاصی حفاظت کرنی سیکھ گئی ہوں۔

پرسوں کالج میں مشاعرہ تھا۔ اختر سعید اور تاج بھی آئے تھے ملاقات ہوئی تھی۔ تاج نے گھر پر آنے کو بھی کہا تھا۔ شاید بمبئی کی واپسی کا قصد رکھتے ہیں۔ بن پڑا تو کچھ ان کی معرفت بھیج دوں گی۔ دیکھو۔

کل شہاب کی ماں ان کی بیوی اور نوشہ صاحب کی بیوی آگئی تھیں۔

آج تنہائی ہے۔ اویس کو نزلہ ہو رہا ہے۔ اِس کی تیمار داری میں لگی ہوں۔ اس لئے ابھی تم کو خط لکھوا رہا ہے۔

اچھا اختر! اب کب تمھاری مُسکراہٹ کی دمک میرے چہرے پر نظر آسکے گی؟ بعض لمحوں میں تو اپنی باہیں تمھارے گرد حلقہ کر کے تم سے اس طرح جمٹ جانے کی خواہش ہوتی ہے کہ چاہو بھی تو مجھے چھڑا نہ سکو۔ تمھاری ایک نگاہ میری زندگی میں اجالا کر دیتی ہے۔ سوچو تو کتنی تاریک اور بدحال تھی میری زندگی۔ جب تم نے اسے سنبھالا۔ کتنی بنجر اور کیسی بے معنی اور تلخ تھی میری زندگی، جب تم میری دنیا میں داخل ہوئے۔ آج مجھے ان گزرے ہوئے دلوں پر غم ہوتا ہے جو ہم دونوں نے علی گڑھ میں ایک دوسرے کی شرکت سے محروم رہ کر گزار دیئے اختر اگر مجھے آئندہ کی باتیں معلوم ہو سکتیں تو میں سچ جانو تمھیں اسی زمانے میں بہت چاہتی۔ کوئی کشش تو شروع سے مجھے تمھاری جانب کھینچتی تھی اور کوئی گھلاوٹ خود بخود میرے دل میں پیدا تھی مگر بتانے والا کون تھا کہ یہ سب کیوں؟

آؤ میں تمھارے سینے پر سر رکھ کر پوری دنیا کو معزور نظروں سے دیکھ سکوں گی۔

تمھاری اپنی صفّو

بھوپال

۱۶ر جنوری ۱۹۵۱ء

جان عزیز!

خط ملا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے میں بھوپال میں نہیں تمھارے ہی ساتھ ہوں۔ شکر ہے کہ اب تمھارا موڈ نارمل ہے۔ تم نے آنے کے بارے میں ایشیائی

محبوبوں والا طرز اختیار کر رکھا ہے۔ لیکن اگر میرا شوق زور آزما ہو گیا تو تم کھنچ کر آ ہی جاؤ گے۔ فی الحال تو تسلیم کی خو ہی مناسب نظر آتی ہے۔

دراصل مصلحت اسی میں ہے کہ گیتوں کے چکّر سے پوری فراغت حاصل کر کے آؤ۔ اس طرح ذہنی سکون بھی مل سکے گا اور فرصت بھی۔ میں جب تک کسی طرح جی ہی لوں گی۔

یہاں مشاعرہ ہوا نہایت گھٹیا قسم کا یعنی معیاری حد تک گھٹیا، سوچو کوئی وحشت جھانسوی، اور کوئی قیتل باندوی تھے، یہ اصحاب بہت چمکے! ڈاکٹر جین کے زیر سایہ ادب کی پرورش اسی طرح ممکن ہے۔ کل کوی سمّلن تھا۔ جس میں کوی بھوانی پرشاد آئے ہوئے تھے۔ جن کے اترانے کی حد ہی نہ تھی اپنے کو دنیا کے چوٹی کے ادیبوں میں شمار کرتے ہوں گے یہ Social Gathering والا ہفتہ تھا۔ اب ہیں کو تو وکیشن پر تان ٹوٹے گی۔

اختر! مجھے تمھارا سہارا مضبوطی اور طاقت دیتا ہے۔ میں کبھی تنہا نہیں رہتی۔ مجھ میں دگنی زندگی اور دُہری لگن کام کرتی رہتی ہے میں تمھاری محبت کے اعتماد پہ ہر سختی کا مقابلہ کر سکوں گی اور ویسے دیکھو تو مجھے کوئی تکلیف بھی نہیں ہے۔ البتہ تمھارے دُکھ سے دُکھ رہتا ہے۔ خدا جانے آج کل تمھاری تندرستی کیسی ہے؟ کھانے پینے کی طرف سے تم حد درجہ بے نیاز ہو۔ تمھیں کپڑوں کی بھی کمی ہو گی۔ رات میں نے خواب میں تمھارے کپڑوں کا صندوق بالکل خالی دیکھا۔ دیکھو میں اس کی فکر کروں گی۔ البتہ تم کرتوں کا کپڑا خرید سکو تو خرید لو۔

اچھا اب کالج جاؤں گی۔ بہت سے پیار قبول کرو۔

تمھاری صفو

بھوپال
۸ ارجنوری ۱۹۵۱ء

دوست بہت سے پیار

خط ملا، شکر ہے تم اچھی طرح ہو۔ آج تو تمھاری یاد بے طرح آئی۔ اور بس جی گھبرانے سا لگا۔ یہ وحشت کبھی کبھی طاری ہوتی ہے اور اپنی بے بسی پر ترس سا آنا شروع ہوتا ہے۔ تم سے دور تمھاری محبت بھری نظروں کو ترستی رہتی ہوں جانتے ہو میری نظر تمھیں کن قدروں سے دیکھتی ہے اختر! اے دولتِ بیدار من؟ والا احساس تازہ ہو جاتا ہے۔ تمھاری قیمت کوئی مجھ سے پوچھے۔

کل شام شملہ والیوں نے مجھے ٹیلیفون کر کے بلالیا تھا۔ بیگم[1] علی گڑھ جا رہی ہیں۔ میاں بمبئی تشریف لے جا رہے ہیں۔ سلمیٰ اس عرصہ میں بہت ترقی پسند ہو گئی ہے یعنی دراصل کمیونزم سے واقفیت اور اشتراکی شعور پیدا کرنے میں الوز[2] نے علی گڑھ میں کچھ نہ کچھ کیا ہے۔ سلمیٰ صورت میں تو اچھی تھی ہی اب خیالات میں بہت سنور گئی ہے۔ بیباکی، سادگی اور معصومیت کا وہی اگلا سا عالم ہے۔

اختر! اب تو گھڑیاں پہاڑ بن گئی ہیں۔ اگلے مہینے کی تاریخ مقرر کر کے مجھے لکھو، کب آؤ گے۔ تاکہ دن گن گن کر کاٹنے میں تسکین محسوس ہو سکے۔ اکثر گھنٹوں مکان میں مجھے بالکل تنہا وقت گزارنا پڑتا ہے۔ چندا اسکول ہوتی ہے۔ عثمان کو بھی فرصت چاہیئے۔ ادریس غریب سنگر کے بچوں کے ساتھ وقت گزاری کرتا ہے۔ بس میں ہوتی ہوں اور تمھاری یاد۔ کیسا ستم ہے، تم مجھے اور میں تمھیں پالینے کو

---

[1] بیگم رشید الظفر [2] بیگم مجیبا۔

بے چین رہیں اور دوری حائل رہے۔ میری شخصیت تم سے الگ ہو کر مجھے نامکمل اور تشنہ نظر آتی ہے۔ ایک عجیب رہبانیت طاری ہو جاتی ہے مجھ پر۔

اب رات کے دس بج رہے ہیں۔ اویس سوگیا ہے۔ اسی کے پاس بیٹھ کر یہ خط لکھ رہی ہوں۔ آجکل اسے بھی نزلہ ہو رہا ہے اس کی بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے آجکل وہ غریب تم کو ہر لمحہ یاد کرتا ہے اور تمھارے آنے کی خبر سن کر خوش ہو جاتا ہے

مجھے زندگی میں دو ہستیاں دیوانے پن کی حد تک پیاری ہیں۔ تم اور جادو۔ اور میرا ساتھ دونوں نہیں دیتے۔ یہ میری کم نصیبی ہے۔ اور اگر سمجھ داری سے غور کرتی ہوں تو میں کیا ایک دنیا کم نصیب نظر آتی ہے۔ اس کم نصیبی کو مٹا کر ہی دم لینا ہو گا۔ آج ندیم، میں مجروح سلطانپوری کے مقدمہ کی روئداد پڑھی۔ اس خیال سے خوش ہوتی کہ چلو مجروح کو ان اخباروں نے اہمیت تو دی۔ مگر سچ جانو کہ مجروح کا تذکرہ سلطانہ ڈاکو کے تذکرے سے اس درجہ ملتا تھا کہ مجھے خود اس غریب کے قاتل ہونے کا گمان ہونے لگا۔

کل گاجر کا حلوہ اس اُمید پر بناؤں گی کہ تاج اپنے ہمراہ بمبئی لے جائیگا اور کیا لکھوں۔ ہاں شہاب نے مشاعرہ کے لئے ایک نہایت ہی رنگین نظم فرمائی تھی۔ کالج کی لڑکیاں ان کی اس نظم پر سخت ناراض ہیں۔ اور انھوں نے تحریری شکایت مجھ سے کی ہے۔ شہاب کی کمزوری ارزاں مقبولیت ہے۔ دیکھو یہ اُسے کہاں لے جاتی ہے۔؟

لکھنؤ سے خط کا انتظار ہے۔ بچے کی خیریت میں دل لگا ہوا ہے۔ خط لکھو، طویل اور مفصل۔ میرے ہزاروں پیار لو۔

تمھاری صفو۔

بھوپال

۲۱ رجنوری ۱۹۵۱ء

ساتھی!

تمہارا خط ملا۔ اب تو تم لمبے خط لکھنے لگے ہو مگر پیار کی باتوں میں تلخی شامل نہ کرلیا کرو۔ تم جانتے ہو میں اپنی خواہش، اپنی پسند اور اپنے ارادے سے تم سے منسوب ہوئی۔ میری ایک "نہیں" بھی اس سلسلے کو ختم کرسکتی تھی۔ پھر تمہاری ہچکچاہٹ اور تمہارے تذبذب پر تمہارے قدم میں استقلال پیدا کرنے میں میرا حصہ رہا۔ اگر میں اپنے شوق فضول و جرأت رندانہ کو استعمال کرکے تمہیں خط لکھنے میں خود اقدام نہ کرتی تو نہ جانے ہماری زندگیاں آج کہاں بھٹک رہی ہوتیں۔ تم سے وابستہ ہوئے آج سات سال سے زیادہ ہو چکے۔ ان سات سالوں میں جس قدر خوشگوار سمجھوتہ ہم دونوں کے درمیان رہا ہے اس کی مثال ازدواجی زندگی میں مشکل سے ملے گی۔ میرے سامنے راستہ واضح تھا۔ مجھے ہر حال میں تمہارے ساتھ ہی رہنا تھا۔ لیکن تم نے بھی اپنی کشمکشوں اور الجھنوں کے باوجود مجھے کسی قدم پر اپنے سے علیحدہ نہ سمجھا۔ تم نے اکثر اپنے دل و دماغ کا خون کرلیا لیکن میری پاسداری میں کوئی فرق نہ لائے۔ تم نے میرا ساتھ چاہا اور میں نے تمہارا ساتھ دیا۔ اس رفاقت میں جتنا تم نے مجھ سے پایا۔ اس سے غالباً کچھ زیادہ ہی میں نے تم سے حاصل کرلیا دوست! یہ چمکتے ہوئے معصوم چہرے یہ غیر معمولی ذہانت اور ملائم دل رکھنے والے بچے، میری مامتا تمہارے اس عطیہ کو میری زندگی کی ہر سانس میں ایک لہر اور ایک البیلی اُمنگ سے خوش آمدید کہتی ہے۔ میں جاوداور اویس کی نگاہوں میں تمہارا پرتو دیکھ کر، جو عزور محسوس کرتی ہوں وہ مجھے تمہارے قدموں پر جھکا دینے کو کافی ہے۔

اختر! تم نے زندگی میں سکھ کم اور دُکھ زیادہ جھیلے ہیں۔ وہ آسودگی جو اعتماد اور سکون پروری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ تمھارے حصے میں کم رہی ہے۔ میں اگر تمھیں اس قسم کا ذہنی سکون پہونچا سکوں جس میں خون کی کھولن، اعصاب کی تڑپ اور ذہن کا ہیجان نہ شامل ہو تو میں سمجھوں گی کہ میری زندگی سپھل ہو گئی اس عرصے میں ایک آدھ بار میں نے تمھیں ضرور اپنی طرف سے پریشانیاں دی ہوں گی۔ مگر کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں ان پر نادم نہ ہوئی ہوں۔ تم ایک لمحہ کے لیئے بھی اپنے ذہن میں اس خیال کو جگہ مت دو کہ میری زندگی تم سے علحدہ ہو کر کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ اپنی کٹھن راہوں اور پریشان کن مرحلوں میں تم مجھے ساتھ رکھو، اور تم مجھے مسکراتا ہوا پاؤ گے۔ البتہ ساتھی! میں سمجھوں گی کہ میری زندگی بے مقصد ہو چکی۔ جب تم کو میری ضرورت باقی نہ رہے گی۔ میں اس دن کو دیکھنے سے پہلے مرنا بہتر سمجھتی ہوں۔

خود پر اعتماد پیدا کرو، مجھ پر اعتماد پیدا کرو اور تمھیں زندگی پر خود بخود اعتماد پیدا ہو جائے گا۔ اور فتح تمھاری ہوگی۔ اختر! اپنے کو غمناک مت کر لیا کرو۔ زندگی ایک ہی بار ملتی ہے آؤ مل کر اس سے۔ جو کچھ بھی نچوڑ سکتے ہیں نچوڑ لیں اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لیئے۔

ہاں آج اکیس ہے۔ اب تم بیس فروری کی آمد کا پروگرام رکھو۔ میں یہ مہینہ تمھارے انتظار میں گزار لوں گی۔ ہر صبح کا ہی خوشی کے ساتھ جاگوں گی کہ تمھاری آمد کا وقت قریب تو آ گیا ہے۔ ادیس غریب ہر صبح شام پوچھتا ہے کہ ابی کب آئیں گے۔ کہیں میں نے کہہ دیا کہ فروری میں آئیں گے۔ بولا کیا فر فر اڑتے ہوئے آئیں گے؟ اس لئے فروری میں آ رہے ہیں؟ یہ شاعری اس نے کہاں سے حصے میں پائی؟ تم ہی بتاؤ۔؟

کل یہاں کانووکیشن تھی۔ وائس چانسلر کا لنچ تھا۔ رجسٹرار آگرہ یونی ورسٹی تمھارے بڑے واقف کاروں میں نکلے تمھیں گوالیار سے جانتے ہیں۔ تمھارے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ آج صبح وائس چانسلر کے ساتھ گروپ اترنا تھا۔ جانا ہی پڑا۔ یہ ساری باتیں تمھاری قائم مقامی کا صلہ ہیں۔

"کیا کیا مری ہستی پہ سوادے کے گئے ہیں"

آج کل ہر شام کو مجھے حرارتی کیفیت سی ہو جاتی ہے۔ تمام جسم میں آگ سی پھنک جاتی ہے۔ گو کہ ٹمپریچر کوئی خاص نہیں ہوتا۔ سوزِ ہجر، شاید اسی کا نام ہو۔ دو چار دن اور دیکھتی ہوں پھر کسی حکیم کو دکھاؤں گی۔ ڈاکٹروں کا علاج تو فضول ہی ہے۔ جادو کے تلخ تجربے کے بعد ہمت نہیں ہوتی۔

اپنے تمام دوستوں کو میرا او جب یہ ہو بچاؤ۔ سوچتی ہوں ایک خط سلطانہ کو لکھوں، وہی والکینسور روڈ کا پتہ چلے گا یا نہیں۔

شہاب کی بیوی ان کی ماں کے ہمراہ واپس گئیں۔ بیوی کو مرعوب کرنے کے لئے رات کے بارہ بارہ بجے تک محفل موسیقی گرم رہتی تھی۔ سنا ہے شہر کے تمام طبلچی اور سازندے اکٹھے ہو جاتے تھے۔ بیوی غریب بغلی کمرے میں گھٹی پڑی رہتی تھی۔ میاں شہاب سمجھے اس طرح رعب پڑے گا۔ اب وہ ساس کے ہمراہ چلی گئی۔ تو شہاب میاں تنہا ہیں اور غم میں مبتلا ہیں کہ اس ناج اور گھی وغیرہ کا کیا حشر ہوگا جو انھوں نے اکٹھا کیا ہے۔

اور کیا لکھوں۔ بہت سی باتیں کریں تم سے، تمھاری رضائی کے لئے بڑا پیارا سا کپڑا خرید کر رکھا ہے۔ پرانی رضائی تو بے کار ہو چلی ہوگی۔ ساتھ لیتے آنا۔ دوسری سلوا کر دوں گی۔ دو کرتوں کا کپڑا مل جانے کی اُمید

بھی پڑی ہے دیکھو۔

اچھا بہت سے پیار

تمہاری صفو

بھوپال

۲۶ر جنوری ۵۱ء

اختر میرے!

تمہارا خط ملا۔ اس طرف میں نے خط لکھنے میں تاخیر کی، وہ مضمون لکھتی رہی جس کا تم سے وعدہ تھا۔ غنیمت ہے کہ اب تو کسی حد تک پہونچ گیا ہے۔

اس طرف جادو کا کوئی خط نہیں آیا۔ رات کے بیچ میں جب آنکھ کھل جاتی ہے تو اس کی یاد آجاتی ہے۔ اور دل بڑی مشکل سے قابو میں آتا ہے۔

تمہاری آمد کے لئے کیا کیا پروگرام سوچتی رہتی ہوں۔ پھر سوچتی ہوں کہ لوگ دفعتہً میری حالت کی اس زبردستی تبدیلی پر ہنسیں گے اور مجھے اس خیال سے شرم سی آجاتی ہے۔ تمہارے لئے دل بھر کے سنگار بھی ممکن نہیں:

"من کی موج، جگ کی لاج دونوں کو نبھانا"

اب جیسے بن پڑے فروری میں ضرور آجاؤ۔ میری تنہا زندگی فریاد کرتی ہے۔ پیار لو۔

تمہاری ترسی ہوئی

صفیہ

بھوپال
۲۹ر جنوری ۵۱ء

اختر میرے،

ہزاروں پیار تمہارا خط جمعہ ہی کو مل گیا تھا۔ شکر ہے کہ تم اچھی طرح ہو۔

کرشن کی "صبح ہوتی ہے" پر تبصرہ لکھ ڈالا ہے۔ طویل زیادہ ہوگیا ہے اور اقتباسات کی بھرمار ہے لیکن اقتباسات کے بغیر گفتگو میں رنگ نہ پیدا ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ کوئی ناول تو ہے نہیں جس پر اصولی بحث ہو سکے۔ بہر حال مرتے گرتے کچھ لکھ سکی ہوں، ورنہ مجھے لکھنے کی مشق ہی نہیں ہے۔ "پریم چند"[1] پر بھی تمہارے آنے سے پیشتر لکھ ڈالوں گی۔ اس کتاب کے بخیے ادھیڑنے تو بہت آسان ہیں۔

پرسوں دلو میاں آنکلے تھے۔ مجھے تو ایسے موقعوں پر "بوئے کسے داری" کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ان کی خاطر تواضع کر دی تھی۔

اویس تم کو ہر لحظہ یاد کرتا ہے اور تمہاری آمد کا بے چینی سے منتظر ہے۔ اس کے لئے اس مرتبہ کچھ ضرور لانا۔ ورنہ اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔

جادو کی خیریت معلوم ہوئی — اچھا ہے اور خوش۔ میں نے اُسے جنوری کے شروع میں روپئے بھیج دیئے تھے۔ اس کے علاج وغیرہ کا بار کیوں دوسروں پر پڑے۔

یہاں موسم پلٹا کھا رہا ہے۔ جیسے ہر شئے کی توقع اس کے حصول سے زیادہ خوبصورت ہوا کرتی ہے اسی طرح گرمی کی آمد کا احساس گرمیوں سے

---

[1] پریم چند از ہنس راج رہبر

ہیں زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ اب بسنت منے گا اور پھر ہولی آئے گی۔ میں نے بسنتی دوپٹہ کل رنگ کر رکھا ہے۔ اسی انتظار میں کہ تم آؤ گے تو اوڑھ لونگی۔

یاد کرو دسمبر میں ہماری شادی ہوئی اور ہماری ابتدائی محبت اسی موسم اور اسی فضا میں پروان چڑھی تھی۔ ایکا ایکی مجھے دنیا کی ہر شے کتنی حسین، کیسی زندگی آمیز اور کیسی رنگین نظر آنے لگی تھی۔ تم نے میری زندگی دیوتاؤں کی شان سے پلٹ کر رکھ دی تھی!

آؤ اداس مت ہو، یہ دن بھی کٹ ہی جائیں گے مسکراؤ اور حوصلہ پیدا کرو، جیت ہماری ہی ہوگی۔

اچھا۔ اب پھر

تمہاری صفّو

بھوپال

۳۰ر جنوری ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

خط ملا، ادیس اور میں اچھی طرح ہیں۔ دن گزر رہے ہیں اور تم سے ملنے کا عرصہ قریب آ رہا ہے۔ بس یہی خوشی ہے۔ کوشش کرتی ہوں کہ کسی نہ کسی مصروفیت کے سہارے اپنی تنہائی کو بھلائے رکھوں۔ کل سے سلائی شروع کر دی ہے۔

یہاں کا موسم تم کو دعوت دیتا ہے۔ ایسی خنک۔ اور خوشگوار فضا میں پھر تو ایسی جلدی نہ آ جاؤ گی۔ گیتوں کا سلسلہ کیسا چل رہا ہے؟

آؤ۔ تمھاری گود میں سر رکھ کے آنکھیں بند کر لوں۔ میں بہت تھک گئی ہوں دوست!

تمھاری صفیہ

بھوپال

۶ فروری ۵۱ء

میرے اپنے اختر!

بہت سے پیار اور ہزاروں دعائیں۔

خط ملا، شکر ہے کہ تم اچھے ہو، میں جانتی تھی کہ گیتوں کے چکر سے تمھیں فراغت نہیں ہے۔ پھر ستم یہ کہ اب تک ایک دو گیت ہی کی تکمیل ہو سکی ہے۔ کیا فروری میں مہلت نہ مل سکے گی تم کو؟

اختر! میں نے تمھیں لکھا نہیں۔ ایک ڈیڑھ مہینہ سے بالکل گٹھیا کے قسم کی تکلیف پیدا رہی گھٹنوں کے کھلنے میں ایسی تکلیف ہوتی تھی کہ چکر سا آجاتا تھا۔ اب بھی سو کر اٹھتی ہوں تو مٹھیوں پر ایسا ورم سا آجاتا ہے کہ بند نہیں ہوتیں۔

یہاں کے ڈاکٹروں پر کیا خاک اعتماد کیا جائے لہٰذا کلوزل آیوڈین Collossal Iodine پی رہی ہوں۔ بہرحال تم زیادہ فکرمند مت ہونا۔ میں نے تم کو صرف اس لئے نہیں لکھا کہ مجھے تو طرح طرح کی تکلیفیں ہو کر خود ہی مٹ جاتی ہیں۔ تم خواہ مخواہ اتنی دور سے پریشان ہو گے۔ اب مجھے اچھا ہی سمجھو۔

تم اپنے حالات سناؤ۔ اس طرف تم بمبئی سے مسلسل خط لکھتے

رہے ہو تو کیا یہ قلم بھی کھو گیا؟ یا روشنائی نہ ہونے سے یہ مفلسی طاری ہے؟
ہمت کر کے Swan .ink ایک شیشی خرید لو۔ تم نے بلاؤز کے کپڑے خریدنے کا
ارادہ ظاہر کیا ہے تو دو مشورے بھی شامل کر لینا۔ (۱) کوئی بلاؤز یا تیج ردیے
سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے۔ (۲) رنگ خطرناک قسم کے شوخ نہ ہوں۔ کیونکہ رنگ
کی ہر کمی میری جانب سے پوری ہو سکتی ہے۔

چندا اپنے گھر گئی ہوئی تھی۔ آج واپس آگئی ہے۔ اس سمیت ذرا
گھر کی سی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ ورنہ منھ لپیٹ کر پڑے رہنے کے سوا اور یہ
کیا رکھا ہے۔ گو کہیں باورچی خانے میں اور کبھی کبھی سلائی میں خود کو لگا دیا کرتی
ہوں، اچھا، پیار تو کر لوں تمھیں۔ میری صحت کی طرف سے پریشان نہ ہونا۔
اب مجھے اچھا ہی سمجھو ورنہ میں تم کو لکھتی بھی نہیں۔

تمھاری صفیہ

بھوپال
۱۱، فروری ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر!

تمھارا خط جمعہ کو ملا تھا یہ فروری بھی یوں ہی گزر جائے گی اور تم
نہ آسکو گے "عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب" والا مرحلہ ہے۔ بہر حال تم
جانتے ہو کہ مجھ میں برداشت کی بے پناہ صلاحیتیں ہیں۔ یہ عرصہ کیا چیز ہے
مدتیں کاٹ سکتی ہوں تمھارے انتظار میں۔

کل تین مہینے ہو جائیں گے تم سے رخصت ہوئے مگر میرے لئے تو
"سجن، تم بن جدائی میں گھڑی گزری سو دن گزرا" والا مضمون ہے۔ اب

حساب تو لگاؤ۔

کل اتوار کا دن تھا۔ ایک رضائی کا ڈول ڈالا تھا، صبح سے جو سِلائی شروع کی تو شام ہو گئی۔ شام کو پتہ چلا کہ بسنت کا دن تھا! بسنت کی خبر نہیں، کی صدا قت تسلیم کرنی پڑی۔

یہ سادوا کا بار بار استعمال کر رہی ہوں۔ افاقہ ہو کر ہی رہے گا۔ دراصل بات یہ ہے کہ شروع ہی میں میں نے توجہ نہ دی ورنہ بات نہ بڑھتی۔ بہر حال آج تک تو ایسا ہوا نہیں کہ کوئی تکلیف آ کر گئی نہ ہو۔ یہ بھی چلی جائے گی۔

اور کیا لکھوں۔ فورتھ ایر کا کام بہت بڑھا ہوا ہے۔ اور پھر لڑکے اس درجہ بدذوق واقع ہوئے ہیں کہ کام کھسکتا ہی نہیں ہے کسی طرح۔ اس مہینے پڑھائی کا سلسلہ اور ہے پھر تو امتحانوں کا چکر چل جائے گا۔

اور ہزاروں باتیں دل میں گھٹ کر رہ جاتی ہے۔ یہاں کون ہے حد تو یہ ہے کہ کوئی کتاب پڑھوں تو اس کے بارے میں کسی سے گفتگو ممکن نہیں شام کو اکثر ڈاکٹر صاحب کے یہاں چلی جاتی ہوں اور خالہ[1] جان سے گھریلو قسم کی گپ شپ کرتی رہتی ہوں۔ ان کے گھر کی فضا مجھے اپنے گھر کی یاد دلاتی ہے۔ بڑے سادہ اور شریف لوگ ہیں سب کے سب۔

مفصل خط لکھو گے نا؟ "دوستانہ" قسم کا خط سمجھے؟ اچھا۔

صرف تمہاری

صفیہ

---

[1] بیگم ڈاکٹر سلطان

بھوپال
۱۵ ر فروری ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

تمہارا تو تاریخ کا لکھا ہوا خط مجھے پرسوں ملا۔ آج پھر انتظار ہے۔ پرسوں ہی رفیق کا پوسٹ کارڈ ملا۔ چودہ یا پندرہ کی رات کو پہونچنے کے لئے لکھا تھا، تو رات بہت انتظار رہا۔ غالباً آج آئیں۔ ان کی معرفت تم کو کچھ ضرور بھیجوں گی۔ کیا، یہ ابھی سمجھ میں نہیں آیا ہے۔

اس طرف ایک ایسے اندوہناک حادثے کی اطلاع ملی جس کا اثر طبیعت پر آج بھی تازہ ہے۔ سعیدہ[1] کے شوہر کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ کشمیر سے لاش علی گڑھ لائی گئی۔ سعیدہ کی بدنصیبی کا یہ آخری حربہ تھا۔ غریب کی شادی کو ابھی دو سال بھی نہ ہوئے تھے۔ بس قسمت کا ایک بچہ تھا۔ تین سال بچے میں اس سے الگ ہوں۔ لیکن اس خبر سے دل پر بری طرح چوٹ لگی، خدا مجھے تمہارے سامنے ہی اس دنیا سے اٹھا لے۔ طبیعت اس خبر سے بڑی طرح خوف کھا گئی ہے۔

اور کیا لکھوں اختر! میری طبیعت کی طرف سے فکرمند نہ ہو۔ یوں ہی تکلیف آتی اور چلی جاتی ہے۔

ہاں پرسوں اختر سعید شہاب کے ساتھ ملنے آئے تھے، یہیں وکالت کر رہے ہیں، خاصے تندرست ہو گئے ہیں۔ اچھا، پیار لو۔

تمہاری صفیہ

---

[1] سعیدہ بیگم پروفیسر جغرافیہ مسلم گرلس کالج علی گڑھ

بھوپال
۱۷ فروری ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

میرے خط تمھیں ملتے رہے ہوں گے۔ تمھارا ایر کا لکھا ہوا خط پہونچا تھا۔ تم نے قلم کھونے کی خبر بُری سنائی۔ اب جلد ہی اس کی فکر کرنی ہوگی کہ تم دوبارہ اہل قلم بن جاؤ۔

میری طبیعت کا رنگ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا ہے۔ اب تک Collossal Iodine پیتی رہی کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ تمھاری ہدایت کے مطابق ڈاکٹر سلطان کو دکھا دیا ہے۔ اب ان کی دوا پی رہی ہوں۔ بازو، پنڈلیوں اور چہرے پر ہلکا سا ورم ہوگیا ہے۔ دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ آج کل میری تندرستی پورے ابھار پر ہے اور یہاں جان پر گزر رہی ہے۔ بہرحال یہ سب کچھ تمھیں اس لئے نہیں لکھ رہی ہوں کہ تم پریشان ہو۔ میں پوری بہادری سے کام لینے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کالج برابر جاتی ہوں۔ سوچتی ہوں۔ شو بھا لکشمی لیڈی ڈاکٹر سے بھی مشورہ کرلوں۔ خون کی خرابی ہے یہ سب اور کیا۔

تمھیں دیکھنے کو تو جیسے جی ترس سا گیا ہے اختر! خواب ہی میں آ جایا کرو کبھی کبھی آخری شرط دوستی کچھ تو نباہنی ہی چاہیئے۔

اچھا۔ مجھے لپٹا لو اختر! میں بہت تنہا ہوں۔

تمھاری اپنی
صفیہ

بھوپال
۱۹ر فروری ۱۹۵۱ء

بہت ہی پیارے اختر!

آج پیر کا دن ہے تمھارا خط آنا ہی چاہیے۔

ڈاکٹر سلطان کا علاج جاری ہے لیکن "دردِ دل اُس نے تو حسرت اور دونا کر دیا" والا قصّہ ہے۔ دو ایک دن اور دیکھتی ہوں۔ پھر حکیم کوثر چاند پوری کو بلواؤں گی۔ اختر! خود کو اداس مت کرو خط لکھتے اور میری ڈھارس بندھاتے رہو۔ یہی سب کچھ ہے۔ تم یہ سوچ کر جی نہ کڑھاؤ دوست کہ میں بے سہارا ہوں۔ تمھاری محبت کا بھروسہ مجھے ہر پریشانی سے مقابلہ کرنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ آؤ مجھے پیار کر لو۔

تمھاری اپنی صفو

بھوپال
۲۲ر فروری ۱۹۵۱ء

میرے اختر!

اچھے تو ہو؟ پیر کو تمھارا خط ملا تھا، آج دوسرا خط ضرور ہی آنا چاہیے!

پرسوں صبح رفیق بھی گوالیار سے آگئے۔ غالباً کل تک ٹھہریں گے۔ کسی آنے والے کا وجود اس تنہائی میں بڑا غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ پھر بیچارہ ہے بھی ہمارے قسم کا لڑکا۔ میری طبیعت کا وہی پہلا سا حال چل رہا ہے۔ ڈاکٹری دواؤں سے تکلیف بہت بڑھ گئی ہے۔ کل ڈاکٹر صاحب

اسپتال لے گئے تھے خون Test کرانے۔ انھوں نے بوس کو بھی دکھا کر مشورہ کیا۔ بوس صاحب بھی عقل کے پتلے واقع ہوئے ہیں۔ ان کی سمجھ میں مرض کی نوعیت ہی نہ آئی۔ ارادہ ہے کسی حکیم کو دکھاؤں اور ایک آدھ ہفتہ اس کی دوائی کر دیکھوں۔ افاقہ ہوا تو ہو ہی جائے گا ورنہ پھر لکھنؤ جا کر ڈاکٹر ڈی۔ بہادر سے مشورہ کیا جائے گا۔

ادریس رفیق کی آمد سے بہت خوش ہے اور ہر وقت اس سے چمٹا رہتا ہے۔ اچھا میرے ہزاروں پیار۔ تمھاری پیشانی سے قدموں تک میرے دوست!

تمھاری صفیہ

بھوپال

۲۵ر فروری ۵۱ء

اچھے اختر!

خدا تمھیں خوش رکھے۔

رفیق بھی آج ساتھ چھوڑ چلے۔ بہرحال حکیم مقتدر خاں کا علاج آج سے شروع کیا ہے۔ پرہیز اور احتیاط سے بہت سکون ہے۔ گو کہ جسم کی آگ کم نہیں ہے۔ برہ کی آگ بھڑک اٹھے تو اسے دواؤں سے تو دبایا نہیں جا سکتا! خط لکھتے رہا کرو۔ میری تنہائی کے ساتھی تمھارے خط ہی بن سکتے ہیں۔ تمھارے کھانے کے لیے رفیق کے ہمراہ کچھ تھوڑا بہت بھیج رہی ہوں۔ اس میں کھجوریں مشکل میں نے بنائی ہیں۔ ورم کی وجہ سے ہاتھ میرا ساتھ نہیں دیتے۔

بہت سے پیار

تمھاری صفیہ

بھوپال

۲۶؍فروری ۵۱ء

بہت ہی اچھے اختر!

بہت سے پیار، رات رفیق کو خط لکھ کر دے چکی ہوں۔ اس کی گاڑی Miss ہوگئی۔ چنانچہ یہ دوسرا خط لکھ رہی ہوں۔

میری طبیعت کی طرف سے متفکر نہ ہو۔ میں جلد اچھی ہو جانے کی کوشش کر رہی ہوں تاکہ تم مجھے صحت مند پا سکو۔ ساتھ ہی یہ بھی شرط ہے کہ جب تک میں بیمار ہوں تم آنا مت اس لئے کہ میں تمھاری خاطر تواضع کیسے کروں گی۔ یاد کرو تین سال پہلے میں رزمی صاحب کے بنگلے میں بھی اس طرح collapse ہوگئی تھی وہ بھی کیا برے دن تھے۔

رفیق سے کتنی ہی باتیں تمھارے متعلق ہوتی رہیں۔ اب وہ جا رہا ہے۔ کوئی اتنا بھی نہیں جس سے تمھارا ذکر کر سکوں۔ جی تو یہی چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ ہی بمبئی چل پڑوں، مگر دوست دل کی پاسبانی عقل بری طرح کرتی ہے۔

ہاں مجھے Vitamin B. I. یعنی Berin کی گولیوں کی شیشیاں 25 M. G والی دو تین عدد بھجوا دو۔ یہاں 10.M.G - تک ملتی ہیں

اور کیا لکھوں، تم اپنا کام دلجمعی سے کرتے رہو۔ ذہن کو منتشر مت کرو

کرو۔ اچھا۔ دعائیں۔ آرزوئیں۔ تمنائیں

تمہاری اپنی صفو

بھوپال

۲۷ر فروری ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

کل کالج میں ادبی شام منائی گئی۔ شرکت ضروری تھی گو کہ پروگرام کی بدمزگی اور اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے پورے وقت ٹھیر نہ سکی۔ اوبس سمیت گھر لوٹی۔ تمہارا خط کمرے میں پڑا ہوا مل گیا۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ تم میرے ساتھ ہو اختر۔

کل جنوری کا "شاہراہ" اٹھا لیا تھا۔ دو تین مضمون ہی پڑھ ڈالے۔ ایلیا اہرن برگ کی "مغرب کے ادیبوں کے نام کھلی چٹھی"۔ اور پبلو نرودا کی نظم The dead in the square کا ترجمہ جو حسن اعرافی نے کیا ہے۔ خاص طور سے پڑھا مجھے صاف بات یہ ہے کہ حسن اعرافی صاحب کی شاعری کبھی اپیل نہیں کرتی۔ اس شعری ترجمہ میں اکثر جگہ زبان و بیان کا کچا پن جھلکتا ہے۔ البتہ اس کے بعض ٹکڑے ضرور رواں، خوبصورت اور جاندار ہیں۔ اصل نظم تو کیسے پڑھوں گی البتہ انگریزی ترجمہ جس سے اعرافی صاحب نے اسے اُردو میں منتقل کیا ہے وہ ضرور پڑھنا چاہتی ہوں۔ کہیں مل سکے تو بھیجنا۔

میری طبیعت اب پہلے سے بہت بہتر ہے اور امید ہے اسی طرح سنبھلتی ہی جائے گی۔ پرہیز وغیرہ میں پوری ایمانداری سے کام لے رہی ہوں۔ اب تو درم بھی کم

ہے۔ ایک وقت تو تمام بلاؤز وغیرہ قطعی بیکار ہو گئے تھے اور اپنے جسم کا بوجھ خود ہی محسوس ہونے لگا تھا۔

یہ ریڈیو کے ڈرامے والی بات کارآمد معلوم ہوتی ہے۔ میرے خیال میں کوئی تعلیمی طرز کا فیچر بچوں کے لئے کیسا رہے گا؟ تم رفعت سروش سے ٹیلیفون پر بات کرنا۔ میں کام کر لوں گی۔ یہاں کی تنہا زندگی میں یہی مصروفیت تھی۔ تمہارے گیت تو مارچ بھی نیتے ہوئے نظر آتے ہیں، جس رفتار سے برمن[1] کام چلا رہے ہیں اسے دیکھتے ہوئے تو یہی خدشہ ہے۔ بہر حال تم دل جمعی سے کام کرتے ہو جلد کھو دینا ایسا ہی کی تنہائی نے میں یہ دن بھی تمہاری محبت کے سہارے کاٹ لے جاؤں گی۔

ادیس اور احسان کو میری دعا پہونچا دیا کرو۔ خلیل صاحب کو میرا آداب ان کا خلوص اس زمانے میں آپ اپنی مثال نہیں تو اور کیا ہے؟ جادو اچھا ہے۔ ماسٹر سے پڑھتا ہے۔ اس کی یاد زندگی میں تشنگی کو بہت بڑھا دیتی ہے۔ میرا حاصل محبت جادو ہی رہا ہے۔ جیسے میں نے اختر تم کو تم سے چھین لیا ہو مجھے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔

اچھا آؤ تمہارے سینے سے سر لگا کر سکون کے چند لمحے چرا لوں۔

تمہاری صفو

بھوپال

۳، مارچ ۵۱ء

اچھے اختر!

---

[1] ایس ڈی۔ برمن میوزک ڈائرکٹر۔

خط ملا، تم اتنے فکرمند نہ ہو۔ میں علاج میں کوتاہی نہیں کر رہی ہوں لیا لکھنؤ جانے کی ہمت یوں نہیں ہوتی کہ اب جاکر دس پندرہ دن بعد لوٹوں اور پھر اپریل کے بعد ہی سامان سفر تازہ کرنا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب مجھے افاقہ ہو جائے گا۔ کل شام ڈاکٹر شوبھالکشمی کو دکھا دیا۔ انجکشن تجویز کئے ہیں اُس نے جو آج سے لگ سکیں گے۔

اُداس نہ ہو میرے دوست! تمھاری اُداسی میری زندگی کو کم کر دیتی ہے۔ اچھے دن ضرور آئیں گے اور پھر ہمیں اس طرح ایک دوسرے کے لئے تڑپنا نہ ہوگا۔ اب چار مہینے ہو جائیں گے ہمیں علیحدہ ہوئے۔ اتنا طویل عرصہ تو ہم نے شادی کے بعد ایک دوسرے کے بغیر شاید کبھی نہیں گزارا تھا۔ اس امتحانِ صبر کا صلہ کچھ تو ہونا ہی چاہیئے۔

اچھا آؤ۔ میں تمھیں بہلاؤں گی اختر۔ تم بہت تھک جاتے ہو۔ ذہنی تھکاوٹ بعض وقت تمھارے خطوں سے ٹپک جاتی ہے۔ تم ارادوں والے آدمی ہو۔ تمھارے احساسات بہت نازک اور لطیف سہی۔ مگر ان میں اتنا ہی زور اور اتنی ہی قوت بھی ہونی چاہیئے۔ میری جان! میں خود بعض وقت حالات سے ڈر سی جاتی ہوں، تم میرا ڈر مٹا دیا کرو۔ تم مجھے مضبوط بنا دیا کرو۔ آؤ مجھے اپنے بازوؤں میں نہ بھینچ لو۔ میری قوت ہزار گنا بڑھ جائے گی۔

تمھاری ہی صفو

بھوپال

۵ مارچ ۱۹۵۱ء

میرے بہت ہی عزیز اختر!

تمہارا جمعہ کا لکھا ہوا خط آج پیر کو پہونچا ہے۔ تم فکرمند نہ ہو۔ شوبھا لکشمی نے مرض کی غالباً صحیح تشخیص کی ہے انجکشن ڈاکٹر سلطان لگا رہے ہیں۔ ظاہر ہے تین چار انجکشنوں کے بعد ہی فرق معلوم ہو سکے گا۔ لیڈی ڈاکٹر نے چھ کا کورس بتایا ہے اور اس کے بعد بلایا ہے۔

تم مجھے یوں ہی پیار بھرے خط لکھتے رہو، تمہارا پیار مجھے زندہ؛ خوش، تندرست اور جوان رکھنے کے لئے ضروری اور کافی ہے۔

ساڑیاں جو تم نے میرے لئے خرید ڈالی ہیں، بچا ہو تو بھیجدو بلاؤز کے کپڑوں کی جلدی ہی کیا تھی۔ میرے ہاتھ ہی سلائی کے قابل نہیں ہیں۔ ہاں اگر Berin تم نے نہ بھیجی ہو تو اچھا ہے۔ کیونکہ 100 M. G. Berin کے انجکشن ہی لگ رہے ہیں۔ اور اگر بھیجدی ہے تو خیر! انجکشن کے بعد بھی اس کا استعمال ضروری رہے گا۔

تو، اب تم مئی میں ہی ملتے دکھائی دیتے ہو دوست! یہ بچین دن گن گن کر کاٹنے ہیں۔ تم خود کو کسی طرح نہ الجھاؤ جس وقت بھی کام مکمل ہو جائے اور موقع ہو بھوپال آجاؤ۔ ورنہ تعطیل تو سامنے ہے ہی۔

کالج کا کام برائے نام رہ گیا ہے۔ البتہ حاضری ضروری ہے۔ ۱۱ بجے میں جاتی ہوں اور اسی میں واپس ہو جاتی ہوں۔ بارہ سے امتحان کا چکر ہے تمہارے پاس کچھ رسالے آئے پڑے ہوں تو مجھے بھجوا دو۔

بہت طویل خط لکھو اور ہر ہر بات اپنے متعلق لکھو۔ آؤ مسکرا دو تم۔

تمہاری اپنی صفّو

بھوپال
۷, مارچ ۱۹۵۱ء

جان سے پیارے ساتھی!

بہت سی دعائیں۔ ہزاروں پیار۔ آج دوسرے انجکشن کا دن ہے۔ صبح ڈاکٹر صاحب گھر پر نہ تھے۔ اب دوپہر کو ملیں گے۔ ورم تو بدستور ہے۔ البتہ دوسری تکلیفوں میں کمی ضرور محسوس ہوتی ہے۔ ظاہر ہے دو تین مہینے کا پرانا مرض ایک آدھ دن میں تو اچھا ہونے سے رہا۔

کئی دن سے لکھنؤ سے کوئی خط نہیں آیا۔ فکر ہے۔ ظاہر ہے جاوید وہاں مست ہو گا۔ ادیس البتہ بیچارا بہت گھبراتا ہے۔ وہ غریب جب سے پیدا ہوا ہے اس کی زندگی کچھ میری ذات سے ایسی وابستہ ہے کہ دوسرے سہارے اسے کب بہلا سکے ہیں۔ روزانہ بمبئی جانے کی ضد کرتا ہے۔ "میں ابی کے سب کام کیا کروں گا، مجھے بھیجدو۔"

میری طبیعت اب روز بروز انشاء اللہ بہتر ہوتی جائے گی، تم یقین رکھو، یہ دن اور کٹ جائیں پھر تو میں تمہیں دیکھ کر یونہی جی اٹھوں گی۔

تمہاری صفو

بھوپال
۸, مارچ ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

بے شمار دعائیں۔ تمہارا منگل کا لکھا ہوا خط کل بدھ کی شام کو پہنچ گیا بعض مرتبہ ہوائی جہاز کی ڈاک میں خط شامل ہو جاتا ہے تو اتنی جلدی آجاتا

ہے۔

حسب توقع یا کہنا چاہیئے حسب اندیشہ تم فکرمند ہو اور الجھے ہوئے۔ اختر تم اگر خود کو اس طرح پریشان کر دو گے تو میں پھر تم سے حالات چھپاؤں گی اور جھوٹ موٹ کی خیریت لکھ کر بھیج دیا کروں گی۔ تم گھبراؤ نہیں۔ فکر اور پریشانی کے زمانے کو استقلال سے گزار لینا ہی بڑائی کی نشانی ہے دوست۔

میری طبیعت اب پہلے سے بہت بہتر ہے۔ ورم تو ابھی نہیں گھٹا البتہ سختی کم ہو گئی ہے۔ پیسوں کے لیئے یہ ہے کہ خرچ کے لئے تو میرے پاس کافی ہیں البتہ تمہارے پاس اگر خرچ کی ضرورت سے زیادہ ہوں تو میرے حصے کے سمجھ کر خلیل صاحب کے پاس رکھوا دو، میں جب بمبئی آؤں گی لے لوں گی۔

کام کی الجھنوں سے مت گھبراؤ، بہت سی باتیں Sporting طریقے پر لیئے جانے کی ہوتی ہیں۔ تم خود کو مبتلا بہت کر لیتے ہو، اسی لئے کوفت بھی تم کو زیادہ ہوتی ہے۔ تھوڑا بہت وقت گپ شپ میں بھی نکالنا ضروری ہوتا ہے۔

اچھا۔

تمہاری صفو

بھوپال

۱۰ مارچ ۱۹۵۱ء

اچھے اختر!

خدا کرے تم بعافیت ہو۔

پرسوں خط لکھ چکی ہوں۔ اب تو یہی جی چاہتا ہے کہ یہ دن کسی نہ کسی طرح کٹ چکیں۔ میری طبیعت کا حال چل رہا ہے۔ کل لیڈی ڈاکٹر کو پھر

دکھاؤں گی۔

اس دوران میں "ناول کی تاریخ و تنقید"[1] بھی پڑھ ڈالی۔ ایک دو باب تو بہت ہی فضول ہیں۔ انگریزی ناول نگاروں اور ناولوں کے نام گنوانے سے کیا مقصد حل کیا گیا ہے۔ سوائے کاغذ کی بربادی کے۔ تنقید میں بھی وہ گہرائی اور گیرائی نہیں جس کی توقع ہم اس دور کے نقادوں سے کرتے ہیں۔ بس اس اعتبار سے بڑی غنیمت ہے کہ اردو ناول نگاری پر بہت سا مواد ترتیب سے مل جاتا ہے۔ اختر تم نے ریسرچ کے لئے یہی موضوع تو Offer کیا تھا۔ تم نے ڈھیل ہی دے دی ورنہ رشید[2] صاحب کی سفارش پر تمھیں پرائیویٹ طور پر Thesis پیش کرنے کی اجازت مل ہی جاتی۔

اور کیا لکھوں، ادیس غریب پر بڑا ترس آتا ہے۔ وہ اپنی تنہائی اور بے چارگی کے دن ہنس کھیل کر گزار ہی دیتا ہے۔ جادو کی خیریت کئی دن سے نہیں معلوم۔

اچھا۔ خط لکھو۔ خلیل صاحب کو میرا آداب کہو۔
تمھاری صفیہ

بھوپال
۱۴ر مارچ ۱۹۵۱ء

اچھے اختر!

میرا بیمار ہونا تو بڑا راس آیا۔ تمھارے خط تو مجھے اب لگاتار ملتے ہیں

---

[1] از علی عباس حسینی۔
[2] رشید احمد صدیقی صدر شعبۂ اردو۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

میری طبیعت دن بدن بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ آج بھی انجکشن کا دن ہے ڈاکٹر سلطان صاحب کے یہاں ہی سے تم کو خط لکھ رہی ہوں۔ میرے کوئی اور حالات ہی نہیں جو لکھوں سوا اس کے کہ اکثر آنکھ بند کئے بستر پر پڑی رہتی ہوں اور تمہارے تصور سے دل کو بہلاتی رہتی ہوں۔ کبھی ذہن میں تلخیاں بھی اُبھرنے لگتی ہیں مگر وہ دیرپا نہیں ہوتیں۔ تم نے مجھے ہمیشہ سہارا دیا ہے۔ میں نے جب سے تمہارا ہاتھ تھاما، ایک لمحے کے لئے بھی تمہارے سہارے سے محروم نہ پایا خود کو، اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے مجھے۔

کالج میں امتحانات کا چکر چل رہا ہے۔ میں نے ڈیوٹی سے off لے لیا ہے ویسے حاضری کے لئے جاتی ہوں۔

بس اختر، کسی طرح یہ مہینہ کٹ چکے، پھر تو دن گننے میں آسانی ہو جائے گی۔ اچھا ہزاروں دعائیں اور بے شمار پیار۔

تمہاری اپنی صفو

بھوپال

۲۰ مارچ ۵۱ء

پیارے اختر!

کل پیر کو تمہارا خط ملا۔ ساز کے گیتوں نے جنوری فروری اور اب مارچ کا مہینہ بھی لے لیا۔ اب دیکھو اپریل میں کیا اور کیسی گزرتی ہے۔ ہولی بھی آرہی ہے۔ کاش "رات سپنے میں آئے پیا مو سے کھیلن ہوری" والی بات ہی پوری ہو سکے۔ میں تو تمہیں خواب میں بھی دیکھنے کو ترس گئی اور دراصل نیند ہی نہیں آتی۔ خواب کا سوال ہی کیا۔

میری طبیعت کا حال کچھ ٹھہر سا گیا ہے۔ انجکشن کا دوسرا کورس منگوا رہی ہوں۔ اس کے سوا چارہ نظر نہیں آتا۔ موجودہ وقت بہت برا گزر رہا ہے تمھاری بے آرامی کا تصور زندگی کو اور بے کل بنائے رہتا ہے۔ مگر اختر! میری خاطر، میری محبت کی خاطر اس آزمائشی دور سے اُکتا مت جانا ورنہ میں کہیں کی نہ رہوں گی۔

آؤ اچھے دنوں کی امید میں یہ روکھی، بدمزہ اور خشک زندگی بھی جھیل لیں، اختر!

تمھاری ہی صفیہ

بھوپال

۲۱ مارچ ۱۹۵۱ء

جانِ عزیز!

خط ملا۔ کپڑوں کا پارسل بھی۔ ساڑیاں اور بلاؤز کے کپڑے سبھی بہت پسند آئے خصوصاً بلاؤز کا وہ Piece آسمانی والا۔ البتہ روپہیلا تو خلوت ہی میں پہنا جا سکے گا! گو کہ بہت خوبصورت ہے۔ اس مرتبہ ان کپڑوں خصوصاً ساڑیوں کے انتخاب میں تم نے اپنی پسند کو میری خواہش پر قربان ضرور کیا ہے۔ میں تو سرخ سبز بھی پہننے کو تیار ہوں۔ اگر وہ تمھیں اچھا لگ سکے۔ اب آنے سے پہلے کوئی اور زحمت مت کرنا۔ البتہ جب آؤ تو ایک ٹکڑا Velveteen کا جو مخمل ہی کی طرح ریشہ دار، چمکیلا اور نرم ہوتا ہے۔ صرف اتنا دبیز نہیں ہوتا بلکہ جارجٹ کی طرح لچکدار ہوتا ہے ضرور خریدلینا رنگ سیاہی مائل، عنابی اچھا ہوتا ہے۔ عرض اس کا بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس لئے تھوڑا ہی کپڑا درکار ہوگا۔ یہ بلاؤز کے کپڑے

سب ضرورت سے زیادہ بڑے ہیں۔ تنگ ہی قسم کی عورتوں کے لئے کافی ہوتے ہیں یہ بلاؤز سے کیڑا بچے گا۔ اب اپریل آ ہی رہا ہے۔ یہ دن کسی طرح کاٹ دیتے ہیں پھر "گھونگھٹ کا پٹ کھول تو ہے پیا ملیں گے" والی منزل بھی آ ہی جائے گی۔

لکھنؤ سے خط آیا ہے۔ جادو اچھا ہے۔ ابا کے ساتھ رودولی بھی گیا تھا۔ ابا کی فریفتگی جادو کے ساتھ جنون کی حد تک پہونچی ہوئی ہے۔ حمیدہ نے لکھا ہے کہ اس کی تختی تک دھوتے ہیں۔ لکھنؤ سے گھی کا پارسل بھی آیا ہے۔ میں نے لکھ دیا تھا کہ خالص گھی نہ ملنے سے یہ بیماری پیدا ہوگئی ہے۔ ہاں اماں جان کا خط کراچی سے آیا ہے۔ لکھا ہے کہو تو میں واپس آ جاؤں۔ میری بیماری کی اطلاع ان تک پہونچی ہے شاید۔

بعض وقت سچ جانو خط لکھنے سے بھی الجھن سی ہونا شروع ہوتی ہے خیال آتا ہے کہ خط لکھنے سے ہوتا بھی کیا ہے یہ دوری تو نہیں مٹتی کمبخت! لیکن پھر سوچتی ہوں کہ ذہنی ملاپ کی کوئی اہمیت ہے تو ضرور خط سے قربت کا احساس پیدا ہونا چاہیئے۔ تمہارا اچھوتا گیت شروع ہوا؟ ممکن ہو تو ایک نا سُدھا[1] کو گانے کے لئے دلوا دو۔ خواہش مند ہے۔ زیادہ پیار۔

تمہاری صفو

بھوپال

۱۲ مارچ ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر!

تمہیں ایک خط میں لکھ چکی ہوں۔ اس وقت پھر تم سے باتیں کرنے

---

[1] مس اشد اطہر ترا

کو جی چاہ اٹھا۔ اس طرف تم نے میری کوتاہ قلمی کی شکایت بھی کی تھی چلو وہ بھی رفع ہو جائے گی۔

تم نے لکھا ہے کہ تمھارے خریدے ہوئے کپڑے میں بانٹ نہ دوں تو اختر، تمھاری دی ہوئی چیز میں میرا حصہ دار کوئی ہو، یہ تو مجھے خود بھی گوارا نہ ہونا چاہیئے۔ تمھارا کرم اور تمھاری عنایتیں میرے لئے کیسی لذتیں رکھتی ہیں۔ اس کا اندازہ تم کرسکو گے۔ کیونکہ تمھیں محبت کے مزوں سے آگاہی ہے۔ میرے لئے تمھارا ہر سلوک، ایک انوکھا لطف لئے ہوئے ہوتا ہے۔ ماں، باپ، بھائی، بہن کی محبت کا مزا کچھ اور ہے اور تمھارے پیار کی چاشنی ہی اور ہے دوست! مجھے کتنا فخر محسوس ہوتا ہے اور کتنا غرور۔ کاش تمھارا یہ پیار میری زندگی کی آخری سانسوں تک قائم رہے اختر! میں تم پر کتنا ناز کرنے لگی ہوں اب۔

میری طبیعت پہلے سے یقیناً بہتر ہے۔ آج کل دوپہر ڈاکٹر سلطان ہی کے یہاں گزارتی ہوں۔ صبح تو دس بجے کی گئی ۵ بجے شام کو واپس ہوتی ہوں۔ ان کے یہاں ایک کمرے کے گوشے میں میرا بستر لگا ہوا ہے۔ اسی پر پڑ جاتی ہوں۔ بانو بچاری میری بہت کچھ دل داری کرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اسپتال سے واپسی پر انجکشن لگا دیتے ہیں۔ غرض کہ یہ ہے دن بھر کا پروگرام۔

مفصل حالات لکھو، جعفری بچارے کو کہیں گھر ملا یا نہیں؟ عصمت آپا کے کیا حال چال ہیں؟ انجمن کیسی چل رہی ہے؟ احسان کی ملازمت کا کیا حشر ہوا؟ خلیل صاحب کلکتہ سے لوٹ آئے؟ زندگی کا کیا ڈھنگ ہے؟ چالیس دن اور گزارنے ہیں اختر! پھر تو لطفِ گفتار و گرمیٔ آغوش، میسر ہو سکے گی نا؟

جادو ہی اگر میرے پاس ہوتا تو میں اس قدر خالی محسوس نہ کرتی۔ اس کی موجودگی سے تمھاری خانہ پری ہو جاتی تھی۔ اب تو مجھے دوہری تڑپ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اختر مجھے تو کبھی کبھی تم جادو ہی جیسے معصوم دکھائی دیتے ہو اور کبھی کبھی جادو تم جیسا رنگیلا The well beloved [1] والا قصہ ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ جادو ہی میری جیت ہے تم پر ———

اچھا پیارے

تمھاری صفو

بھوپال

۲۲ مارچ ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر!

بہت سے پیار، تمھارا خط ملا، اُداس مت ہو جایا کرو میری جان، خوش رہو اور با امید۔ تمھیں شعر نہ کہنے کا بھی غم ہے تو اختر! اس بات کا تو یقین رکھو کہ تم ہر شے کھو کر بھی شاعری نہ کھوؤ گے۔ "چھین سکتا نہیں مجھ سے مرے نغمے کوئی۔" تم نے ہی تو کہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ خاموشی کا دور بھی تم پر اکثر طاری ہو جاتا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ اگر یہ گیت تمھارے ذہن کو اس طرح پراگندہ نہ کرتے رہتے تو تم اب تک کوئی شاندار نظم کہہ چکے ہوتے۔ خیر، شاعری کو بھی مئی تک ملتوی سمجھو۔ مئی میں جب میں تمھارے پاس ہوں گی تو میں تمھاری ہی خدمت کروں گی۔ تمھیں آرام و سکون دوں گی۔ تم بے فکر اور مطمئن ہو کر شعر کہنا۔

---

[1] ٹامس ہارڈی کا ناول

تم اگلی فکروں سے بھی خود کو متاثر کرتے رہتے ہو۔ فی الحال جو مسائل سامنے ہیں ان کا حل تلاش کرنا چاہیئے۔ دور کی دقتیں خود ہی کسی نہ کسی طرح حل ہو جاتی ہیں۔ بہر حال خود کو خوش اور بے فکر رکھو۔

ہاں ایک پریشان کن خبر سنو! بچاری اختر جمال بچے کی ولادت کے سلسلے میں اندور سے بھوپال آئی ہوئی تھی حکومت نے اُسے Maternity House میں گرفتار کر لیا ہے۔ سنا ہے کہ اس کے کمرے پر پانچ پولیس والوں کا مستقل پہرہ ہے۔ بچہ غریب ابھی سات دن کا ہوا ہے۔ دسویں دن زچہ اور بچہ دونوں جیل منتقل کر دیئے جائیں گے۔ مجھے اختر جمال اور اس کی حماقت پر غصہ —— اور غریب بچہ کی حالت پر حد درجہ افسوس ہوتا ہے۔ کتنی بار جی چاہتا ہے کہ وہ لوگ راضی ہو سکتے تو بچے کو اپنی پرورش میں لے لیتی۔ اس کافر حکومت کا استبداد آخر کہاں تک بڑھے گا اختر!

بہر حال بطور نتیجہ یہ ہے کہ تمھیں فرصت بھی ملے تو بھوپال مت آنا یہاں کے حالات ناقابل اعتماد ہیں۔

آج سے چار دن کی چھٹی ہے ہولی کی، مگر یہاں تو چھٹی کا ہونا نہ ہونا سب یکساں ہے۔ میری طبیعت کا وہی رنگ ہے۔ مرض کی روک ضرور ہو گئی ہے۔ پوری طرح صحت یابی کی توقع لکھنؤ ہی کے علاج سے کی جا سکتی ہے۔ خیر مئی کا مہینہ اب قریب ہی ہے۔

اور کیا لکھوں اختر؟ اب تو خطوں سے باتیں کرنے کا مزہ بھی گیا۔ نہ جانے کیوں مجھے خط و کتابت میں اب کوئی زندگی نہیں محسوس ہوتی۔ بس یہی خیال ہوتا ہے کہ تمھارے پاس پہونچ جاؤں لیکن یہ نہ سوچنا کہ تمھارے

خطوں کی اہمیت کسی طرح بھی کم ہو گئی ہے۔ تم خط لکھتے رہو برابر۔ اچھا اختر۔ کل ہولی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ

"ارے من موہنا تم تو سکھیوں سنگ ہنس ہنس کھیلو پھاگ"

کی روایت زندہ کرنے لگو۔ یہ تو محض چھیڑ ہے! ورنہ میں جانتی ہوں کہ تمھاری زندگی مجھ سے بھی زیادہ برباد ہے تم اگر سکھیوں کے سنگ پھاگ بھی کھیلوگے تو تمھیں میری یاد ضرور آئے گی دوست! میرا تمھارا دوستی کا ناطہ ٹوٹنے والا تو نہیں۔ اچھا من موہن آؤ، تمھیں چوم لوں۔ میری دنیا اجیالی ہو جائیگی۔

تمھاری صفو

بھوپال

۲۴ مارچ ۱۹۵۵ء

بہت ہی پیارے اختر

میں کالج سے واپس ہو کر خط لکھنے بیٹھی ہی تھی کہ تمھارا بائیس کی رات کا لکھا ہوا خط مل گیا۔ تمھاری خیریت کی اطلاع پا کر کیسا اطمینان سا ہوتا ہے اور پھر تمھاری باتوں سے ایک ایسا کیف سا چھا جاتا ہے کہ زندگی جینے کے قابل معلوم ہونے لگتی ہے۔ اب تو اپریل کا مہینہ اور کاٹنا باقی ہے پھر تو میں تمھارے پاس ہی ہوں گی۔

یہاں کے حالات کیا لکھوں۔ بی۔ اے کے امتحانات آج سے شروع ہوئے ہیں۔ میرے انجکشنوں کا دوسرا کورس چل رہا ہے۔ آج شام

شوبھالکشمی سے ملنے کا قصد کر رہی ہوں۔

تم نے بلاؤز کے کپڑوں میں اضافے کے لئے لکھا ہے۔ سو کہنا یہ ہے کہ فی الحال یہی بہت زیادہ ہیں، کسی اور سے سلوانے پڑیں گے اور تمہارے آنے تک پھٹنے نہ جائیں گے۔ البتہ اگر ادیس کی خوشی کی کوئی چیز خرید سکو تو وہ بلاؤز سے زیادہ مفید ہوگی وہ ایسا ایک طرفہ تحفہ دیکھ کر جل جائے گا! وہ غریب کیسی شاندار فرمائش لکھوا تا رہتا ہے یہ بھی جانتے ہو۔

اختر الواب صاحب کے یہاں شوٹنگ شروع ہو رہی ہے۔ stills ضرور لئے جائیں گے۔ اپنی ایک تصویر ضرور اتروالو عمدہ قسم کی۔ یہ میری بہت پرانی فرمائش ہے۔ اپنی تندرستی کے بارے میں لکھو۔ بہت دبلے تو نہیں ہو رہے ہو آج کل؟ تمہارے کپڑوں کی حالت کا اندازہ تو مجھے خوب ہے۔ بس مجھ سے ایک غلطی یہی ہوئی کہ تمہارے کرتوں کا ناپ نہ لیتی آئی۔ بغیر ناپ کے سلوانے کی ہمت نہیں ہوتی۔

رفیق سے کہو کہ اپریل کے مہینے میں کتابوں کا آرڈر انھیں بھجوا دوں گی۔ اپنے سارے ملنے والوں کو میرا آداب پہونچاؤ۔ احسان کی شرافت اور انسانیت اکثر یاد آتی ہے۔ ادیس تو آج کل اونچے جا رہے ہوں گے اور کیا رنگ ڈھنگ ہیں بمبئی والوں کے۔؟

اب کچھ بھی لکھنے کو نہیں ہے اور سچ پوچھو تو اتنا کچھ ہے کہ لکھا بھی نہیں جا سکتا۔ ہاں ایک نگاہ اور چند آنسوؤں سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ آج کل بارش ہو جانے سے موسم ایکا ایکی غیر معمولی طور پر خوشگوار ہو گیا ہے رات کو بہت ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں۔ اور برہ کی آگ کو بھڑکاتی ہیں۔

میں ایسے میں جادو کو سینے سے لگا لیا کرتی تھی۔ سو وہ بھی دور ہے۔ مادیں تو میرا بچہ زیادہ اور تمہارا کم ہے۔ اس لئے اس سے تمہاری تلافی نہیں ہو سکتی۔
اچھا اختر! بہت سی باتیں لکھو، اُمید اور حوصلے بھری باتیں۔
گھبرامت جاؤ۔ اچھے دن ضرور آئیں گے۔

تمہاری صفیہ

بھوپال

۲۷ر مارچ ۱۹۵۳ء

جانِ عزیز!

اب اچھی ہوں۔ ورم تیزی سے تحلیل ہو رہا ہے البتہ کمزوری بڑھ رہی ہے۔ سوئیوں کا سلسلہ چل رہا ہے۔ ہاں Bexm کی جو گولیاں تم نے بھیجی تھیں وہ لیڈی ڈاکٹر کو میں نے دکھا دی تھیں، ٹھیک ہیں۔ تم خط برابر لکھتے رہو۔ اب ہفتہ عشرہ میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی۔ کل شام شوبھا بخشی کے پاس گئی تھی کچھ دواؤں کا اضافہ کر دیا ہے اور کچھ کم کر دی ہیں اُس نے۔ گولیاں ابھی بہت ہیں اور نہ بھیجو۔

ہاں "آجکل" والوں نے بیس روپے تمہارے قطعات کے بھیجے ہیں میں نے وصول کر لئے اور سنو سورتی صاحب کو جماعت اسلامی کا ممبر ہونے کے سبب ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔

تم اس فرصت کے عرصے میں کچھ شعر و شاعری کی بڑی ضرور جماؤ۔ اچھا ہے کوئی نظم ہو جائے۔ مجموعہ کی طرف سے تو تم ایسے بے فکر ہو گئے جیسے کوئی بات ہی نہ تھی۔

اور کہو، تمھیں تو کیسی کیسی حسین صورتیں اور کیسے کیسے شاداب چہرے دیکھنے کو مل جاتے ہوں گے۔ یہاں دنیا حُسن سے خالی اور محبت سے خالی نظر آتی ہے۔ اپنی کوئی ضرورت، کوئی خواہش مجھے لکھ کر بھیجو تاکہ میں محسوس کر سکوں کہ کسی طرح تمھارے کام آ رہی ہوں۔ ہزاروں پیار

تمھاری صفیہ

بھوپال

۳۱ / مارچ ۱۹۵۰ء

اختر میرے!

کل بھی ایک خط لکھ چکی ہوں، جو لفافہ نہ ہونے کی وجہ سے پوسٹ ہی نہ ہوا۔ اب یہ نیا خط امتحان کے کمرے سے لکھ رہی ہوں۔ فرسٹ ایئر تھرڈ ایئر کا Invigilation مجھے کرنا پڑتا ہے۔ آ کر آرام کرسی پر بیٹھ جاتی ہوں اور بس آج اکتیس ہے، کل یکم اپریل ہوگی۔ اپریل کا مہینہ تو رواں دواں گزر ہی جائے گا، اور پھر؟

"...... پھونک ڈالیں جو مری کشتِ ہوش"

کتنی مدت گزر گئی پیار کی باتیں کئے ہوئے اختر! بعض وقت تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ساری صلاحیتیں خشک ہو کر رہ گئی ہیں، مگر جانتی ہوں کہ تمھاری جانب سے اشارہ پاتے ہی یہ سوتے پھوٹ نکلیں گے۔ پھر میری جوانی عود کر آئے گی اور یہ زہد کی خشکی دور ہو جائے گی۔

تمھارے کپڑوں پر ادیس ہر وقت قبضہ جماتا ہے۔ مجھے بلاؤز تک بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ان کی دعویداری غلط بھی نہیں ہے۔

اس کا حق تم پر مجھ سے کم نہیں ہے۔ پھر وہ تمھیں یا مجھے کیوں معاف کر دے۔

یہ برمن بہت موذی واقع ہوا ہے۔ کوئی بھی میوزک ڈائرکٹر دو مہینے میں کام نبٹا دیتا ہے۔ یہ جان جان کر بھی ستا رہا ہے۔ شاہد کے معاملات کس منزل سے گزر رہے ہیں؟ سدھا کے لئے ایک آدھ گانے کی شکل پیدا کر سکو تو اچھا ہے۔

میرا Pittaz اب تم ساتھ ہی لانا۔ پارسل کی جھنجھٹ مت کرو۔ ہیں آج کل اس کا کروں گی بھی کیا۔

اور کیا لکھوں۔ تمھاری یاد ہے اور تمھارا تصوّر بس۔

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر!"

سچ جانو اختر! اگھٹ کر رہ گئی ہوں میں تو اس بھوپال کی دنیا میں Friendlez ہو کر جینا بھی کیا جینا۔ بس تمھاری اس پانسو میل کے فاصلہ والی دوستی میرا ساتھ دے رہی ہے ورنہ میں تو مر جاتی۔ یہاں تو کسی سے میری دوستی کا امکان ہی نہیں نظر نہیں آتا اور نہ دشمنی کا۔ بس بے تعلقی اور کم رسمی، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

اچھا، پیاروں بھری یاد کے ساتھ

تمھاری صفیہ

بھوپال
۲؍اپریل ۱۹۵۰ء

اختر!

تمھارا خط سنیچر کو اس وقت ملا جبکہ میرا خط پوسٹ ہو چکا تھا۔ ادیب کو میں نے خوشخبری سنا دی۔ چنانچہ رشید کے استقبال میں اسٹیشن جانے کو تیار رہتا ہے۔ اور خوشی کی کوئی حد نہیں ہے۔ ابی ضرور میرے لئے ہوائی جہاز بھیجیں گے۔ پھر میں اسی میں اُڑ کر ان کے پاس پہونچ جاؤں گا۔"

ہاں تم نے پروگرام میں جو تبدیلی تجویز کی ہے اس سے فکر بڑھ گئی ہے ایسی صورت میں جبکہ تمھارا آنا ممکن نہیں ہے اچھا ہی ہوتا کہ میں براہِ راست بمبئی آجاتی اور پھر جون میں لکھنؤ جاتی لیکن میری صحت کے مسئلے نے لکھنؤ جانا ضروری سا کر دیا ہے۔ پھر اگر لکھنؤ پہلے جاتی ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پندرہ بیس دن سے پہلے وہاں سے نکاسی نہ ہوگی۔ پھر بچوں کو کہاں کہاں لئے پھروں گی؟ موجودہ شکل میں بہترین بات تو یہی ہوگی کہ میں سیدھی بمبئی آؤں اور پھر جون میں لکھنؤ جایا جائے۔ لیکن یہ بیماری کی پریشانی؟ اس کے ذمہ دار تم رہنا۔

اور کیا لکھوں۔ انجکشن کا دوسرا کورس بھی پورا ہو گیا ہے۔ تکلیف بہت کم ہو گئی ہے۔ مگر مجھے یہ بیماری کچھ میعادی سی لگتی ہے۔ ابو کو تقریباً یہی مرض چھ مہینے تک رہ چکا ہے۔ بہر حال گولیاں اور دوائیں استعمال کر رہی ہوں کل اختر سعید آئے تھے۔ نوشہ صاحب سے میری طبیعت خراب سن کر کوفت مت کرنا دوست۔ تم جیسا چاہو گے، ویسا ہی ہو گا۔" تو نے جو چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا۔"

تمھاری صفو

بھوپال

۳ر اپریل ۱۹۵۱ء

میرے ہی اختر!

ہزاروں پیار اور بہت سی دعائیں۔

تمھارا پہلی کا لکھا ہوا خط[1] مجھے آج منگل ہی کو مل گیا۔ حسب اندیشہ تمھاری طبیعت حد سے زیادہ بدمزہ اور بکدر ہی دوست! تم جانتے ہو کہ یہ دور عجیب خلفشار کا دور ہے۔ بقول شخصے ہر چہرے پر ناآسودہ خوشیوں اور نامراد امنگوں کی کہانی لکھی ہوئی ہے۔ تم اس ناآسودگی کو اپنی ذاتی شکست خوردگی کیوں سمجھو؟ آج دنیا کے مسائل ہی اس طرح الجھے ہوئے ہیں کہ ہمیں فی الحال کوئی روشن حل قریب نہیں دکھائی دیتا اور ہم بھی اس دنیا کا ایک حصہ ہیں۔ ہمیں بھی غیر مطمئن اور ناآسودہ رہنا ہے اور اسی طرح پوری بہادری سے جینا ہے۔ اس لئے کہ ہمارا یقین ہے اور ہمارا ایمان کہ ہم نے اگر یہ Fight برقرار رکھی تو جیت ہماری ہی ہوگی۔

دوست! اپنے گرد و پیش نظر کرو۔ بمبئی میں بڑی آسانی سے قریب ہی تم کو ہزاروں مثالیں خود سے زیادہ ناآسودہ اور خود سے زیادہ شکست خوردہ شخصیتوں کی مل جائیں گی۔ میں تو شکر کرتی ہوں کہ ہم تو پھر بھی بہتوں سے بہتر حالت میں ہیں۔ تم برسرِ روزگار ہو۔ خدانخواستہ کسی کے دست نگر نہیں۔ تمھارے بچے آرام سے ہیں۔ اور اچھی طرح پل رہے ہیں۔ مجھے تمھاری محبت تمھاری سرپرستی، تمھارا اعتماد سبھی کچھ حاصل ہے اور تمھیں میری پوری ہستی۔

---

[1] یہ خط اپریل فول کے سلسلے میں مذاقاً لکھا گیا تھا۔

میری پوری زندگی پھر ہم اپنے کو ہارے ہوئے انسانوں میں سے کیوں سمجھیں ؟ تھک مت جاؤ ساتھی ، یہ خود فریبی نہیں حقیقت ہے کہ آج نہیں تو کل ایک روشن سویرا بھی جھلک اٹھے گا ۔

تنہائی اور اس طرح کی بے تکی زندگی بہت تکلیف دہ ہے ۔ مگر ذہنی سہارے بڑی تسکین کا باعث بن سکتے ہیں ۔ اس میں شبہ نہیں اگر میری محبت میری وفاداری اور میرا خلوص تمہیں اس شکست خوردگی کے احساس سے نجات نہ دلا سکا تو میں جان لوں گی کہ ضرور مجھ ہی میں کچھ کمی ہے جسے مجھے ضرور دور کرنا چاہیئے آخر تم نے خود کو مجھ سے علیحدہ کیوں کیا اور یوں طبیعت کو بدحظ کیوں کیا ؟ خوش رہو کھاؤ پیو ، ہنسو اور بہت سا کام کرو اس یقین کے ساتھ کہ ایک گرم دل اور نازک دھڑکنیں تمہیں پیار ، عزت ، فخر اور غرور سے اپنا سمجھتی ہیں ۔ تم کبھی بچوں کی طرف نگاہ کرو اور دیکھو کہ انہیں تم پر کیسے کیسے ناز ہیں ۔ زندگی کی یہ مسرتیں ہمیں ہر مخالفت اور ہر مزاحمت سے ٹکر لینے کے قابل بنا سکتی ہیں ۔

گھبرا مت جاؤ دوست ! میری طرف سے یہ اعتماد پیدا کرو کہ ہر گھڑی گھڑی میں میرے لئے تمہارے ہی دم سے راحت ہے اور تمہاری ہی محبت سے تسکین ۔ تمہاری بے پناہ دلداریاں اور تمہارا یہ گداز میری ہر چیز سے ، یہاں تک کہ میری ہستی سے بھی زیادہ ہے میں اس کا بدل تمہیں صرف اتنا ہی دے سکتی ہوں کہ میں تمہاری ہی ہوں اور تمہاری ہر مشکل میری ہے ۔ میں ہر مشکل کو راحت میں تبدیل کروں گی ۔ اور ہر دشواری کو تمہارے لئے آسان بناؤں گی ۔ مجھ پر بھروسہ کرو اور خود پر بھی ۔ پھر یہ شکست کا احساس تم میں نہ ابھرے گا ساتھی ۔

اچھا آؤ، معصوم بچّوں کی طرح ہر آلودگی سے پاک ہو کر میرے سینے پر سر رکھ دو اختر! میں کبھی کبھی تمہیں وہ محبت بھی دے سکتی ہوں جو بچے کو ماں سے ملتی ہے تاکہ وہ پروان چڑھ سکے۔ اختر آج سے تم ایسے خراب اندیشے ذہن میں پھر نہ لانا۔ زندگی بہت قیمتی ہے اور عزیز اور پھر تمہاری زندگی، اس کی قیمت کوئی مجھ سے پوچھے، آؤ ہم ایک دوسرے سے مل کر ایک ہو جائیں۔

تمہاری صفّو

بھوپال
۳ر اپریل ۵۱ء

اختر میری جان!

دوپہر کو تمہارا خط ملا تھا۔ اسی وقت جواب لکھنے بیٹھ گئی تھی۔ پھر خط پوسٹ نہ ہو سکا۔ اب شام کو اسٹیشن بھجوا رہی ہوں۔ تمہاری شوریدہ سری سے سخت وسوسے پیدا ہو رہے ہیں۔ آؤ میری جانب دیکھو پیار سے، ملامت سے۔ آج سے میں تمہارے دل میں بھی ایسے خیالات کا آنا نہ برداشت کروں گی۔ تمہاری زندگی، تندرستی اور مسرّتوں کی مجھے ضرورت ہے۔ میرے بچّوں کو ضرورت ہے تمہارے ادبی حلقے کو ضرورت ہے۔ خود آج زندگی کی بڑھتی ہوئی تحریک کو ضرورت ہے۔ تم اس طرح جینے کے مفہوم کو بعض وقت محدود نہ کرلیا کرو۔ خود کے لئے نہیں دوسروں کے لئے جیو۔ پھر غم تمہارے پاس بھی نہ پھٹکے گا۔

آؤ مسکراؤ، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر۔ بڑے آئے قاتل بننے والے میری امانت کے! تمہاری زندگی پر تمہارے علاوہ دوسروں کو

بھی اختیار حاصل ہے سوئے بھول مت جایا کرو۔

اچھا کڑوی باتیں سوچنا ترک ، اور ہنسی خوشی کی گفتگو شروع ہونی چاہیئے۔ میں جانتی ہوں، تم اُداس ہو جاتے ہو۔ میں بھی ہو جاتی ہوں، مگر آؤ حوصلہ نہ کھوئیں۔ ہمت نہ ہاریں۔ باُمید رہیں اور فتح مند۔ شکست ہماری ہو نہیں سکتی۔

تمھاری دوست ساتھی

اور دُلہن

بھوپال

۴ ، اپریل ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر!

ایک خط کل شام پوسٹ کر چکی ہوں، آج کالج میں معلوم ہوا کہ تعطیلات ۲۱ ، اپریل سے ہو رہی ہیں۔ تم اپنا بنایا ہوا پروگرام لکھو سوچتی ہوں آسانی اسی میں ہے کہ پہلے لکھنؤ روانہ ہو جاؤں۔ وہاں ڈاکٹروں کو دکھا کر دوا وغیرہ لے لوں، پھر چوتھی یا پانچویں مئی تک تمھارے پاس پہنچ جاؤں۔ دونوں بچے بھی آجائیں تو اچھا ہی ہے۔ انھیں تمھارا اور تمھیں ان کا پیار مل سکے گا۔ ویسے تمھارا فیصلہ میرے لئے فائنل ہو گا۔

میری اس تجویز پر غم و غصہ مت پیدا کرنا۔ تمھارے ایک اشارے میں میں جس حال میں ہوں ویسی ہی آسکتی ہوں۔

تمھاری صفو

بھوپال

۱۰، اپریل ۵۱ء

اختر میرے!

کل شام تمھارا خط ملا۔ شکر ہے تم اچھی طرح ہو۔ تم اختر مجھے اس طرح دہلانہ دیا کرو۔ میں تو تمھارے اس خط سے سہم سی گئی تھی۔

تم نے جو پروگرام لکھا ہے اُسی پر عمل کروں گی۔ اکیس کی شام کو لکھنؤ روانہ ہو جاؤں گی۔ وہاں پہونچتے ہی ڈاکٹر مہ سے مشورہ کرنا ہے گو کہ اب تو اس بات کا یقین سا ہو گیا ہے کہ ڈاکٹر مہ کے علاج سے زیادہ مجھے تمھارا ساتھ راس آئے گا۔ اب تکلیف بہت کم رہ گئی ہے۔ اور وہ تمھیں دیکھنے سے ہی جاتی رہے گی۔

ادیس البتہ کئی دن سے بخار میں مبتلا ہے۔ انفلوئنزا ہو کر جو بگڑا ہے تو اب تک نہیں جاتا۔ دوائیں دیتے دیتے جی عاجز ہو گیا ہے اور طبیعت کی فکرمندی سوا الگ۔ اس بار بیماریوں کی کوئی قسم ہم لوگوں سے بچ نہ رہی۔ امتحانِ وفا کو تو سخت تر ہونا چاہیئے

جاوید کے دو خط تمھارے نام آئے ہیں۔ بھیج رہی ہوں۔ اس کی پیدائش ہی مجھے چند دنوں کی بات معلوم ہوتی ہے۔ اور اب وہ خط بھی لکھنے لگا مجھے بڑی فاتحانہ مسرت ہوتی ہے اس کی ذہانت اور اُس کے دماغ کو دیکھ کر۔ میں نے تمھارا بہترین عنصر تم سے نچوڑ کر اپنا لیا ہے نا؟ لیکن تم نے بھی کچھ نہیں کھویا بلکہ پایا ہے۔ اس کا دوسرا خط پڑھنے میں شاید تمھیں دقت ہوگی۔ لکھا ہے "ابی وہ تیر (شعر)، جو آپ نے لکھا ہے ——

"اے دل[1] مجھے ایسی جگہ لے چل جہاں کوئی نہو" غلط ہے۔ اس کو گمان ہے کہ یہ مصرع تمھارا ہے اور اس پر تنقید کی ہے، اُس نے۔ ظاہر ہے وہ تم جیسے رومانی انقلاب پسندوں سے آگے ہوگا۔ وہ فرار کا قائل نہیں ہوسکتا! تم گھبرا جاتے ہو اور شکست محسوس کرنے لگتے ہو۔ وہ ڈٹ کر لڑے گا اور تم سے آگے بڑھ جائے گا۔ ہے نا! آؤ دونوں مل کر اُسے پیار کریں اور اپنے جذبات کے دھاروں کا ایک سنگم تلاش کرلیں۔

بٹوؤں کا پارسل نہیں پہونچا۔ دوکان پر پوچھنا اگر پارسل روانہ نہ ہوا ہو تو خود لے کر رکھ لینا اور اپنے ساتھ لانا۔

اب تو بس یہ خوشی ہے کہ اس قید تنہائی سے نجات ہوگی بہت جلد۔ اور تم کب ملوگے۔؟ پیار لو۔

تمھاری صفیہ

بھوپال

۱۱ر اپریل ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر!

کل خط لکھ چکی ہوں۔ تمھارے خط کا انتظار ہے۔ کل بہت دنوں بعد بھولی بسری یادیں تازہ ہوگئیں۔ سلمیٰ[2] کا خط کراچی سے آیا۔ بہت ہی مفصّل سا۔ چار بیٹوں کی ماں بن چکی ہے اور اس پر بہت خوش ہے۔ شان صاحب کے لئے لکھا ہے کہ وہ ہم سب کو بہت یاد کرتے ہیں۔ اس کے خط کا جواب جو بعد لکھوں گی۔ مجھے اس کا خط پاکر تھوڑی دیر کے لئے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا

---

[1] یہ مصرع مجاز کی ایک فلمی غزل کا ہے [2] سلمیٰ شان الحق حقی

طالب علمی کا علی گڑھ والا دور دوبارہ لوٹ آیا ہے۔ کیسی معصوم اور غیر ذمہ دارانہ زندگی تھی۔ آج ہر بات پر کتنی سنجیدگی سے غور کرنا پڑتا ہے۔ تب کوئی مسئلے ہی نہ تھے سوچنے کو، زبردستی پریشانیاں پیدا کی جاتی تھیں۔ آج ان پر قابو پانے ہی کے لیے زندگی وقف ہو رہی ہے۔ بہر حال زندگی اسی کا نام ہے۔ "ہم کیا کریں تم کیا کرو"

جادو کے خط تم کو مل گئے ہوں گے، انہیں جواب لکھ دو چھوٹا سا، خوشی سے پھولا نہ سمائے گا وہ۔ تم تو جانتے ہو وہ مجھ سے کہیں زیادہ چاہتا ہے ادیس غریب کا سارا موٹاپا نکل گیا، کوئی بیس دن سے بخار برابر آ رہا ہے اسکی تیمارداری بھی کرنی ہی ہوتی ہے، دراصل وہ پرہیز نہیں کرتا۔

بعض وقت تو بڑا جی چاہتا محسوس ہوتا ہے کہ چھٹی ہو کر بھی تمھارا میرا یکجا ہونا مشکلوں میں پڑا ہوا ہے۔ مگر تم یقین رکھو میں حوصلہ نہ کھوؤں گی اور تم بھی بددل مت ہو، یہ ساری تلخیاں گوارا بنانی ہی ہیں۔

تمھاری اپنی صفو

بھوپال
۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر!

خط ملا، اور بٹوے بھی پہونچ گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بٹوؤں کے انتخاب میں تم نے ساڑیوں کا انتقام ملحوظ رکھا ہے۔ سرخ والا یقیناً ہے خوبصورت لیکن کالج کیسے لے کر جا سکوں گی۔ البتہ چھوٹا تو صوفیانہ ہے تمھارا خیال میرے حوصلوں کو بہت بڑھا دیتا ہے دوست، تمھاری محبت میں

میں نے نرالا مزا پایا ہے۔

اب تم مجھے بمبئی بلا رہے ہو، میں تیار ہوں، البتہ جادو کو نہ دیکھ سکنے کا قلق ہوگا۔ تمھیں اس کا بدلہ صرف اسی طرح چکانا ہوگا کہ تم جون میں لکھنؤ چلو جادو کو دیکھنے۔

ہاں ایک بات ضرور لکھو، کمرے میں پنکھا تو شاید ہی ہو، البتہ اگر مکان میں .A. G ہو تو پھر اپنا پنکھا لیتی آؤں۔ بمبئی میں پنکھے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔

خط لکھو، ایک مرتبہ پھر اپنے آخری فیصلے سے مطلع کرو۔ سامان کی تیاری اسی کے مطابق کرنی ہوگی۔ اچھا پیار

تمھاری صفو

بھوپال

۱۹ر اپریل ۱۹۵۱ء

اختر۔ میری جان۔

خط مل گیا۔ میں بائیس کی دوپہر کو روانہ ہو کے تیئس کی صبح کو پہنچوں گی اگر تم دادر پر مل گئے تو ظاہر ہے کہ وہیں اترنا ہے ورنہ .V. T پر ملوں گی۔

تمھیں مکان کے لئے نہ معلوم کیا فکریں جھیلنی پڑ رہی ہوں۔ بہرحال اب تو آ رہی ہوں۔ آسائش تو مجھے تمھارے ساتھ ہی مل سکتی ہے اور تمھارے بغیر کتنی ہی آسائش کیوں نہ ہو بے مزا ہوتی ہے۔ تم اس کا خیال مت کرو۔ البتہ مجھے جادو کے چھٹ جانے کا دکھ ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میری شخصیت میں سے کوئی چیز کم سی ہو گئی ہو بس، تم جون میں اس کے

پاس چلو گے یہ طے سمجھو۔ اچھا اب باقی تیئس کو

تمہاری صفو

لکھنؤ

۲۶، جون ۵۱ء

اچھے اختر

تم سے رخصت ہو کر یہ ایک ہزار میل کی مسافت طے کر کے لکھنؤ پہنچ ہی گئی۔ تم سے فوراً اپنی خیریت کی اطلاع کرنے کا وعدہ کر آئی تھی، پھر بھی تاخیر ہوئی کچھ تو حالت بہت تباہ تھی، دوسرے گھر کے ہنگامے نے مہلت نہ دی۔ نہ معلوم تم کیسے ہو کس حال میں ہو، اپنی خیریت کے لئے مت تڑپانا۔ خط لکھو اور جلد لکھو۔

میں نے یہاں ڈاکٹر بوس کو دکھا دیا ہے۔ ان کی تشخیص کے مطابق میری بیماری محض اعصابی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ یا تو مجھے Normal Life میسر ہونی ضروری ہے یا پھر یہ کہ میں کوئی مختلف Philosophy of Life اختیار کروں بہر حال یہ تو باتیں ہیں۔ علاج شروع کیا ہے اور کوشش میں ہوں کہ یہاں کے Neurologist کو بھی دکھا دوں۔

جادو مجھے پا کر بہت خوش ہے اور بھائی کے ساتھ کھیل میں مست ہے۔ اب اردو تو خوب روانی سے پڑھ لیتا ہے۔ اس کے لئے جامعہ کے مکتبہ سے کتابیں ضرور خریدنا، میرے کپڑے دُھل کر آ جائیں تو انھیں محفوظ کر لینا اور ہاں Couch کا آرڈر دے دینا، بن کر آ جائے گا۔ اویس (سینئر) آ گئے تو تمھیں کچھ ان کی معرفت ضرور بھجواؤں گی۔

اچھا - پیار اور دعائیں۔

تمھاری صفو

لکھنؤ

۲۸ رجون ۱۹۵۸ء

اختر میرے

آج پورا ایک ہفتہ ہو رہا ہے تم سے رخصت ہوئے اور کوئی حال تمہارا نہیں معلوم۔ جان سکتے ہو کہ دل و دماغ کی کیا حالت ہو سکتی ہے؟

یہاں کے حالات:- ڈی بہادر کے انگلستان چلے جانے سے عجیب بے بسی علاج کے سلسلے میں محسوس ہوتی ہے۔ کل میڈیکل کالج کے پرنسپل بھاٹیہ کو دکھا دیا۔ انھوں نے فیس وصول کرنے کے بعد یہی کہا کہ مرض پیچیدہ ہے اور اس کا علاج کسی طرح گھر پر ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ مجھے فوراً اسپتال میں داخلہ لے لینا چاہیے اور کم سے کم ایک ڈیڑھ مہینہ علاج کی اشد ضرورت ہو گی۔ میں نے کئی بار سوچا کہ بچوں کو چھوڑ کر پھر بمبئی چلی آؤں اور وہاں اسپتال کی جو سہولتیں میسر آ چکی تھیں ان سے دوبارہ فائدہ اٹھاؤں۔ لیکن ایک طرف تو اویس کی تنہائی کا خیال آتا ہے۔ دوسری طرف بمبئی کی برسات کا بھی لحاظ ہے۔ وہاں کا موسم مرض کو زیادہ نہ بڑھا دے۔ آج سالم کے ساتھ میڈیکل کالج جاتی ہوں۔ وہاں کا جنرل وارڈ دیکھوں گی۔ اگر قابل برداشت ہوا تو اسی میں داخلہ لے لوں گی ورنہ پھر پرائیویٹ وارڈ تو ہے ہی۔ البتہ پرائیویٹ وارڈ کے اخراجات بہت اونچے ہیں۔ ایک مہینہ کا صرفہ پانسو سمجھ لو۔ ملازمت سے چھٹی الگ لینی ہوگی۔ اسپتال کا سرٹیفکٹ ملنے پر میڈیکل Leave تو مل ہی جائے گی۔

تم سب باتوں پر غور کر کے مجھے فوراً خط لکھو۔ بمبئی آنے سے یوں بھی رکاوٹ ہوتی ہے کہ تم دن رات گھبراؤ گے، انھیں سات آٹھ دنوں میں، جب وہاں میں اسپتال میں رہی تم نے اپنا حشر خراب کر لیا تھا۔
اور کیا لکھوں سوا اس کے کہ میرے پیارے تم کو ڈھونڈھتے ہیں ساتھی۔

تمھاری صفیہ

لکھنؤ
۲۔ جولائی ۱۹۵۱ء

اختر میری جان!

میں پھر ہاسپٹل میں ہوں۔ معلوم ہوا ہے کہ سرکاری ملازموں کے لئے علاج میں کچھ رعایت ہوتی ہے اسی لئے میں نے پرائیویٹ وارڈ کے لئے کوشش کی تھی لیکن پرائیویٹ وارڈ صرف تین ہیں اور سب گھرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہی جنرل وارڈ، Bed No. ۱ اور میں۔ دیکھو کیا شکل بنتی ہے۔ ابھی Investigation کا سلسلہ چل رہا ہے۔ بعد میں علاج تجویز ہوگا۔ بمبئی کے ہاسپٹل کی یاد آتی ہے۔ یہاں کی بدنظمی کا حال کیا کہوں اسپتال کیا ہے۔ ایک رومانس کلب سمجھ لو، دن رات تماشے دیکھنے میں آتے ہیں۔ امید ہے پرائیویٹ وارڈ جلد خالی ہو جائے گا۔ اور میں اس میں منتقل ہو جاؤں گی۔ یہاں کے مقابلے میں سکون ملے گا دوسرے کچھ Status بڑھ جانے کی وجہ سے علاج میں سہولت ہوگی۔ ہمارے یہاں سرکاری اسپتالوں میں علاج کے سلسلے میں بھی امیر اور غریب، بڑے اور چھوٹے کی تفریق برتی جاتی ہے

البتہ وہاں منتقل ہونے پر تنہائی کا مسئلہ سخت طریقے پر پیدا ہو جائے گا سوچتی ہوں عثمان اور ادیس کو پاس رکھ لوں گی اور بس یہی سمجھوں گی کہ بھوپال میں ہوں، غرض کہ "باید سوخت و باید ساخت" یہاں پرائیویٹ وارڈ میں عام طور پر جوڑے ہی مقیم ہیں۔ ایک پروفیسر شکلا ہیں اور ان کی بیوی۔ وہ Maths پڑھاتے ہیں اور بیوی بہت ہی ادب نواز واقع ہوئی ہیں۔ ایک کہانی فلم کے لئے لکھی ہے چاہتی ہیں کہ کوئی قبول کرے۔

خط لکھو اور ہر بات پوری تفصیل سے لکھو۔ آجکل تو تمہیں اور بھی جلدی جلدی خط لکھنے چاہئیں۔ مجھے زندہ رکھنے اور مجھ میں تندرستی کی خواہش پیدا کرنے میں تمہارا ہی ہاتھ ہو سکتا ہے دوست!

تمہاری اپنی صفیہ

لکھنؤ

۳ر جولائی ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

آج پرائیویٹ وارڈ خالی ہو گیا۔ کوئی دس روپے روز کا صرفہ اوسطاً ہو گا۔ لیکن یہاں کا جنرل وارڈ قطعی ناقابل برداشت ثابت ہو رہا ہے خصوصاً اسٹوڈینٹس کے ہنگاموں کی وجہ سے۔ اس لئے منتقل ہو رہی ہوں۔ ایک ڈیڑھ مہینے کا علاج بتاتے ہیں ڈاکٹر۔ ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست بھیجوں گی۔ جو کچھ بھی ہو۔

عثمان صبح شام کھانا لے کر آتا ہے۔ اس سے تو بمبئی کا جنرل وارڈ ہی مزیدار تھا۔ تمام دن انتظار دوست میں کٹ جاتا تھا اور چار بجے تم ضرور ہی

آتے تھے۔ اب صرف تمھاری یاد ہے جسے سینے سے لگائے ہوئے ہوں۔
احسان کو میری دعائیں کہو۔ خدا کرے اس کی پریشانیاں جلد دور ہوں۔ ہاں عصمت آپا کے یہاں سے زیور اور ایک ریشمی ساڑھی ہے وہ ضرور لے لو۔ اچھا بہت سے پیار

تمھاری صفّو

لکھنؤ

۴ جولائی ۵۱ء

میرے اختر!

ہزاروں پیار، تمھارا تین کا لکھا ہوا خط ملا۔

میں کل شام پرائیویٹ وارڈ میں منتقل ہو کر آگئی ہوں۔ خرچ ضرور بہت ہے لیکن ذہنی سکون کے لئے یہ بہت ضروری تھا۔ بس ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک بہت لمبا سفر تھرڈ کے ڈبے میں طے کر کے آج ہی گھر پہونچی ہوں۔ سوچو، آج چھ دن بعد نہانے کا موقع آیا۔ کمرہ بہت ہوا دار اور پُرفضا ہے۔ چاہوں تو بچے بھی ساتھ رہ سکتے ہیں۔ لیکن ہنگامے میں اضافہ ہوگا۔ فی الحال تنہا ہوں، رات اندھیرے کمرے میں کروٹیں بدل بدل کر تمھاری یاد سے خود کو تھپکیاں دیتی رہی۔ عثمان صبح شام کھانا لے کر آتا ہے اور ضروری چیزیں بھی پہونچا جاتا ہے۔

مرض کی تشخیص تقریباً ہو گئی ہے۔ ایک پنجابی لڑکا اسی مضمون پر Research کر رہا ہے۔ وہ مختلف جانچیں کر رہا ہے۔ کل سے علاج شروع ہوگا۔ چنانچہ کل .T. A. B کا انجکشن ہوگا۔ جس سے چوبیس گھنٹے کے لئے تیز

بخار آئے گا۔ آج میں نے گھر پرچہ لکھا ہے کہ خانساماں کو کل کے لئے بھیجدیں، یا پھر عثمان اور اویس آکر رہ جائیں گے۔ تم خود کو کسی طرح فکرمند نہ کرنا۔ اب تو مجھے پوری طرح تندرست ہو ہی جانا چاہیئے۔ یہ تمام بیماریاں پچھلے Abortion کا نتیجہ بتائی جاتی ہیں۔ تشخیص تو سمجھو کہ بھوپال کی سوبھا لکشمی اور بمبئی کی لیڈی ڈاکٹر Disa اور یہاں والوں کی ایک ہی ہے البتہ علاج شاید یہاں ضابطے سے ہو سکے۔

نلستان والوں نے کیا معاملہ لٹکا ہی دیا یا کوئی صورت برآمد ہوتی نظر آتی ہے؟ سب کچھ لکھو۔

یہاں ایک "نوخیز لورا" بھی موجود ہے۔ گو کہ اس کا نام مس مگرجی ہے اتنے عرصے بعد یہ تلاش کامیاب ہوئی۔ اتفاق سے میرا ہاؤس سرجن بھی خوبصورت واقع ہوا ہے اور تم جانتے ہو کہ خوبصورتی مجھے کھینچتی ہے۔ البتہ یہ ضرور جی چاہتا ہے کہ تم بھی میرے حظ میں شریک ہو سکتے کبھی کوئی خوبصورت چیز دیکھوں تو تمھاری موجودگی اور تمھاری شرکت کی تشنگی ضرور محسوس ہوتی ہے مجھے۔

شاید اب دو ایک دن بخار کی وجہ سے خط نہ لکھ سکوں۔ اچھا خوش رہو تم۔

تمھاری صفّو

لکھنؤ

۹ جولائی ۵۱ء

اختر!

اویس سے مل کر ایسا معلوم ہوا جیسے کہ تم بھی قریب کہیں ہو گے!
تم گھبراؤ نہیں، میں اچھی ہو جاؤں گی۔ کل پھر انجکشن ہو گا۔
خالسامن میرے پاس ہے فکر مت کرو۔ مجھے اچھے خط لکھو۔

تمھاری صفو

لکھنؤ

۱۰ر جولائی ۱۹۵۳ء

جانِ عزیز!

خدا کرے تم بعافیت ہو۔ ایک مختصر سا پرچہ اویس کی معرفت بھیج چکی ہوں زبانی حال بھی ان سے سنو گے۔ انجکشن کل نہ لگ سکا۔ آج لگے گا۔ طبیعت ٹھیک ہی سمجھو۔ یہاں ہوسٹل میں علی گڑھ کی پڑھی ہوئی ایک کامریڈ ہیں بانو اُن سے بہت تقویت رہتی ہے۔ سالم بھی برابر آتے رہتے ہیں۔ دیکھو اس ساری کاوش کا انجام بخیر ہو۔ ورنہ پھر ساری اچھی توقعات کا خون ہو گا اختر!
تم اپنی صحت مت گرانا کہیں خدانخواستہ یہ دن تمھارے لئے نہ آجائیں۔
کھانے کی طرف سے بے توجہی تمھارا شعار بن گئی ہے۔
سارے حالات مجھے لکھو۔ ساتھ رہ کر تو تم ہر تفصیل مجھے بتائے بغیر رہ نہیں سکتے۔ پھر؟
اچھا۔ آؤ تمھارے زانوں پر سر رکھ کر آنکھیں بند کرلوں۔

تمھاری اپنی

صفیہ

لکھنؤ

۱۱ جولائی ۱۹۵۱ء

جانِ عزیز اختر!

تمہارے دو خط ایک ساتھ ابھی ابھی عثمان لے کر آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کئی خط میرے جو میں نے کمرہ ۴۲ کے پتہ پر بھیجے تھے گم ہو گئے۔ میں نے اسپتال سے تقریباً ہر روز تمہیں خط لکھا ہے۔ تم میرے تنہا رہنے پر ناخوش ہو۔ میرے ساتھ دو ایک دن ہی کوئی ملازمہ نہیں رہی۔ بقیہ اس طرف مستقل خانساماں میرے پاس تھی۔ اب ملائی والی عورت میرے پاس موجود رہتی ہے۔ اختر! میں اس طرح تو کبھی اچھی نہ ہو سکوں گی۔ اگر وہاں سے بیٹھے بیٹھے اپنا دل اس طرح کڑھاتے رہو گے۔ مجھے بہت جلد جواب لکھنا۔ ورنہ میں علاج ختم کر کے گھر آجاؤں گی۔ پھر کچھ بھی ہو۔

پیاروں کے ساتھ،

تمہاری صفو

لکھنؤ

۱۸ جولائی ۱۹۵۱ء

اختر عزیز میری جان!

تمہارا سولہ کا لکھا ہوا خط کل سترہ کی شام کو پہونچ گیا ورنہ عموماً پانچ دن میں بمبئی سے خط آنے لگا ہے۔

میرا یہاں تنہا گزر کرنا تمہارے لئے دو رسے بہت اذیت انگیز ثابت ہوا اس لئے کہ ایک تو تمہیں میرے آرام و تکلیف کی فکر ہو گئی۔ دوسرے یہاں

کے پرائیویٹ وارڈ کا انداز تم کو نہیں معلوم ہے۔ پہلے اس میں دو وجہوں سے ملازمہ کا انتظام نہ کر سکی۔ ایک تو خود ہسپتال میں تھی۔ دوسرے یہ کہ نئی ملازمہ اپنے پاس نہ رکھنا چاہتی تھی۔ چور نکل جائے بدمعاش نکل جائے مجھے یقین تھا کہ گھر والے کچھ نہ کچھ شکل خود ہی پیدا کریں گے۔ ورنہ پھر جا دو وادیں تو کہیں گئے نہیں ہیں۔ چنانچہ وہی ہوا کہ خانساماں مجھے پانچ سے ہی مل گئی۔ اور جس وقت اس کا جانا ہوا جعفو کی ماں آگئی۔ لیکن اختر یقین کرو کہ مجھے یہ نہ خیال گزرا تھا کہ تم اس میں اپنی موجودگی اور غیبت کا فرق پاؤ گے اور اسپتال سے واپس جانے کی بات کرکے اختر سچ جانو میں نے تم پر کوئی اثر ڈالنا نہیں چاہا تھا۔ میں نے اس لیے ایسا ہی محسوس کیا اور لکھ دیا میں تمہیں چاہتی ہوں اس لئے کہ یہ میری زندگی کی ضرورت بن چکی ہے اور تم بھی مجھے اس وقت تک ضرور چاہو گے۔ جب تک میں تمہاری زندگی میں ضروری رہوں گی۔ اور جس دن بھی تمہاری ذہنی جذباتی اور جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کی اہلیت مجھ میں نہ رہے گی۔ میں یقیناً تمہاری محبت کی مستحق نہ رہوں گی۔ لہذا اثر ڈالنے سے نہ آج تک کوئی اچھا نتیجہ نکل سکا ہے اور نہ نکل سکتا ہے اگر مجھ میں صداقت ہے تو تم اس کی قدر ضرور کرو گے۔ ورنہ میں تمہاری نظروں سے گر جاؤں گی۔

اختر میرے دوست! اب غم و غصہ کم کرو۔ جو کچھ ہوا سو ہوا میں نے ہمیشہ تمہارے قابل بننے کے لئے Struggle کی ہے اور اپنی اس Struggle میں کامیاب بھی رہی ہوں میری Progress ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ میں ہمیشہ اسی راستے میں کوشاں رہوں گی۔ جہاں مجھے

تمھارے ہاتھ کا سہارا ل سکے۔

اور پھر آج میری شگفتگی تو دیکھو اختر۔ گیارہ سال کی ملازمت میں پہلا واقعہ ہے کہ اس طرح مجبور ہو کر پڑ گئی ہوں، بچوں کی نگرانی سے مسعود و تمھارے ساتھ سے محروم، اوپر سے خون میں کیسے خطرناک زہروں کی شرکت تشخیص کی جائے۔ بہر حال یہ بھی ایک دور ہے ساتھی۔ میں نے ہر بُرے وقت کو اب تک بہادری سے جھیلا ہے، مجھے وہ گھڑی یاد آتی ہے۔ جب مجھے بھوپال میں اکیلی بے سہارا اور تنہا رہ جانا پڑا تھا۔ اور پھر آج کی گھڑی، کہ تم مجھ سے ایک ہزار میل کے فاصلے پر پڑے ہو۔ اور میں یہاں اسپتال میں کس طرح وقت کاٹ رہی ہوں۔ یہ سب وقت گزر جائیں گے۔ اب انجام کار کسی طرح یہ شکل پیدا ہونی ضروری بن چکی ہے کہ میں تمھارے قدموں کے سایے میں اپنی یہ زندگی آسودگی سے گزار سکوں۔ اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔ میرے اپنے اختر!

اختر مجھے خط ضرور لکھو۔ تمھاری خاموشی بہت بُری ہوتی ہے دوست! آج پھر مجھے .T. A. B کا انجکشن ہوگا۔ شدید بخار ہوگا اور عجیب سرسامی حالت ہوگی۔ ابھی نو بجے ہیں۔ دس بجے تک نرس آکر انجکشن بھونک جائے گی۔ ویسے پنسلین کے انجکشن چھ چھ گھنٹے پر الگ لگ رہے ہیں۔ جادو میرے پاس اتوار کو آیا تھا۔ اُسے میں نے کس کس طرح چمٹایا۔ اور اس پر مجھے کیسا پیار آیا۔ اختر تم نہ جان سکو گے، اُسے پا کر مجھے یقین آجاتا ہے کہ میں تمھیں کبھی نہ کھو سکوں گی۔ گر تم مجھ سے برہم بھی ہوگے تو جادو تمھیں منا ہی لیگا وہ تمھاری تصویر، تمھارا نقش، بلکہ تم خود ہو۔

آؤ میرے پیار اب بھی تمھارے قابل ہیں۔ انھیں قبول کرو

میری جان۔

تمھاری اپنی صفیہ

لکھنؤ

۲۲ر جولائی ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر!

ہزاروں پیار!

تمھارا خط کل شام عثمان لایا۔ تم جانتے ہو کہ تمھاری برہمی مجھے پاگل بنا دیتی ہے۔ مجھے ایک لمحے کا بھی سکون نہیں رہتا، یہ سوچ کر کہ تمھارا احساس میری طرف سے خراب ہے۔ بہر حال اب قدرے بوجھ ہلکا ہوا ہے۔

اختر! نہ جانے کتنی بے شمار فکریں اور پریشانیاں مجھے آن گھیرتی ہیں۔ تم ہی بتاؤ اس تندرستی کے ساتھ میں ملازمت اور اس کی پابندی کیونکر کر سکوں گی؟ پھر تمھاری پناہ میں آکر تم کو بھی وہ راحت و طرب نہ دے سکوں گی جو تمھیں مجھ سے ملنا چاہیئے۔ تم مجھے شاد اب دیکھنا چاہتے ہو اور اگر یہ چیز مجھ سے چھن چکی ہو تو؟ کہاں سے لاؤں گی یہ شادابی تمھارے لئے۔ پھر میرے بچے جن کو میں نے اب تک کسی قدم پر دھوکہ نہیں دیا اور جنھیں میں نے اس سات سال کے عرصے میں وہ سب کچھ دیا ہے۔ وہیں انھیں دے سکتی تھی، ان کا کیا ہوگا؟ انھیں تم کیونکر سنبھال سکو گے؟ تمھیں تو خود سہارے کی ضرورت رہی ہے آج تمھیں مجھ کو ہر ہر طرح سہارا دینا ہے دوست!

آٹھ مہینے ہو گئے مجھے بیمار ہوئے۔ میں نے خود کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی اب تک سیکڑوں روپیوں کا خون ہو چکا ہے۔ اب اسپتال میں ہر ممکن کوشش ہو رہی ہے۔ پر مرض جہاں تھا وہیں ہے اور مزید کریدہ ہونے سے ذہن کو زیادہ پریشان کرنے والی باتیں نکل آئی ہیں۔ بہرحال علاج تو ہو ہی رہا ہے۔

لو میں خط لکھ ہی رہی تھی کہ جادو عثمان کے ساتھ آ گیا۔ اور میرے آنسوؤں کو دیکھ کر بھونچکا سا رہ گیا ہے۔ اب وہ میرے پاس ہی بیٹھا ہے اور تمھیں خط لکھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ تم جادو کو کچھ کتابیں ضرور بھیج دو۔ اردو پڑھنے کا شوق اُسے حد سے زیادہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ یہ خط بھی تیزی سے پڑھنے لگا اور اب میں نے اُسے دھکا دے کر کرسی پر بٹھا دیا ہے۔ ایسے کتابیں ضرور بھیجو اور لکھو کہ تمھیں پیسے ملے یا نہیں۔ نہ ملے ہوں تو پریشان نہ ہونا اختر!

تمھاری اپنی
صفو

لکھنؤ

۳۱ جولائی ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

اس عرصے میں تمھارے تین خط ملے۔ تم نے اپنی محبت بھری باتیں میرے لئے لکھ ڈالیں کہ میں مر کر پھر جی اٹھی ہوں۔ میں جانتی ہوں اختر کہ تمھاری برہمی اور خفگی بھی تمھارے چاہنے کی شدت ہی سے پیدا ہوتی ہے پھر بھی تمھیں ناخوش دیکھ کر میرا جی لرز سا جاتا ہے۔ آؤ میرے دوست!

میرے دل کی ہر دھڑکن تمھیں پیار کرتی ہے۔

آؤ کہ اب سکون سے تمھیں میں اپنا پورا حال سناؤں۔

یہاں داخلے کے بعد مجھے T. A. B. کے انجکشن لگے تھے جن سے مجھے افاقہ تھا۔ ورم وغیرہ گھٹا تھا اور جوڑوں کے درد میں بھی کمی تھی۔ البتہ ایک تازہ تکلیف جو کچھ پہلے سے چل رہی تھی زیادہ نمایاں ہو گئی۔ یعنی ہاتھوں کی اور چہرے کی کھال سخت ہو کر جیسے گوشت سے چمٹ سی گئی ہو۔ اس کے لئے بھاٹیہ نے Thyroid تجویز کیا اور ساتھ ہی انسلین کی سوئیاں شروع کرادیں۔ چنانچہ چالیس لاکھ Unit انسلین چودہ تاریخ سے لے کر چوبیس تک پہونچائی گئی اور ساتھ ہی Thyroid بھی جاری رہا Thyroid سے مجھے بہت تکلیفیں پیدا ہو گئیں اس کے خلاف میں protest کرتی رہی پر ڈاکٹر نے نہ سنی۔ یہاں تک کہ چوبیس کو مجھے ہلہلا کر بخار چڑھ آیا۔ بخار چھ دن تک پوری شدت سے قائم رہا۔ اس دوران میں سب دوائیں بند کر دی گئیں چھ دن بعد بخار خود بخود اتر گیا اور مجھے نہایت زدہ حالت میں چھوڑ گیا۔ بھاٹیہ کا کہنا ہے کہ چار تاریخ کو کالج کے تمام بڑی Physicians کی میٹنگ ہوگی اس میں بلا کر مجھے دکھائیں گے اور بقیہ سب کے مشورے کے بعد مجھے دوا دے سکیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح بغیر دوا علاج کے اسپتال میں Mark time کرنے سے مجھے کس قدر وحشت ہوتی ہوگی۔ میں نے بار بار یہی طے کیا کہ گھر ہی چلی جاؤں اور ڈاکٹر عبدالحمید کو دکھاؤں گی۔ مگر اماں۔ ابا۔ حمیدہ سب کا یہی کہنا ہے کہ سنیچر تک ٹھہر کر یہ آخری مشورہ بھی دیکھ لو۔ اس کے بعد تو ظاہر ہے کہ اسپتال ٹھہرنا بے

معنی ہو گا۔

میں نے سارے حالات تم کو لکھے ہیں۔ تم اپنے کو Upset نہ کر لینا اب سینیچر کو اسپتال چھوڑ دینا ہے اور یہاں کا تجویز کردہ نسخہ لے کر ڈاکٹر عبد الحمید سے ملنا ہے اور انھیں سے اگلا علاج تجویز کرانا ہے۔ اس کے بعد میری خواہش یہی ہے کہ بھوپال روانہ ہو جاؤں۔ اپنے موجودہ حالات میں ملازمت کی جانب سے تغافل کی کوئی ادنیٰ سی گنجائش بھی نہیں ہے۔ علاج وہاں بھی جاری رکھوں گی۔ البتہ Join کرنا ضروری ہے۔ وقت برا ہے۔ یہ روٹی کا ٹھکانا نہیں کھونا چاہیئے۔ ورنہ ہم دونوں کی فکریں بہت بڑھ جائیں گی۔

تم مجھ پر، میرے پیار پر، اور میری جد و جہد پر بھروسہ رکھو دوست بمبئی کے حالات تمھارا ساتھ نہیں دیتے تو کیا غم ہے۔ جب تک میری آخری سانس باقی ہے میری ہر کوشش تمھارے سکون کے لئے ہوگی۔ اب اس بیماری کو کیا کروں، وہ تو آگئی۔

آؤ مجھے اپنے سینے سے لگا لو ساتھی۔ میرا ہر دُکھ درد دور ہو جائے گا۔

تمھاری اپنی صفیہ

لکھنؤ

۱۰ راگست ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

تمھارے محبت نامے مجھے ملتے رہے، میں نے واقعی تمھیں اس طرف کوئی خط نہیں لکھا، اس لئے بھی کہ اپنی الجھنوں سے تمھیں زیادہ پریشان

کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ جانتی ہوں کہ ویسے ہی تم فکرمند رہتے ہو۔

اب میرے حالات سنو! بہ ہزار خرابی ہفتہ کو اسپتال سے چھٹکارا حاصل کر کے شام کو گھر آئی۔ اتوار کی صبح کو ہی جاکر ڈاکٹر عبدالحمید سے ملی۔ اور تمام X-ray اور Test کی رپورٹیں ان کو دکھائیں۔ انھوں نے کوئی دو گھنٹے اپنے یہاں رکھ کر سب تحریری حالات لئے اور بہت توجہ سے دیکھا۔ اس کے بعد شام کو پھر بلایا۔ شام کو اسرار بھائی کے ساتھ گئی۔ اس وقت انھوں نے نسخہ لکھا اور اطمینان دلایا کہ ان کی تشخیص کی رو سے کوئی خطرناک بات نہیں ہے۔ البتہ علاج وقت لے گا۔ جو دوائیں انھوں نے تجویز کی ہیں ان کا استعمال ایک دو ماہ ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد پھر مشورہ ضروری ہو گا۔ میں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ ضرورت ہو تو تعطیل میں توسیع کرا لوں۔ اور ٹھہر جاؤں۔ بولے اس کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ خدا پر بھروسہ کرکے ان کی تجویز کردہ دوائیں منگا لی ہیں۔ اب نوکو کالج Join کرنا ہے۔ کل صبح روانگی کا ارادہ رکھتی ہوں۔ جادو کو بھی لے جا رہی ہوں۔ تین سو روپے میں نے حمیدہ سے لئے ہیں۔ کچھ بچا کھچا ہم لوگوں کے پاس ہو تو ایسے وقت کام آیا کریں۔ بہرحال اپنی روش ہی یہی رہی ہے اس لئے اس پر افسوس کرنے کا سوال ہی نہیں ہے۔

فلمستان والوں نے پھر سہاروں پر زندہ رکھنے کی شرارت چھیڑی۔ نتیجہ کیا ہوا؟ احسان میرے پاس اسپتال آئے تھے۔ چیزیں دے گئے کوئی آدھا گھنٹہ ٹھہر سکے۔ احسان کو دیکھ کر مجھے رونا ہی آ گیا۔ "بوئے دوست" کا اندازہ تو تم کو ہے۔ اب تم جلد ہی بھوپال خط لکھنا۔ میرے اتنے دن خط نہ لکھنے کا انتقام نہ لینا۔ میرے ناز اٹھا لو دوست! کیا پتہ میں زیادہ عرصہ تمھارا ساتھ نہ دے

سگوں۔ پیار لو۔

تمہاری صفو

بھوپال

۱۰ اگست ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

لکھنؤ سے آٹھ کی صبح کو روانہ ہو کر کوئی گیارہ بجے رات کو یہاں پہونچی۔ حسب دستور بارش ہو رہی تھی۔ بہر حال اس مرتبہ پلّہ خاصا بھاری تھا اس لئے زیادہ وحشت نہ ہوئی۔ جادو اور سمائی بھی ساتھ ہیں۔ سنگر مکان خالی کر گئے۔ اب اس فلیٹ میں ڈاکٹر جین آ گئے ہیں۔ اچھا ہی ہے تنہا آدمی ہے نہ جھگڑا نہ فساد۔

کل کالج Join کر ہی لیا گو کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ Fitness رپورٹ بھی لانی ہے ورنہ Join کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔ اس کے لئے آج لکھ رہی ہوں۔ موسم یہاں کا بہت خنک اور سحر آگیں بنا ہوا ہے۔ جادو اس مرتبہ خلاف توقع بہت خوش ہے۔ دن بھر سارے رسالے نکال نکال کر پڑھتا رہا۔ اب بس اسے پڑھنے کا جنون سا ہو گیا ہے۔ رات کے گیارہ بجے تک مطالعہ نہایت ضروری ہے ورنہ نیند نہیں آتی۔ سچ ہے "باپ پر پوت"۔

کل نفیس کا ایک خط ملا کوئی صاحب پاکستان سے آئے تھے ان کے ہمراہ چند تحفے مجھے اور بچوں کو بھیجے ہیں۔ آج اسے بھی خط لکھوں گی۔

تم اپنے مفصل حالات مجھے لکھو۔ اپنی صحت کی طرف سے تم ہمیشہ حد سے زیادہ غیر متوجہ رہتے ہو۔ اب میری گرتی ہوئی حالت دیکھ کر تم کو باہوش ہونا چاہیے۔ نہ معلوم اختر! تم بغیر زندگی کیسی سنجیدہ، خشک اور کھردری بن جاتی ہے۔ میں اپنے کو تمھارے بغیر کسی طرح تازگی اور مسرت نہیں دے سکتی۔ اچھا زیادہ پیار

تمھاری اپنی صفو

بھوپال

۱۴ راگست ۱۹۵۲ء

میرے اپنے اختر!

نامۂ شوق ملا۔

کالج میں آج کل سب پر پندرہ اگست کا بخار چڑھ رہا ہے۔ کل Funotioh ہو گا۔ کیسا جی چاہتا ہے کہ کل کوئی ہمت کر کے اسٹیج پر "چرچل کی چھوری والا گیت چھیڑ دے۔ تمھیں یاد ہے بھوپال کانفرنس کے زمانے میں کالج کے ملازم چھوکرے تک اس گانے کو کس شان سے گاتے تھے۔ اب کس کی مجال ہے۔ ادھو کمار کا کیا حال ہے؟ فلم انڈسٹری انھیں بھی غالباً ہضم کر بیٹھی۔ بعض وقت تو مجھے تم سب کا انجام سوچ کے ڈر معلوم ہونے لگتا ہے۔ ساحر[1] تو اپنی شاعری کا تاج محل سونا ہی کر گئے۔ بندگی بیچارگی کی مثال دیکھو۔ کل مجھ سے اس موقع کے لئے "جناجو رگرم" کی تک بندی کرائی گئی ہے۔ سوچ سکتے ہو۔

---

[1] ساحر لدھیانوی۔

کل جادو کے ماسٹر صاحب کو پھر مقرر کر دیا ہے۔ سوچتی ہوں کہ سترہ تاریخ سے کیمبرج میں داخل کر دوں۔ پڑھائی میں خاصا نکل گیا ہے اب اسکول ہی کی ضرورت ہے۔ اویس کی پڑھائی بھی شروع کر دی ہے۔

سردی کی وجہ سے یہاں میری طبیعت لکھنؤ کے مقابلے میں زیادہ گری رہتی ہے۔ پر کیا بھی کیا جائے۔ دوائیں۔ احتیاط سب کچھ جاری ہے لوگ دیکھنے کو آتے رہتے ہیں۔ شہاب کی۔ اہل خانہ آئی تھیں۔ پھر عالیہ[1] اور زہرہ[2] بھی آئیں۔ مہدی[3] یہیں ہیں۔ شاید آج ملنے آئیں۔

ہاں کل رات کوئی نو بجے ڈلّو میاں تشریف لائے مع اپنی بھابی اور دلھن کے۔ یہ حادثہ بھی پیش آ ہی گیا۔ جادو چور نگاہوں سے دلھن کو دیکھتے رہے جب وہ چلی گئیں تو میں نے پوچھا کہ "بھئی تم کو چچی پسند آئیں؟" بولے ویسے تو صورت اچھی ہے۔ مگر دبلی ہیں۔ اگر بانو کی طرح (بانو میڈیکل کالج میں ایک اچھی شاندار لڑکی تھی) موٹی ہو جائیں تب کہیں مزہ آئے گا۔" میں نے پوچھا کہ "بھئی تم کو کیا مزہ آئے گا۔؟" بولے "اب آپ موٹی ہو جائیں تو ہم آپ کو بتا سکتے ہیں۔" سنا اپنے بیٹے کا لفنگاپن تم نے؟

تم خط جلدی لکھو۔ حالات لکھو۔ خلیل صاحب کو آداب کہو۔ ان کی بے غرضی اور بے نفسی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ تمھارا بھی بستر بمبئی میں انھیں کے ساتھ ممکن ہے۔

سچ جانو اختر! بعض وقت تو مجھے ایسی شکلیں آ جاتی ہیں کہ دامانِ خیال

---

[1] عالیہ عسکری [2] زہرہ مہدی [3] محمد مہدی ایڈیٹر عوام حیدرآباد دکن۔

یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے" والا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔
آؤ مجھے پیار تو کر لو

تمہاری صفو

بھوپال
۲۲ر اگست ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر!
بہت سی دعائیں اور ہزاروں پیار۔
تمہارے خط مجھے برابر مل رہے ہیں۔ میری ہی طرف سے خطوط میں کمی رہی ہے۔ تم کو کوفت ضرور ہوتی ہوگی۔ لیکن حالات ایسے ناساز گار رہے ہیں کہ ان کا لکھنا تمہارے لئے اور کوفت کا باعث ہوتا۔ کل سے آج لفافہ ٹکٹ حاصل کرنے کی کوشش میں گذر گیا۔ بھوپال کی پابندیاں بعض وقت جان لیوا بن جاتی ہیں۔ کوئی اور جگہ ہوتی تو خود ہی جا کر خرید لاتی۔ لیکن یہاں ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔
عثمان جب سے لکھنؤ سے آیا ہے مستقل بیمار ہے اور پلنگ پر پڑا ہوا ہے اس کی تیمارداری اور اس کا علاج بھی اپنے ذمے ہے۔ ادھر تین دن سے ادیس کو بخار ہے۔
میرا حال ٹھیک ہی جانو۔ دواؤں کا باقاعدہ استعمال رکھ رہی ہوں مالش سے کھال کچھ ملائم پڑی ہے۔ البتہ جوڑوں کی تکلیف قائم ہے۔ ڈاکٹر عبدالحمید نے خود ہی بتایا تھا کہ دو ماہ دوا کا استعمال کر کے نتیجہ دیکھنا چاہئے۔ اب اکتوبر میں ان سے دوبارہ مشورہ ہو سکے گا۔ مجھے

Rhumatical Arthritis اور ساتھ ہی Skin· Diseases تجویز
کیا ہے۔

جادو کے ساتھ آنے سے مجھے بہت ڈھارس ہے۔ اس کی باتیں بہت ہی عزیز ہیں مجھے۔ میں نے ایک دن تمہارا خریدا ہوا سرخ بلاؤز پہن لیا بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ " اس بلاؤز نے تو سارے کپڑوں کو بیٹ دیا امی"۔ جب میں کالج جاتی ہوں تو خود کپڑے نکال کر مجھے دیتا ہے۔ اب اس کے لئے مجھے سنگھار کرنا بھی ضروری ہو گیا ہے۔

کل رئیس یعقوب کی موٹر میں صبح سویرے اُسے لے کر کیمبرج گئی تھی۔ آج سے اس کے اسکول جانے کا انتظام کر دیا ہے۔ چنانچہ گیا ہے۔ تم اس کے آنے جانے کے بارے میں متفکر نہ ہونا۔ میں اس کے تحفظ کا پورا خیال رکھتی ہوں۔ وہ مجھے ایک محبوب کے طریقے پر پیارا ہے۔ ویسے تو اویس بھی میرا بچہ ہے۔

تنخواہ اس مرتبہ یہاں بھی خیرات بن گئی ہے۔ کل بمشکل تمام کتنی بار ٹیلیفون کرنے کے بعد بل منظور ہو کر آئے ہیں، تو آج کیش کرانے کے لئے بھیجے ہیں۔ تین سو لکھنؤ کے اور سو ٹھیکیدار کے فوراً ادا کر دوں گی۔ اس کے بعد اپنا معاملہ رہ جائے گا۔

قلم تمہارا پھر کھو گیا۔ میں اس کے متعلق آج تمہارے خط کے آنے سے ایک گھنٹہ پیشتر ہی سوچ رہی تھی۔ بہت سی باتوں کی خبر خود بخود ہو جاتی ہے۔ اچھا

تمہاری اپنی صفو

بھوپال
۲۵ راگست ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

میرا پچھلا خط تم کو ملا ہوگا۔ اب تو کارڈ لفافے بہت سے اکٹھے منگوا لئے ہیں۔ پھر بھی خط پوسٹ کرانے کی دقت ہر کام سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ غیر ذمہ دار آدمیوں کو خط دینے کی ہمت نہیں ہوتی۔ زیادہ تر لوگ خطوں سے دلچسپی ہی لیا کرتے ہیں۔ عثمان کو ٹائیفائڈ ہوگیا ہے۔ اب ایسی حالت میں اس کا ساتھ دینا ہی ہے۔ دوا، پرہیز، ہر چیز کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ کمزور بہت ہوگیا ہے خیر!

جادو اور بس ٹھیک ہیں۔ جادو اسکول بہت شوق اور سرگرمی سے جاتا ہے۔ کل تمہارے کمرہ میں اگربتیاں سلگا رہا تھا۔ بولا کہ ابّی کے کمرے میں خوشبو کر دوں۔ میں نے کہا ابّی تو ہیں نہیں تم خوشبو بے کار سلگا رہے ہو کہنے لگا ابّی کی چیزیں تو ہیں اِس کی عقیدت کی داد دو۔

میرا وہی اگلا سا حال ہے، کبھی سُست، کبھی چُست۔ دواؤں کا استعمال رکھ رہی ہوں۔ مالش بھی پابندی سے ہوتی ہے۔ اور کیا کیا جائے۔ اور کیا لکھوں ساتھی؟ —— اب کے تو تمہارے نام کے کئی رسالے یہاں ٹیک پڑے ہیں۔

ہزاروں دعائیں!

تمہاری اپنی صفّو

بھوپال

۲۷ر اگست ۵۱ء

اختر عزیز، میری جان!

تمہارا خط ہفتہ بھر سے مجھے نہیں ملا۔ تم غالباً اس لئے چپ رہے کہ میرے خطوں میں دیر ہوئی۔ میری مجبوریوں کا صحیح اندازہ تم اتنی دور سے نہیں کر سکتے۔ خط ڈلوانا بھی ایک مہم ہوتا ہے۔

عثمان کا بخار اب کم ہے۔ البتہ دماغ اپنا اس نے عرشِ معلّٰی پر کر رکھا ہے۔ دراصل وہ ایک عرصہ سے اس ملازمت سے Fed up ہو گیا ہے۔ زبردستی کا سودا کہاں تک چلایا جائے۔ دیکھو

میں دواؤں کا استعمال پوری باقاعدگی سے رکھ رہی ہوں۔ امید ہے کہ برابر علاج جاری رکھنے سے افاقہ قائم رہے گا۔ بس اپنا دل یقین اور امید سے خالی نہیں رکھتی۔ گو کہ آج کل زندگی اور موت میں بھی امتیاز کرنا بعض وقت مشکل ہو جاتا ہے۔ کالج پانچویں گھنٹے میں جاتی ہوں۔ اس وقت تک وہاں کا بازار سرد پڑ چکتا ہے۔ اس کے بعد گھر آ کر بیٹھی ہوتی ہوں۔ اور بچے ہوتے ہیں جاوید تو اسکول سے ساڑھے تین بجے کے بعد آتا ہے، اویس دن بھر گھٹ پٹ کرتا رہتا ہے۔ تم سے ایک موٹر کی فرمائش ہر روز کرتا ہے۔

اب تو طبیعت پر وہ خشکی اور بے رنگی سی طاری رہتی ہے کہ رونا چاہوں تو رونا بھی نہیں آتا۔ بس دن اور رات عجیب Mechanical انداز میں گزرتے ہیں۔ گزر جاتے ہیں یہی کیا کم ہے۔

تمہاری مسکراہٹ اور تمہاری مٹھاس کو ترس کر رہ گئی ہوں۔

رات سارے قصّوں سے فراغت پا کے اپنے تصور کے ذریعہ خود کو تم سے ہر طرح قریب کرنا چاہا۔ مگر بس سب جھوٹ سا معلوم ہونے لگتا ہے اور اپنی شکست عجیب مضحکہ خیز بن کر رہ جاتی ہے۔ بہر حال ساتھی۔ جسم کی دوری اذیت انگیز ضرور ہے۔ مگر شکر ہے کہ ہمارے دماغوں کی رفاقت میں کوئی دوری نہیں پیدا کرسکتا۔

پرسوں "خیابان" کے دو پرچے ملے تھے۔ تمھاری اور جعفری کی نظم[1] ایک ہی عنوان پر ہے۔ دونوں نظمیں میں نے اپنی لڑکیوں کو پڑھ کر سنائیں۔ تم نے نظم شاندار لکھی ہے اور بہت ہی شاندار۔ لیکن دوست کہیں کہیں بمبئی کا رنگ بھی اس میں آگیا ہے۔ ذرا خود پڑھ کر دیکھو اسے۔ بہر حال تمھاری نظم جعفری سے اونچی ہے۔ اس میں شبہ نہیں۔

کالج جانے کا وقت آگیا ہے۔ اب تیاری کرنا ہے۔ ممانی بچاری میری خدمت بہت کرتی ہیں۔ پھر کھانا وغیرہ بھی ان کو پکانا پڑتا ہے۔ اور کیا لکھوں اپنا حال "شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک" احسان اور اویس کو دعائیں اور پیار۔ خلیل صاحب کو میرا آداب۔ اپنے سارے حالات لکھو۔

تمھاری صفو

بھوپال

۲۸ راگست ۱۹۵۱ء

میرے اچھے اختر!

کل ایک خط لکھ چکی ہوں جو بعد از ہزار دشواری پوسٹ ہو سکا۔

---

[1] سجاد ظہیر کی گرفتاری کے موقع پر یہ نظمیں کہی گئی ہیں۔

تنخواہ کے پیسے شام کو مل گئے ہیں۔ ٹھیکیدار کا قرض فوراً چکا دیا۔ آج ڈاکٹر سلطان صاحب لکھنؤ جا رہے ہیں۔ ان کے ہمراہ حمیدہ کی رقم بھی بھیج دوں گی۔

ہاں، رفیق کے یہاں کے پیسوں کا چک رجسٹری شدہ ۹ اگست کو روانہ ہوا ہے۔ غالباً میری صورت دیکھ کر اکاؤنٹنٹ کو اس کی یاد آئی ہوگی۔ اب رفیق سے ملنا ہو تو کہو کہ وہ مزید فہرست بھجوا دیں تاکہ کتابوں کا آرڈر جا سکے۔ ادائیگی میں اس مرتبہ اتنی تاخیر نہ ہوگی۔

تانگہ کالج لے جانے کے لئے آگیا ہے۔ پیدل تو جا سکتی نہیں اس مرتبہ تانگوں ہی پر پیسہ اٹھے گا۔ کیا کیا جائے۔

جی چاہتا ہے کہ روز تم کو خط لکھ سکوں لیکن اس طرف حالات ایسے الجھے رہے کہ نوبت نہ آسکی۔ اُدھر تمھاری طرف سے ضرور ڈانٹ آنے والی ہوگی۔ مجھے ہر لمحہ اندیشہ ہے اس کا۔ اختر، مجھ پر غصہ نہ کیا کرو۔ میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے زیادہ بے چین ہو۔ لیکن مجھے بھی تو تم سے ہی چین ملتا ہے۔

آؤ مجھے اپنے سینے سے لگا لو۔

تمھاری صفو

بھوپال
۲۰ اگست ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

خط ملا۔ حالات معلوم ہوئے۔ "شاہین لکچرز" کا انجام بھی معلوم ہوا۔ تم خود کو کسی طرح فکر مند نہ کرنا۔ آج تک جو بات بھی زندگی میں ہوئی ہے،

کسی بہتر نتیجے ہی کے لئے ہوئی ہے بے کار کی توقعات اور بے مطلب کی پابندی سے یہ کہیں بہتر ہوا کہ یکسوئی ہو گئی۔ اپنی کوششیں سلامت رہیں تو کوئی نہ کوئی شکل پیدا ہو کر رہے گی۔ دیر یا سویر، البتہ جذباتیت کم کر کے عمل پسندی سے کام لینا ہے اور Struggle کر کے تھوڑی سی گویائی پیدا کرنی ہے۔ تم اپنی بے زبانی سے اکثر موقعوں پر نقصان اٹھا جاتے ہو۔ اس کا احساس رکھو۔ بہر حال پریشان مت ہونا ساتھی۔ تمھارے بچے، میں کسی قیمتی امانت کی طرح محفوظ کر کے رکھ رہی ہوں۔ انکی نگہداشت میری آخری سانسوں تک میرا فرض ہو گا۔ تم مجھے سہارا دیتے رہو۔

تازہ حادثہ یہ پیش آیا کہ عثمان کو میں نے کل شام علیحدہ کر دیا۔ یہ کوئی غصہ غضب کی بات نہ تھی، بلکہ اس نے اپنے طرزِ عمل سے اب گذارا ناممکن کر دیا تھا۔ فی الحال ایک چھوٹی سی چھوکری ہے جو ہاتھ بٹا رہی ہے۔ اب تلاش شروع کروں گی۔ مرد ملازم تو سوچ سمجھ کر ہی رکھا جاسکتا ہے۔ عورت کے رعب میں مرد کا آنا ایسا آسان نہیں ہوتا۔ پھر بھوپال کی مخلوق ویسے بھی بہت مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ آج رشید کو تلاش کراؤں گی ورنہ پھر کوئی بڑی بی کو رکھ کر کام چلانا ہو گا۔ تم الجھنا مت۔

بیا دو اسکول جا رہا ہے اور خوش ہے، سوچتی ہوں اب اردو کا سلسلہ بھی باقاعدہ شروع کرا دوں۔ پانچ سال کا ہو گیا وہ۔ میں نے رئیسہ یعقوب کو پابند کر دیا ہے کہ اگر کبھی تانگہ کی گڑبڑ ہو تو وہ اپنی موٹر میں بچوں کو پہنچوا دیا کریں۔ بہر حال کام سبھی چلتے ہیں۔ تازہ تبدیلیوں سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔

سارے حالات لکھو، اور ذہن کو منتشر مت کرو۔ میرا پیار تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے پیار سے میری زندگی ہے۔ بس۔

تمہاری صفیہ

بھوپال

۱۷ ستمبر ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

کل تمہارے دو خط اکٹھے ملے۔ اور کتابیں بھی مل گئیں۔ میں نے ادھر دو تین دن سے پھر تمکو خط نہیں لکھا۔ کم فرصتی سے نہیں بلکہ کالج سے آنے کے بعد کوئی کام ہی نہیں بن پڑتا۔ سوائے اس کے کہ بچوں پر چیخ چلا لیتی ہوں۔ کچھ بھی کرنے کی امنگ نہیں پیدا ہوتی۔

جادو اپنی کتابیں پاکر حد سے زیادہ مغرور ہے اور مست، دو کتابیں کل سے آج تک پڑھ لی گئی ہیں۔ رات کے گیارہ بجے تک مطالعہ جاری رہا اور پھر صبح سات بجے ہی سے آنکھ کھل گئی اور پڑھائی شروع ہو گئی۔

رات میں نے تمہیں خواب میں دیکھا۔ ردولی کا گھر تھا اور مہمانوں کا ہجوم۔ خلوت کی تلاش کی مگر میسر نہ آئی۔ آنکھ کھل گئی، بہر حال۔

"خوشا مراتب خوابے کہ بہ ز بیداریست"

عثمان کے جانے کا خاصا دکھ ہوا۔ تقریباً چار سال کا ساتھ تھا۔ اس کا لیکن کیا کیا جائے۔ نوشہ صاحب سے معلوم ہوا کہ وہ سنگر کی اردلی میں ہو گیا ہے۔ رشید آیا تھا وہ بھی وینکو بارا کے یہاں ملازم ہے۔ کہہ گیا ہے کہ کوئی آدمی تلاش کر کے لائے گا۔ کوئی نہ کوئی شکل نکل ہی آئے گی۔ تم اس

بارے میں خود کو فکرمند نہ کرو۔ میں نے لکھنؤ بھی لکھ دیا ہے۔

تمھارے خط پر احسان کی کمپنی کا بلاک دیکھ کر میں پہلے ہی چونکی ہوئی تھی۔ سنا ہے کہ مسلمانوں کو تجارت راس آتی ہے۔ رسولؐ اکرم بھی تاجر تھے احسان سے کہو کہ اسلام کو مضبوطی سے پکڑیں۔ بھئی یہ Plastic کا کپڑا کیسا ہوتا ہے؟ ابھی تو اگر پیسے مل بھی جائیں تو تم کوئی بیکار چیز مت خریدنا۔ میری خواہش ریڈیو لینے کی ہو رہی ہے۔ کچھ پیسے میں بچاؤں گی، کچھ تم دیدینا۔ اور ریڈیو لے لیا جائے گا۔ "کچھ تو اے خانہ خراب اس دل کے بہلانے کی طرح"

ایس۔ ایم نواب تو "وہ دوکان اپنی بڑھا گئے" کے زمرے میں آ ہی گئے۔ اویس بچارے کا کیا عالم ہے۔ اور اختر الایمان کے سنہرے سپنوں کی تعبیر اب کیا ہوگی۔؟

ہاں "ظ" انصاری کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہی ہوں۔ تین خریدار "خیابان" کے لئے پیدا کئے ہیں۔ اُن کے پتے بھیجوں گی۔ چوتھے اپنے نام بھی رسالہ جاری کرا لوں گی۔

آج کل جادو "آج تو قید ہے اور میں سوچتا ہوں کہ انسان ہوتا بھی کوئی خطا ہے" "پڑھ پڑھ کر ناک میں دم کرتے ہیں۔ تختۂ دار کیا ہے؟ ایسی سازشوں کا کیا مطلب ہے؟ بتاتے بتاتے عاجز ہو جاتی ہوں۔

تم خوش رہو اور باحوصلہ۔ پیسوں کی فکر تم کو بہت ہلکان کر دیتی ہے۔ کچھ تو بدلو اپنا رویہ! تم سے گھنٹوں کے گھنٹوں باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔ بس خاموش رہ کر دل ہی دل میں باتیں کرتی رہتی ہوں۔ اور کھوئی کھوئی

سجاد ظہیر کی گرفتاری پر جاں نثار اختر کی نظم "تختۂ دار سے جھیں لیگئے" مصرع۔

سی رہنے لگتی ہوں۔

ہاں آج کل گرو جی پھر ڈراموں کے درپے ہیں۔ اُن کا ستارہ دوبارہ چمکا ہے۔ مجھ سے تعاون کے لئے کہہ رہے تھے۔ میں نے معذرت کر لی ہے۔ یہ جنجال میرے بس کا نہیں۔

آؤ تمہیں بہت سے پیار کر لوں۔

تمہاری صفو

بھوپال

۱۲ ستمبر سنہ ۵۱ء

بہت ہی پیارے اختر!

تمہارا خط آج دو دن سے نہیں ملا۔ تمہیں میری دیر نویسی کی شکایت رہتی ہے۔ اور مجھے تمہاری ایک دن کی خاموشی بھی برداشت نہیں ہوتی۔ بس تمہارے خطوں کی روشنی اور گرمی مجھے یہاں زندہ رکھے ہوئے ہے ورنہ تم کیا جانو کہ کتنی بے رنگ ہے یہ زندگی۔

میں نئی دواؤں کا استعمال رکھ رہی ہوں۔ افاقے کی صورت بھی ہے۔ تم فکرمند نہ ہونا۔ فی الحال کوئی مناسب نوکر نظر نہیں آیا ہے۔ محمد علی تاج بیچارا آیا تھا۔ وعدہ تو کر گیا ہے نیا ملازم لانے کا دیکھو۔ میرا جی چاہا کہ تاج سے اس کی نئی غزلیں سنوں، لیکن تمہارے بغیر کچھ عجیب سا معلوم ہوا۔ بڑی اچھی صلاحیت ہے اس میں، مجھے تو اس کے شعر بہت پسند آتے ہیں۔

جادو اور پیس اچھے ہیں۔ تمہاری بھیجی ہوئی چاروں کتابیں جادو نے

---

[1] پروفیسر سندی، حمیدیہ کالج بھوپال۔

پڑھ ڈالیں۔ ظاہر ہے کہ ابھی دوبارہ پڑھی جائیں گی۔ سب سے زیادہ دلچسپی "تختۂ دار" سے قائم ہے۔ تمھارا لہجہ بنا کے نظم پڑھنے کی کوشش ہوتی ہے۔ سنا ہے کہ پندرہ ستمبر سے کیمبرج میں بس چلے گی۔ اُس وقت ادیس کو بھی بھیجنا شروع کر دوں گی، اطمینانی شکل ہو جائے گی۔

ہاں کل چھٹی کا دن تھا، عبیداللہ اسکالرشپ ٹرسٹ کے بورڈ کی میٹنگ تھی۔ ولی[1] کا وظیفہ ماہانہ طے کرا دیا ہے۔ اب سمجھو کہ یہ وظیفہ اگر ولی پاس ہوتے رہے تو تین سال جاری رہ سکے گا، سوچتی ہوں اطلاع کا خط بانو[2] کو لکھ ڈالوں۔

اب تم اپنے بہت سے حالات لکھو، فلمستان کی دوڑ کا کیا انجام ہوا؟ احسان کا کاروبار کیسا چل رہا ہے؟ ادیس کا کیا رنگ ہے؟ تمھارے پاس پاجامے بہت کم ہوں گے۔ لٹھا یہاں ملتا ہی نہیں، کوشش میں ہوں کوئی ذریعہ نکل آئے تو اچھا ہے۔ زیادہ پیار

تمھاری صفو

بھوپال
۱۰ر ستمبر ۱۹۵۱ء

عزیز از جان!

خط مل گیا تھا۔ میں نے اسی دن خط لکھنا چاہا تھا لیکن کئی چکر ایسے نکل آئے کہ پھر نہیں لکھا۔ اپنا حال کیا لکھوں، رس سے خالی رنگ سے خالی زندگی، بہر حال میں ناامید نہیں، کبھی تو مجھے اور میرے تنہائی بچوں کو تمھارا

---

[1] محمد ولی۔ میڈیکل کالج بمبئی کے طالب علم۔ [2] محمد ولی کی ہمشیرہ

ساتھ ملے گا۔ جب تمھارا خط آتا ہے تو وہیں لفافہ لے کر بھاگتا ہوا آتا ہے اور لفافہ سونگھتا جاتا ہے کہ اس میں سے ابّی کی خوشبو آتی ہے۔

جادو کی ایک اسکول ٹیچر سے ملاقات ہوئی تھی، بولیں کہ "صفیہ آپا آپ کا بچہ عنقریب جیل جانے والا ہے۔" میں نے سبب دریافت کیا۔ پتہ چلا کہ ڈرائنگ کلاس میں بچوں سے ان کا جھنڈا بنانے کی ہدایت کی گئی۔ سارے بچوں نے ترنگے بنائے اور جادو صاحب نے سُرخ جھنڈا مع Rammce & Sickle بنا کر پیش کیا کہ یہی ہمارا جھنڈا ہے سچ ہے "یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے۔"

پنکھے کے کھونے کی اطلاع سے کوئی خاص رنج نہیں ہوا کیونکہ تمھاری پسردگی میں جو چیز بھی ہو اس کے کھو جانے کے لئے ذہن پیشتر ہی سے تیار رہتا ہے! غم مت کرو، ضرورت پڑی تو پھر خرید لیا جائے گا، ایسی کوئی بات نہیں۔

آج بزم ادب کا پہلا جلسہ ہے۔ منو کی خواہش اس درجہ زور پکڑ چکی ہے کہ بیگم صاحبہ بھوپال کو مدعو کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت شعری بھوپالی تشریف لائیں گے۔ ڈاکٹر جین کی ذمہ داری میں ہے بزم ادب کو اور کیا لکھوں تم کو؟

کل پرانے کاغذات کی دیکھ بھال کے سلسلے میں اکثر وہ خط نظر سے گذرے جو شادی کے پہلے سال میں نے تم کو لکھے ہوں گے۔ یقین نہیں آتا کہ وہ میں نے ہی لکھے تھے! کیسے کیسے رنگین شکوے اور کیسی کیسی دلچسپ توقعات۔ آج ہم دونوں دوستی کا دعویٰ کر سکتے ہیں جس کی ابتدا ۱۹۳۲ء کے رومانس سے ہوئی تھی

لیکن اختر تم بعض وقت اس پکّی دوستی کو بھی لحظہ بھر میں شکست آشنا کر دیتے ہو۔

ہاں! کتابیں بھیجنا تو آٹوگراف ہی سمیت بھیجنا، تم اپنی نازک مزاجی سے کبھی باز نہیں آتے ساتھی آؤ میں بھی تم سے لڑوں! ابھی دو چار دن ہی کی بات ہے کہ تم نے لکھا، "نشہ نہیں شراب میں" اور اسکے بعد ہی والے خط میں "خمار شبانہ" کا تذکرہ موجود تھا۔ یہ کیونکر؟ اور میری ذرا سی بات کی ایسی سنجیدہ گرفت کہ مفر ہی ممکن نہ ہو۔ دوست! قلب کی وسعت، اس کی گرمی کے برابر ہی ضروری ہوا کرتی ہے!

ادیس پاس بیٹھا اپنی موٹر کی فرمائش دہرا رہا ہے

آؤ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدو ساتھی! جس طرح بن پڑے۔ جلد ملنے کی شکل نکالو۔

تمہاری صفّو

بھوپال
۱۱ ستمبر ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر!

آج صبح صبح تمہارا خط مل گیا شکر ہے کہ تم اچھی طرح ہو۔ جوش صاحب کی صحبت تمہیں میسر آ ہی جاتی ہے۔ تم نے پیشتر سے لکھا ہوتا تو میں ان لوگوں کو ضرور اترو الیتی۔ سو دو سو روپیہ تو بزم ادب اس سلسلے میں برداشت کر سکتی تھی۔ خیر۔

بڑا شکک والے کپڑے کی ایسی کیا عجلت تھی، ابتک تو وہ پہلے ہی ڈالے

کپڑے سل نہیں سکے ہیں۔ پرائی محتاجی بڑی چیز ہے، خود تو سی نہیں سکتی۔ شکر ہے کہ سوشیل ینچر والوں سے تمھاری بات پٹ گئی۔ تم خلیل صاحب کا قرضہ چکا کر سو ڈیڑھ سو اعجفین کے پاس ڈال دو تاکہ گرے پڑے وقت میں پیسہ کام آجائے۔ مجھے فلمستان سے بقیہ رقم ملنے پر پیسے بھیجنا۔ شاہین پکچر سے روپیے وصول ہونے کی مجھے ذاتی طور پر کوئی امید نہیں ہے۔ آگے حالات یہ ہے۔

اکتوبر میں سولہ چھٹیاں ہوئی ملے بابی ہیں۔ پانچ نومبر کو پھر کالج کھلے گا۔ میں بمبئی شوق سے آؤں گی" وہ بھی تری طرف سے تری التجا کے بعد،، لیکن یہ میری "نارسائی طبع" جو ہے اس کا کوئی مناسب حل تم کو سوچنا ہوگا۔

اور کیا لکھوں سوا اس کے کہ زندگی سونی ہے۔ ہزاروں دعائیں۔

تمھاری اپنی صفو

بھوپال

۱۴ ستمبر ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

آج کئی دن سے پھر میں نے تم کو خط نہیں لکھا۔ تمھاری تاکیدوں کے باوجود۔ مجھے اپنی کوتاہ قلمی پر خود کوفت ہوتی ہے۔ لیکن سچ جانو کہ خواہش اور ارادے کے بعد بھی اکثر ہمت نہیں پیدا ہوتی۔ جتنی دیر خط نہیں لکھتی تھیں پہلے سے کہیں زیادہ یاد کرتی ہوں۔

کل بقر عید تھی، بچوں کو کپڑے پہنا کر ڈاکٹر سلطان صاحب کے ہمراہ مسجد بھجوا دیا تھا۔ میں نے کل کا پورا دن پلنگ پر لیٹے کر کاٹ دیا اور

پوری دوپہر بچوں سے چھپ کر آنسو بہاتی رہی۔

جادو اور اویس تمھاری ایک ایک ادا یاد کرکے خوش ہوتے رہتے ہیں۔ موٹر کی خبر سن کر اویس پھولے نہ سمائے اور جادو کی Vanity کو اس درجہ صدمہ ہوپچا کہ فوراً رو پڑے۔ مشرعہ بازی بھی جاری رہتی ہے۔ پرسوں رات اویس بستر پر اُدھم کر رہا تھا اور کسی طرح نہ سوتا تھا۔ میں نے عاجز ہو کر تخت پر بیٹھے بیٹھے کہا "سو جاؤ میرے پیارے اور جادو صاحب مسہری پر لیٹے ہوئے تھے، وہاں سے برجستہ بولے، "کیا ٹھاٹھ ہیں تمھارے،، جادو اگر شاعری کے چکر میں پڑ گیا جس کا پورا امکان ہے تو پھر جان لو کہ اپنی سات پشتیں نہ پنپ سکیں گی سوا اس کے کہ سُرخ انقلاب ہی تباہی سے بچالے۔

اور یہاں کے حالات مجھے کچھ بھی نہیں معلوم ہو پاتے "صبح و شام ہی نہ ہوئی"، والی کیفیت طاری رہتی ہے۔ کل گروجی اور شہاب عید مبارک کہنے آئے تھے۔ اے۔ این گپتا آج کل اسپتال میں پڑے ہیں۔ اُن کی ٹانگ کا فریکچر Fracture ہوگیا ہے۔

تم نے شاعری سے ایسا سوتیلا رشتہ کیوں پیدا کر لیا ہے۔ کچھ تو کہو۔ انجمن کی میٹنگ میں مستقل شرکت کرتے ہو یا نہیں؟ احسان کی بزنس کیسی چل رہی ہے؟ اویس کی خبیث اب اور زیادہ ترقی کر گئی ہوگی۔ دونوں کو میری دعا کہنا۔ خلیل صاحب کو آداب۔

آج اگر سکت رہ گئی تو ظ۔ انصاری کو بھی خط لکھ ڈالونگی۔

اچھا۔ ہزار دل دعاؤں کے ساتھ

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال
۱۶ ستمبر ۱۹۵۱ء

اختر میرے

خط ملا تھا۔ پرسوں پلاسٹک کا پارسل بھی پہونچ گیا۔ رنگ بہت حسین ہے اس کا۔ لیکن مجھے یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ جل جاتا ہوگا۔ ورنہ اویس اور جادو کی بُش شرٹیں بن سکتی تھیں۔ میں نے بطور تلافی مافات کل شام بمبئی سے پچھلے خریدے ہوئے کپڑوں کی قطع و برید کی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ تم بن زندگی میں کوئی ارمان باقی نہیں رہتا۔

جادو اویس مست ہیں۔ جادو صاحب کل شام اپنی انگریزی کے کورس کی کتاب لائے اور بولے "امی کمال ہوگیا، کورس کی کتاب اور اس میں ایسے میٹھے میٹھے گیت کہ آپ حیران ہوجائیں۔" اور وہ میٹھے میٹھے گیت کیا تھے۔

March, March, March

We march by the larch

اس پر گھنٹوں نرت ہوتا رہا۔ اور مارچ گانے کے بعد پھر وہی روزانہ کے مشغلے شروع ہوگئے۔

میری طبیعت ایک دو دن سے بحال ہے۔ خود بخود یہ اُبھار اور گراؤ کے دور آتے رہتے ہیں۔ اور یہاں کے حالات ہی کیا۔ موسم خنک ہے رات کو رضائی اوڑھ کر کمرے میں سونا ہوتا ہے ممانی بچاری میری خدمت میں جان لگائے رہتی ہیں۔ تمھارے پاجاموں کے لئے لٹھا حاصل کرنے کی کوشش

کر رہی ہوں چنانچہ آج کلاوتھ کمرٹلونگ آفیسر کو ٹیلیفون کروں گی۔ گذشتہ بار جب شملہ گئی تھی تو بیگم رشید الظفر سے پتہ چلا تھا کہ وہ بچیوں کی تعلیم کے سلسلے میں بہت فکر مند رہتی ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ میں ہفتہ میں ایکبار انہیں مشورہ دینے کے لئے آ سکتی ہوں۔ سوچتی ہوں جب کالج میں صرف ایک پریڈ پڑھانا ہوا کرے تو چلی جایا کروں۔

تم پیسوں کی تنگی نہ اٹھانا۔ مجھے بھیجنے کی ایسی عجلت نہیں۔ اور کیا لکھوں دوست؟ تین مہینے ہو رہے ہیں تم سے بچھڑے ہوئے نہ معلوم تم پر اور مجھ پر کیا کیا بیت گیا اس عرصہ میں۔ اب کب آن ملوگے؟

تمہاری اپنی صفو

بھوپال

۲۰ ستمبر ۵۱ء

اچھے اختر!

خط ملا، شکر ہے کہ تم اچھی طرح ہو۔ یہاں کے حالات پوری وضع داری کے ساتھ چل رہے ہیں۔ میری طبیعت کا وہی رنگ ہے۔ مستقل علاج پر یہ عالم ہے۔ اب تو یہ جی چاہتا ہے کہ کسی حکیم کا نسخہ پی کر دیکھوں یا پھر ٹی بہادر انگلستان سے واپس آ گئے ہوں تو ان سے مشورہ کیا جائے۔ تم نے تعطیل میں بمبئی آنے کے بارے میں لکھا ہے۔ تو میں پہلے بھی لکھ چکی ہوں کہ میری خود کی عین خوشی یہی ہو گی لیکن چند باتیں ضرور غور طلب ہیں۔ پہلی بات میری صحت کی ہے۔ ان بیس دن کی چھٹیوں میں کچھ نہ کچھ کوشش اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ میں اچھی طرح کالج کا کام چلانے کے قابل بن جاؤں

دوسری بات پیسے کی ہے۔ بمبئی آنے اور رہنے کے سلسلے میں یقیناً پانچسو کا صرفہ کہیں گیا نہیں ہے۔ تمھیں اس وقت تک پیسے مل بھی گئے تو اب حالات اتنے Uncertain ہو گئے ہیں کہ انھیں دریا دلی سے پھینکنا نہیں چاہیئے۔ پھر قیام کا مسئلہ۔ میں جانتی ہوں کہ تمھیں اکتوبر میں فراغت نہ مل سکے گی۔ ورنہ تم بخوشی لکھنؤ آجاتے۔ بہر حال اس سلسلے میں میرے ذہن میں جو دشواریاں آئی ہیں وہ میں نے تمھیں مختصراً لکھدی ہیں۔ اب تم جیسا بھی چاہو گے میں ویسا ہی کروں گی۔

مجھے اب کالج جانا ہے تانگہ آنے ہی والا ہوگا۔ یہ خط کالج کے پھاٹک پر لگے ہوئے لیٹر بکس میں خود ہی ڈالوں گی، پھر یہ نہ معلوم کس طرح اڑتا ہوا تم تک پہونچ جائے گا۔ اور مجھے تم سے ملا دے گا۔ اور یوں تو تم کتنی ہی بار میرے پاس ہوتے ہو اپنی گرمی اور گھلاوٹ سمیت۔

آؤ مجھے اس طرح چمٹا لو کہ میرے سر کا بوجھ ہلکا ہو جائے
تمھاری اپنی صفو

بھوپال
۲۲ ستمبر ۵۱ء

اختر میرے!

میں پرسوں بھی تم کو لکھ چکی ہوں، دراصل میں اپنی اس بیماری سے پریشان ہو گئی ہوں۔ ویسے تو ہاتھ پیر دل کی معذوری یا جسم کا درد اس درجہ نہیں کہ میں یہ کہوں کہ مجھے تکلیف بہت ہے۔ لیکن پھر بھی کام کرنا مشکل بنجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کالج کی زندگی میں تندرستی اور Fitness ضروری ہے، یہ ایک

ڈیڑھ مہینہ تو ممانی کی تیمارداریوں کے سہارے کٹ گیا۔ اب بیس دن کی چھٹیوں میں دوبارہ ایک کوشش ہونی چاہیئے کہ طبیعت راہ راست پر آ جائے۔ تم خود کو زیادہ فکرمند نہ کرو۔ اس سے نتیجہ بھی کیا نکل سکتا ہے۔ سوا اس کے خدانخواستہ تمھاری تندرستی بھی گر جائے اور میں بالکل ہی بے سہارا محسوس کروں۔

تم نے جوش صاحب کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ بمبئی رک گئے ہیں۔ ملازمت سے چھٹی پر ہوں گے۔ اگر پندرہ اکتوبر سے قبل ان کی واپسی کا پروگرام ہو تو اُنسے طے کرد کہ وہ مع اپنی بیگم صاحبہ ایک دن کے لئے بھوپال اتر جائیں اور میرے مہمان ہو جائیں۔ بزم کی طرف سے سو ڈیڑھ سو روپیہ انھیں پیش کر دیئے جائیں گے۔ میرے بچے ان کے دوبارہ دیدار کے صد درجہ مشتاق ہیں اگر وہ رضامندی دکھائیں تو پھر میں بھی انھیں خط لکھوں۔

ہاں! رفیق نے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ ۹ اگست کو انھیں چیک بھجوا دیا ہے اس دوران میں انھوں نے اپنا ٹھکانا بدل دیا۔ چنانچہ چیک لوٹ کر آ گیا۔ جو خط حال میں آیا ہے اس میں انھوں نے اپنا تازہ پتہ لکھنے کی زحمت نہیں کی ہے۔ اب تم ان کا پتہ بھیجو تاکہ میں انھیں چیک بھجوا دوں۔

خلیل صاحب کو میرا سلام کہو۔ بچے تم کو صبح و شام یاد کرتے ہیں اور میں؟ میں تو تمھیں نہ بتاؤں کہ کیسی اداس رہتی ہوں یہ تم اگر چاہو کبھی دیکھ سکو تو جان سکتے ہو۔ اچھا پیار لو،

تمھاری صفو

بھوپال

۲۶ ستمبر ۵۱ء

اختر م!

بہت سے پیار، تمھارا خط کل ملا۔ میں خود تمھیں خط لکھنے کی نیت کر رہی تھی۔ لیکن اس طرف گھر پر خاصی گہما گہمی رہی۔ ممانی کے کچھ عزیز آشٹہ سے آ گئے تھے۔ میری زندگی غم دوستاں میں گزر رہی ہے۔ البتہ بچوں کی معصوم مسرتیں اکثر مجھے بہلا لیتی ہیں۔ سو جاوید کا وہی تمھارا سا حال ہے کہ کچھ دیر مست ہو کر خوش رہنا تو بقیہ وقت MOOD ری کر لینا۔ ادھر دو تین دن سے اس کی آنکھیں آشوب کر آئی ہیں۔ چنانچہ اسکول بھی جانا بند ہے

ہاں پیسوں کے لئے فکر مند نہ ہو۔ میرے پاس مہینہ پورا کرنے کے پیسے ہیں۔ پھر دو چار دن بعد تنخواہ مل ہی جائے گی۔ تم جانتے ہو کہ میں جتنی چادر ہو اتنے ہی پیر پھیلانے کی عادی ہوں۔ مجھے قرض لینے یا آمدنی سے باہر خرچ کرنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ لہذا دن کٹتے رہتے ہیں۔ البتہ تم ان کمپنیوں سے پیسوں کی وصولی میں ڈھیل مت ڈالنا ورنہ وہی شاہین پچھیر زوالا انجام ہوگا۔

چھٹیوں کے بارے میں پروگرام لکھو۔ جوش صاحب سے ملے؟ اور بس یہی کہ خط لکھتے رہو۔ میں کالج سے اسی توقع سمیت لوٹتی ہوں کہ تمھارا خط مل جائے گا۔ آؤ پیار کر لیں ہم ایک دوسرے کو۔

تمھاری اپنی

صفیہ

بھوپال
یکم اکتوبر ۱۹۵۱ء

اختر اپنے!

بہت سے پیار

خط ملا۔ کتابوں کا پارسل بھی ملا "نقوش زنداں"، پوری دوپہر پڑھتی رہی۔ "جو پڑھتا ہے، اُسی کی داستان معلوم ہوتی ہے" کا معترف ہونا پڑا کم سے کم مجھے۔

پرسوں رات کالج میں ایک بوگس قسم کا مشاعرہ تھا۔ اختر سعید اور تاج وغیرہ بھی آئے تھے۔ جاددا اور اویس کو بھی ساتھ لے گئی تھی، جاددنے اختر سعید کو دیکھا تو مجمع کو چیرتا پھاڑتا ہوا ان کے پاس جا پہونچا۔ میں تو ان لوگوں سے نہیں ملی۔ البتہ قمر جمالی ملے تھے۔ بھوپال کی رجعت پرستی کا رونا شروع کرنے ہی والے تھے کہ میں نے سلسلہ کلام ختم کر دیا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھے گزرے دنوں کی یاد ضرور آگئی۔ جب میں اپنے کو زندہ کہہ سکتی تھی۔ زندہ تو اب بھی ہوں لیکن "اب وہ رعنائی خیال کہاں!" ہاں تمہیں پاکر آج بھی میں اپنی ہر کھوئی ہوئی شے پالیتی ہوں۔

اختر! میں تو شاید تڑپنے ہی کے لئے تم سے منسوب ہوئی تھی لیکن تمہاری زندگی کونسی آسودہ ہے؟ مجھ سے زیادہ ہی تشنہ، تم نے مجھے ایسے پیارے بچوں سے بھر پُر دیا اور خود پھر بھی تنہا ہی ہو، یہ سب آخر کب تک؟

تم خفا مت ہونا اختر! اگر میں سوچتی ہوں کہ تم لکھنؤ آسکو تو پھر میں اُسی طرف کا رُخ کر دوں۔ وہاں مجھے علاج کے سلسلہ میں اطمینان رہے گا

اور تم بھی ہفتہ عشرہ آرام سے گزار لو گے۔ زیادہ پیار

تمھاری اپنی صفو

بھوپال

۱۰/ اکتوبر ۵۱ء

اختر عزیز میری جان!

میں نے ادھر تمھیں خط ہی نہیں لکھا۔ صرف اس لئے کہ میری درد کی تکلیف بہت بڑھ گئی تھی۔ تم مجھ سے ناراض تو نہیں اختر؟ تمھاری خیریت سنے ہوئے بھی دن گزر گئے۔ خدا کرے تم تندرست ہو۔ آنکھ اوٹ پہاڑ اوٹ والی بات ہے۔

آج کل کالج بند ہے۔ پانچ دن بند رہ کر پندرہ سولہ کو پھر کھلے گا اور سترہ سے پانچ نومبر تک پھر چھٹی رہے گی۔ تم نے ابتک ان چھٹیوں کی بابت کوئی مختتم فیصلہ نہیں لکھا۔ میری خواہش یہی ہے کہ بچوں کو لے کر لکھنؤ روانہ ہوں، اور تم سو تمع نکال کر دس بارہ دن کے لئے میرے پاس وہیں آ جاؤ وہاں ڈاکٹر ٹی بہادر کو بھی دکھا دوں گی۔ اور ڈاکٹر عبدالحمید سے دوبارہ مشورہ کروں گی۔ میری موجودہ حالت ایسی نہیں کہ زیادہ عرصہ کالج کے فرائض کی انجام دہی کی متحمل ہو سکوں۔ آخر کچھ کوشش تو جاری رکھنی چاہیئے۔ شکست ماننے کو ابھی سے جی نہیں چاہتا۔ خاص طور پر تمھارے اور تمھارے بچوں کے خیال سے۔

پیسے میرے پاس ذرا بھی رہ گئے ہیں۔ کچھ پیسے مجھے بھیج سکو تو میں قرض لینے سے بچ جاؤں گی۔ بہرحال اپنی خیریت لکھو اور حالات بھی۔ ہر لحہ یہی سوچتی رہتی ہوں کہ خدا جانے یہ وقت تمھارا کیسا ساتھ دے رہا ہے؟

تم میری یاد سے غافل تو نہیں دوست !
مجھے چند سطریں لکھ کر پریشانی سے نجات دلاؤ۔ ہزاروں پیار
تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال
۱۴ اکتوبر ۱۹۵۱ء

میرے اپنے اختر !

ہزاروں پیار۔ خط تمھارا ملا۔ شکر ہے بخیریت ہو۔ تمھاری خاموشی پر نہ جانے کیا کیا وہم آنے لگتے ہیں۔ تم نے مجھے لکھنؤ جانے کی اجازت دیدی۔ مصلحتوں کا تقاضا بھی یہی تھا۔ تم اس سلسلہ میں پیسے کی کمی کا احساس پیدا مت کرو ساتھی ! اس وقت اگر میری تندرستی مجھے پریشان نہ کر رہی ہوتی تو بچوں کو یہاں چھوڑ کر تنہا تمھارے پاس پہونچ جاتی۔ اور سب کچھ بھول کر یہ دن تمھارے بازو کی گرمی میں گزار دیتی مگر مسئلہ تو اس منحوس بیماری سے نجات پانے کا ہے۔ میں لکھنؤ پہونچتے ہی ڈی بہادر سے ملوں گی۔ عبدالحمید سے دوبارہ مشورہ کروں گی اور پوری کوشش کروں گی کہ ایک بار پھر تمھاری خدمت کے قابل ہو جاؤں۔

تم اس عرصے میں لکھنؤ ضرور آؤ اختر۔ تم نے میری اکثر خواہشیں اس خوبصورتی سے پوری کی ہیں کہ ان کا لطف کبھی بھول نہیں سکتی۔ اس مرتبہ بھی میری ترستی ہوئی سسکتی زندگی میں یکبارگی یہ چمک پیدا کر جاؤ۔ تمھیں بھی اتنی مسلسل جدو جہد کے بعد تھوڑا سا سکون مل سکے گا۔ گھر کی زندگی کا مزا ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ ایک دس دن کے لئے بمبئی سے چلے آنے میں ایسا بہت نقصان نہ ہو جائیگا

اختر! تم نہ آؤ گے تو مجھے ہر لمحہ ایک جرم کا سا احساس پریشان رکھے گا اور میں کھوئی کھوئی سی اُداس اُداس سی رہوں گی۔ ایسی حالت میں کیا دوا اثر کر سکتی ہے اور کیا مجھے صحت نصیب ہو سکتی ہے۔

ہاں اور سنو، کل یہاں دن دوپہر باورچی خانے کے سامنے سانپ نکلا۔ چھپکلی کو پکڑے ہوئے۔ خود تو مارنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بھاگی بھاگی نیچے گئی اور منو چچا کے بھائی کو بلا کر لائی۔ شکر ہے کہ مارا گیا۔ اویس غریب بال بال بچ گیا۔

عثمان کبھی کبھی بچوں کے پاس آتا ہے۔ آج صبح آ کر جادو اور اویس کو محرم دکھانے لے گیا تھا۔

کالج پیر کو کھلے گا اور منگل کو پھر بند ہو گا۔ منگل کی شام کو جانا چاہتی ہوں دیکھو اپنے ہاتھ پیر اس درجہ تھک چکے ہیں کہ خود پر اعتماد باقی نہیں ہے بہر حال ضرورت ہوئی تو ڈاکٹر صاحب کے یہاں سے کسی کو پھانس تک لیتی جاؤں گی تم فکر مت کرنا۔

ہاں تم نے پیسے بھیجنے کو لکھا ہے۔ میرا کام سو روپوں میں آسانی سے چل جائے گا۔ خدا کرے تم ستوا ہی بھیجو، ورنہ تمہیں تنگی اٹھانا پڑے گی اور پھر سوال تمہارے آنے کا بھی ہے

اختر! تمہیں جادو کو دیکھے پورا سال ہو جائے گا۔ وہ تمہارے لئے تڑپتا ہے تم آ ہی جاؤ۔

تمہاری منتظر
تمہاری اپنی صفو

بھوپال

۱۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

تمھارا خط ملا اور تار بھی

میرے لئے بمبئی تمھارے پاس آنے سے بڑی خوشی اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی لیکن حالات پر نظر کرو۔ تم نے پچھلے خط میں لکھ دیا تھا کہ مجھے لکھنؤ جانا چاہیئے۔ چنانچہ ممانی کو اشتہ روانہ کر دیا اور اب یہاں میں ہوں اور بچے فقط ہیں اگر میں دونوں بچوں کو لے کر بغیر ملازم کے تمھارے پاس پہونچ جاؤں تو ہم میں سے کسی کو سکون میسر نہ آئے گا۔ میں نے میٹرن کو راضی کرنا چاہا کہ وہ چندا ہی کو ساتھ کر دیں۔ لیکن وہ کسی طرح تیار نہ ہوئیں۔ اپنی بے بسی اور تنہائی پر آنسو بہا کر بمبئی کی جانب رخ کر رہی ہوں گو کہ اب دل تو یہی چاہتا ہے کہ کہیں نہ جاؤں۔

تم نے پہلی تجویز لکھنؤ جا کر وہاں سے آنے کی لکھی ہے تو اختر چار ماہ ہو گئے تمھیں مجھ سے چھوٹتے ہوئے اس لئے تم کو میری طبیعت کا اندازہ نہیں ہے۔ میں ہر خط میں کچھ نہ کچھ اپنی تندرستی کے بارے میں تمھیں لکھتی رہی ہوں پر اختر تم میری حالت کو سمجھ نہیں سکتے مجھے اٹھ کر بیٹھنے اور بیٹھ کر اٹھنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ یہ میرا عزم اور میرا حوصلہ ہے کہ میں سارا جنجال گھسیٹ رہی ہوں۔ آج تمھارے حالات سازگار ہوتے تو یقیناً سارے دھندے چھوڑ کر بھوپال کو خیرباد کہتی اور تمھارے پاس آن پڑتی۔ لیکن جب سوچتی ہوں تو یہی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بس چلے اس جدوجہد کو جاری رکھوں۔

اس کیفیت کے ساتھ میرے لئے دوہرا سفر کرنا ناممکن ہے۔ دوسرا برابر کا اہم مسئلہ اس سلسلہ میں اویس کا پیدا ہوتا ہے۔ وہ بغیر میرے لکھنؤ نہیں ٹک سکتا۔ چنانچہ یہ سوچنا ہی غلط ہے کہ میں لکھنؤ پہونچنے کے بعد بمبئی آسکتی ہوں۔ تمھارا پہلا خط نہ آیا ہوتا تو میں ممانی کو ساتھ کھینچ لاتی۔ لیکن ان کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد میرے لئے کوئی تدبیر باقی نہیں رہ گئی ہے۔ سوا اسکے کہ اب لکھنؤ روانہ ہو جاؤں بہر حال میری ذہنی اذیت کا اندازہ اگر تم کر سکو گے تو تم مجھے مجرم قرار نہ دوگے تم مجھے آکر دیکھو اور تم افسوس کروگے اختر کہ مجھے اتنے دنوں میں کیا ہو گیا ہے۔

تم جس طرح بن پڑے لکھنؤ آجاؤ۔

بہر حال اختر میری محرومی ہے کہ اس وقت تمھارے تار کے بلاوے پر بھی میں تم تک نہیں پہونچ پا رہی ہوں۔ تم حالات کو صحیح روشنی میں دیکھنا اور میرے نہ پہونچ سکنے پر غم یا غصہ مت کرنا۔ میرا تم تک نہ پہونچ سکنا میرے لئے کچھ کم اندوہناک نہیں۔ مگر اختر کیا کروں؟

میرے ترسے ہوئے پیار قبول کرو ساتھی!

تمھاری صفو

لکھنؤ

۲۴ ، اکتوبر ۱۹۵۱ء

میرے اپنے ہی اختر!

ہزاروں پیار! جس دن سے لکھنؤ پہونچی ہوں تمھارے انتظار میں گھڑیاں گن رہی ہوں۔ تمھارے خط کے نہ آنے سے بھی دل کو یقین سا ہو چلا تھا کہ تم ضرور آنے کی کوشش کر رہے ہو اور اسی لئے میں بھی خط لکھنے

میں تساہل برتتی رہی کہ اب تو کسی نہ کسی شام آہی جاؤ گے۔ حد ہے کہ مغرب کے وقت سے میری اُداسی اور افسردگی کم ہونی شروع ہو جاتی تھی کہ اب تو آٹھ بجے تک تم آہی رہے ہو۔

آج تمھارا منی آرڈر پہونچا۔ جس کے پہونچنے سے میری امیدیں پست ہو گئیں۔ اب وہ لذت بھی زندگی میں نہ رہی جو انتظار سے پیدا تھی۔ سوا اس کے کہ خاموش، بجھی ہوئی اور نیم مردہ زندگی بسر کرتی رہوں۔ اگر مجھ میں سکت ہوتی تو میں خود اُڑ کر تم تک پہونچ جاتی۔ لیکن یہاں تو اٹھنا بیٹھنا بھی دشوار ہے۔

ڈاکٹر ٹی بہادر کو دکھا دیا ہے۔ ان کی تشخیص میں بھی میری بیماری کا سبب Nervous Shocks ہیں اپنا دُکھ درد اپنے ہی تک رکھنا میرا شیوہ رہا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے تم ہی سے کہا ہے اور تمھیں بھی اکثر بچانے کی خواہش میں میں نے سب کچھ خود ہی جھیل لیا ہے۔ اختر میں نے اپنے پیار سے تمھیں جیتا ہے۔ تم بھی مجھے ایک بار زندہ کر دو۔ تم آجاؤ تو شاید میرا علاج کارگر ہو جائے۔ تم نہیں آرہے اور خط بھی نہیں لکھ رہے۔ میں چپ رہتی ہوں اور ہر لمحہ Brood کرتی ہوں نہ جانے انجام کیا ہوگا؟ بچے الگ صبح و شام تمھاری آمد کے متعلق مجھ سے پوچھتے رہتے ہیں۔ تم آجاؤ مجھے میری زندگی واپس مل جائے گی۔

تمھاری اپنی

صفیہ

لکھنؤ
۲۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء

اختر جانِ عزیز

آج کی ڈاک سے بھی تمھارا کوئی خط نہیں آیا۔ نہ جانے دل کتنی بری طرح مسوستا ہے۔ خدا کرے تم اچھے ہو۔

میں ڈاکٹر ٹی بہادر کی دوا پی رہی ہوں اور ان کی ہدایت کے مطابق مالش کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ بس تیل میں تر رہتی ہوں لیکن کھال کے کساؤ میں فرق نہیں آتا۔ پورا جسم دن بدن سخت ہوتا جا رہا ہے Sclero dermis کہتے ہیں اس بیماری کو۔ خیر

میرا دل رہ رہ کے یہی کہتا ہے کہ تم میرے بمبئی نہ آنے سے ناراض ہو لیکن اختر کبھی میں نے تمھارے لئے کوئی کمی کی ہے جو آج ایسا ممکن ہوتا؟ میری مجبوری اور بے بسی کا یقین کرو اور اس اعتماد کو نہ مٹاؤ جو ہمارے آٹھ سال کے ساتھ کی پیداوار ہے۔ تم مجھ پر اعتماد پیدا کرو دوست میں تم سے باہر کبھی نہ ہو سکوں گی۔ میرا ہر قدم تمھارے لئے ہی آگے بڑھتا ہے لیکن میرا حوصلہ تمھاری برہمی سے پست ہونے لگتا ہے۔ مجھے کسی طرح اس بیماری کے چکر سے نکال لے جاؤ اختر، میں اس کے لئے کسی کی منت کش ہونا نہیں چاہتی، آؤ سب کچھ بھول کر مجھے اپنے سینے سے لگا لو۔

تمھاری صفیہ

لکھنؤ

۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۱ء

اختر عزیز میری جان

آج مجھے بھوپال چھوڑے ہوئے ہفتہ سے زیادہ ہوگیا اور مجھے تمھاری خیریت نہیں معلوم۔ صبح سے شام تمھارے خط کے انتظار میں ہوتی ہے اور ہر روز مایوس ہونا پڑتا ہے۔

شروع میں مجھے یقین سا تھا کہ تم ضرور آؤ گے پھر تم نہ آسکے تھے تو خط تو آتا۔ تم جانتے ہو میں کن مجبوریوں کے تحت لکھنؤ آئی۔ دونوں بچوں کو لے کر اس بیماری کی حالت میں تنہا بمبئی آنا کیسے مناسب ہوتا۔ پھر میری حالت ایسی نہیں ہے کہ یہاں بچوں کو چھوڑنے کے بعد دوبارہ بمبئی روانہ ہو سکتی۔ تم مجھ پر غصہ کر سکتے ہو، برہم ہو سکتے ہو مگر ایسی طویل بے تعلقی میری برداشت سے باہر ہے۔ میں جانتی ہوں اختر کہ تم اُن گھڑیوں کے انتظار میں تھے جب ہم یکجا ہو جاتے۔ تم ہر طرح کی کوشش بھی اس کے لئے کر رہے تھے، لیکن یہ نہ ہو سکا اگر تم درمیان میں اپنا فیصلہ نہ بدل دیتے تو میں کاہے کو ممانی کو روانہ کرتی اور کیوں نہ سیدھی بمبئی ہی آجاتی۔ اب وہ تو گزری بات ہوگئی اختر۔ تم اگر خود ہی آجاتے تو یہ دن کیسے ہلکے پھلکے اور کتنے چین سے گزر جاتے۔

تم نہ آسکتے تھے تو مجھے اپنی خیریت کی اطلاع دیتے۔ اپنا پیار تو مجھے پہونچاتے، تمھارے اس طرح سے بے نیاز رہنے سے تو یقیناً میں کل کی مرتی آج مر جاؤں گی۔ کیوں جیب ہو ساتھی؟ کچھ تو کہو؟ تم سے محروم ہو کر میں خود کو پوری دنیا کی نظروں میں گنہگار تصوّر کرتی ہوں۔

اختر! اب بھی آجاؤ۔ میری طبیعت کا رنگ ٹھیک نہیں ہے میری معذوریاں بڑھتی ہی جارہی ہیں، نہ جانے اب تندرستی مجھے مل بھی سکے یا نہیں۔ مجھے اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قبر میں دفن سی ہوگئی ہوں۔

تمھاری اپنی صفو

لکھنؤ

۳۰ اکتوبر ۱۹۵۱ء

اللہ اختر! تم اتنے کٹھور بھی ہوسکتے ہو؟ آخر کس لئے؟ جانتے ہو کتنی مجبوریوں اور پریشانیوں کا مقابلہ کرکے لکھنؤ آئی اور کتنی توقعات کے ساتھ ٹی بہادر کو دکھایا ہے۔ میرے ہاتھ پیروں کی طاقت مجھے واپس نہ ملی تو کیونکر بھلتو گے مجھے؟

تمھاری اس خاموشی کا نتیجہ کیا ہے؟ مجھے نیند نہیں آتی۔ دل اس طرح دھڑکتا ہے جیسے میں نے چوری کی ہے یا جھوٹ بولا ہے۔ تم اگر مجھ سے خفا ہوگئے تو اسی بات پر کہ بچوں کو لکھنؤ چھوڑ کر تمھارے پاس کیوں نہ پہونچی۔ لیکن سوچو، کبھی میں نے کوئی کسر تمھارے سکون کے لئے اٹھا رکھی ہے؟ اور پھر میری کتنی بڑی تمنا یہ تھی کہ یہ دن تمھارے ساتھ گزار سکوں۔ لیکن تم آ کر میرا حال تو دیکھو! تم اندازہ کرسکتے تو کبھی مجھ سے برہم نہ ہوسکتے تھے۔ ڈاکٹر نے مرض بہت سنجیدہ بتایا ہے۔ یہ تو گویا مرض کا آغاز ہے۔ مجھے ایسے میں بے سہارا نہ کرو اختر! تمھاری محبت مجھ میں شکتی پیدا کرسکتی ہے اور زندہ رہنے کی آرزو، مجھے نہ تڑپاؤ۔ میں تم کو خوشیاں دے سکوں گی، میں تمھاری راحت کا ذریعہ بن سکوں گی، مجھے اپنے سینے سے لگاکر محفوظ کرلو ساتھی!

خط لکھو!

تمہاری ہی صفو

لکھنؤ
یکم نومبر ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

خدا کرے اب تم بہتر ہو۔

تمہارا خط ملا۔ مجھے کبھی کبھی یہ وہم ضرور ہوا کہ خدانخواستہ بیمار تو نہیں۔ لیکن سچی بات یہی ہے کہ زیادہ خیال تمہاری ناراضگی ہی کا تھا۔ خدا جانے اب تمہاری طبیعت کا کیا رنگ ہے؟ بازار کا کھانا اور ہر طرح کی بے توجہی کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔ خدا کرے اب بخار جاتا رہا ہو، تم میرے بھوپال پہنچنے کے بعد ہی آجاؤ۔ کچھ دن تم کو وہاں آرام تو مل سکے گا۔ خیال ہوتا ہے کہ تمہیں کہیں پیسوں کی تنگی نہ ہو۔ دو سو تو تم نے مجھ کو ہی بھیج دیئے تھے۔ مجھے بھوپال اس بارے میں فوراً لکھنا۔ میں تمہیں تنخواہ پاتے ہی پیسے بھیج دوں گی۔

تم بیمار ہو کر اور زیادہ حساس ہو جاتے ہو۔ تمہیں آرام و سکون کی ضرورت ہوتی ہے۔ بمبئی میں تمہیں کیا مل سکا ہو گا۔ تم سب کچھ ٹھکرا کر کچھ دن کے لئے بھوپال چلے آؤ۔ اب اپنا ارادہ تبدیل نہ کرنا۔ میں سنیچر کو صبح کی گاڑی سے روانگی طے کر رہی ہوں۔ غالباً عالیہ عسکری کا ساتھ ہو جائے۔ وہ بھی لکھنؤ آئی ہوئی ہیں۔ رات کو ڈاکٹر سلطان صاحب کے یہاں اتر جاؤں گی۔

کل ڈاکٹر ٹی بہادر کو بلا کر پھر دکھا دیا تھا۔ میری صورت امید افزا بتاتے ہیں۔ Skin Diseases کے وہ ماہر ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ میں نے

اپنے پورے تجربے میں صرف بیس مریض اس بیماری کے دیکھے ہوں گے۔ علاج اس مرض کا صفر ہے۔ محض ذہنی آسودگی اور اچھی غذا مدد کر سکتی ہے جو ممکن مفید دوائیں اس مرض کی ہو سکتی ہیں وہ سب تجویز کی ہیں۔ دسمبر میں دوبارہ آگر دکھانا ضروری بتاتے ہیں۔ دیکھو۔

خط میں کمی نہ کیا کرو۔ میں احتیاطاً احسان کو بھی خط لکھ رہی ہوں کہ وہ مجھے فوراً تمھاری خیریت سے مطلع کریں تاکہ بھوپال پہنچتے ہی تمھارا حال تو معلوم ہو جائے۔

میں نے اس عرصہ میں تمھیں خطوں میں جانے کیا کیا لکھ ڈالا ہے۔ میں اپنی بدگمانی پر اختر بہت شرمندہ ہوں لیکن تم اس بات کو تو خوب جانتے ہو کہ تمھارے خط سے میں زندہ ہو جاتی ہوں اور تمھاری محبت کے برابر ہی مجھے تمھارا خوف بھی ہے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں تم سے کتنا زیادہ ڈرتی ہوں۔ بالکل اتنا ہی جتنا ایک مومن خدا سے ڈرتا ہے۔

اسرار بھائی کشمیر گئے ہیں۔ اور کیا لکھوں۔

تمھارے پائجامے تین عدد بن گئے ہیں۔ یہ غنیمت ہوا۔

اب تو سفر کے خیال سے وحشت ہے، یہ مرحلہ بھی آسان ہو چکے۔

تمھارا پیار میرا ہی ہے دوست

تمھاری صفیہ

لکھنؤ

۵ نومبر ۱۹۵۱ء

اختر میری جان

اس پورے عرصہ میں ایک تحریر تمھاری ملی جس سے یہی معلوم ہوگا کہ تم بیمار ہو۔ اب تمھاری دوبارہ خاموشی سے دل کو پورا اندیشہ ہے کہ تمھاری طبیعت اب تک ٹھیک نہیں ہے۔ کیسے ہو؟ تمھاری خیریت نہ معلوم ہونے سے دل کیسا اداس رہتا ہے یہ تو سوچو۔

تمھیں میری ذات سے کوئی راحت میسر نہیں ہے کیا کروں؟ اگر تمھیں میرے پیار سے کچھ سکون مل سکتا ہے دوست تو سچ جانو کہ میرا وہ پیار بھی جو بچوں کے لئے ہے تمھارا ہی ہے "ہیں مرکز خیال رہا کس کے واسطے" والی بات ہے۔ آج بھوپال روانہ ہو رہی ہوں۔ تم مزید غور و خوض کے بغیر ایک پندرہ دن کے لئے بھوپال آجاؤ۔ بھوپال آتے ہوئے تم دل میں کسی طرح کے اندیشہ کو جگہ مت دو میری آغوش تمھیں ہر بلا سے محفوظ رکھے گی۔ اگر ذرا بھی کھٹکا محسوس ہوا جس کا امکان اب نہیں ہے تو کہیں منتقل ہو جائیں گے۔ زیادہ وقت تو تمھیں میرے ہی پاس گزارنا ہوگا۔ زیادہ کیسا سارا وقت!

تو اب اختر تم آہی جانا، اب کہیں ارادہ مت بدل دینا ورنہ مجھ پر وہی اداسی طاری ہو جائے گی۔ جس نے زندگی میں زہر سا بھر دیا ہے تم اچھے ہو گئے ہو۔ خدا کرے۔ اپنے آنے کی تاریخ مجھے بھوپال کے پتے پر لکھو۔ اور کیسی دل کش بات ہو اگر "نامہ بر راہبر نہ ہو جائے" والی بات اختیار کر سکو۔

میرے بہت ہی میٹھے اور گرم ساتھی، آؤ میں تم میں جذب ہو کر خود کو کھو دوں۔

تمہاری اپنی صفو

بھوپال
۴ر نومبر ۱۹۵۱ء

جانِ عزیز

تمہارے خط اور تمہاری خیریت کا ہنوز انتظار ہے۔ کاش ! تم صحت مند اور خوش و خرّم ہو۔ اب تو یہی جی چاہتا ہے کہ لکھنؤ جانے سے توبہ کر لوں۔ جب کبھی بھی لکھنؤ جاتی ہوں۔ تمہارے خطوں کو ترسنا پڑتا ہے۔ پھر تمہاری بیماری کے خیال سے بھی جی ڈرسا جاتا ہے۔

اب تم جس طرح ہو اور جس حال میں ہو بس مستعد ہو کر بھوپال کا ٹکٹ خرید و اور ایک صبح جب میں بستر ہی پر پڑی کسمسا رہی ہوں تم میرے سیہ خانے کو روشن کر دو۔ اختر اب کسی طرح نہ مانوں گی۔ تم کو آنا ہی چاہیے۔

میرے اور بچّوں کے بے شمار پیار لو۔

تمہارے انتظار میں مست
تمہاری صفیہ

بھوپال
۸ر نومبر ۱۹۵۱ء

میرے مالک۔

کیوں خاموش ہو ؟ تمہارا جی کیسا ہے ؟

میرا دم انتظار سے گھٹ چلا ہے۔ ایسی طویل جدائیاں بھی برداشت

کرنی پڑتی ہیں۔ ہر صبح اس توقع میں آنکھ کھلتی ہے کہ شاید تم آ ہی جاؤ گے، پھر دن ویسا ہی اداس اور سپاٹ گذر جاتا ہے اور شام سے یہ دھڑکن شروع ہو جاتی ہے کہ ضرور تمھاری طبیعت ابتک ٹھیک نہیں ہے۔

خط فوراً لکھو اور جس طرح بن پڑے چلے آؤ۔ میں جی اٹھوں گی۔ تمھارے بچے جی اٹھیں گے۔ میری زندگی! میری جان!! میرا پیار لو!!!

تمھاری صفیہ

بھوپال

۶، دسمبر ۱۹۵۱ء

اختر میرے!

خط ملا۔ فلمستان کی روداد سُنی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمھارے اس بھوپال کے قیام سے تمھارے حالات میں کوئی فرق نہیں آیا یہ اُن کا سر پھرا پن ہے۔ کہ وہ بنے ہوئے گیتوں کے بھی Tune بدلنے والے ہیں

سالم کو اب تک خط نہ لکھ سکی۔ اتوار کا دن تو بس نہ پوچھو کیسی سوگواری میں گزرا۔ سہ پہر کو عالیہ عسکری کے یہاں سے نہایت تقیر جنے کا حلوہ آیا تمھارے لئے اُسے پاکر اور بھی چوٹ لگی۔ جادو کی حرارت اب تک قائم ہے۔ دو شامیں ایسی ضرور گذریں کہ ٹمپریچر نارمل رہا۔ اس نے تمھیں ایک خط لکھا تھا جس سے اس کی خیریت تم کو معلوم ہوئی ہوگی۔

کشمیر کے متعلق ہر ممکن معلومات سالم کے ذریعہ ہفتہ عشرہ میں حاصل ہو جائے گی۔ بھوپال پر تو درحقیقت میری نیت خود نہیں جمتی۔ جن خرخشوں سے بچ کر تم بمبئی گئے۔ دوبارہ انھیں میں گھرنا ہوگا۔ گھر اگر بن سکتا ہے تو اسی

طرح کہ یہ پودا جڑ سے اکھاڑ کر کسی اور ہی زمین پر بویا جائے۔

اور کیا لکھوں ساتھی۔ تم سے تمھاری ہی باتیں کر کے کیا مزا آسکتا ہے۔ اور کوئی دوسری بات میرے ذہن میں آتی ہی نہیں۔

جادو، اور اویس تم کو دن رات یاد کرتے ہیں۔ گھر پھر ایک بار سُونا ہو گیا۔ اور میری زندگی پھر سراپا ویران ہو گئی۔ بس تمھاری یاد اور تمھارے پیار کو سینے سے لگائے ہوئے ہوں۔ تم میری بیماری اور اپنی پریشانی سے بے حوصلہ مت ہو اور دل کو کسی طرح چھوٹا مت کرو۔ تمھیں بہت سی معصوم محبتوں کا سایہ حاصل ہے۔ اپنے ارادے سے برابر اطلاع دیتے رہو۔ مجھ سے چھپا کر پیسے کی تکلیف کبھی نہ اٹھانا۔ میں تمھارے لئے ہر وقت پیسہ بچا سکتی ہوں۔

اور کیا لکھوں؟ منگل کے دن فاطمہ[1] بہن آئی تھیں۔ عزّت سے انھیں میری بیماری کی خبر معلوم ہوئی تھی۔

اب تم خط جلدی لکھو اور مفصّل۔ خلیل صاحب کو بہت بہت آداب کہو۔ اور کہو کہ وہ میرے ساتھ احسان کریں گے۔ اگر تمھارے ساتھ شفقت اور دوستی کا حق ادا کرتے رہے۔

ہزاروں دعائیں اور ہر گرمی اور گداز

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال

۱۳ دسمبر ۱۹۵۱ء

اچھے اختر!

---

[1] بیگم فاطمہ زبیر۔

ہفتہ بھر سے تمہاری تحریر دیکھنے میں نہیں آئی۔ خدا کرے تم اچھی طرح ہو گزری رات میں نے خواب دیکھا۔ جیسے تمھیں سلاخوں کے پیچھے بند کر کے کوئی زدوکوب کر رہا ہو۔ آنکھیں کھلیں تو میں بری طرح رو رہی تھی۔ تم مجھے خط لکھتے رہو ورنہ میری پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں۔

کل جادو کی فرمائش تھی کہ میلاد شریف کیا جائے۔ چنانچہ دس پندرہ روپے ان کی فرمائش پر صرف کر کے یہ "گناہ" بھی کر ڈالا۔ آج کل دن رات وہی تمہاری لائی ہوئی ڈکشنری ہے اور جادو ہے۔ لکھائی کی مشق ہوتی رہتی ہے اور جملے پڑھے جاتے ہیں۔ دراصل کتاب میں Variety بہت ہے۔

اگر تم وہاں کے قیام کو دشوار پا رہے ہو تو بلا تکلف آؤ۔ پھر یہاں بیٹھ کر تدبیریں سوچیں گے۔ خود کو میری خاطر تو مند اور توانا رکھو، تمہارا گھلنا میری موت کا باعث بن جائے گا۔

بے شمار پیار۔ میرے اور میرے بچوں کے۔

تمہاری صفو

بھوپال

۱۴ دسمبر ۱۹۵۱ء

اختر م!

خط ملا۔ میں تمہیں کل ہی لکھ چکی ہوں۔

تم خود کو بمبئی کے اس قیام میں اس درجہ پریشان نہ کرو۔ اب جبکہ یہ بات طے ہے کہ تم کو بمبئی نہیں رہنا ہے تو پھر کسی ذہنی کشمکش کی گنجائش باقی نہیں رہتی، نہ کسی جذباتی ردعمل کی ضرورت ہے۔ پہلی اور سب سے ضروری بات تو

یہ ہے کہ اگر تمھیں مجھ سے اور بچوں سے کچھ بھی پیار ہے تو یہ "زنجیری" کیا بلا ہے اس کا استعمال قطعی بند کر دو۔ اس سے تمھارا دل اور کمزور ہوتا جا رہا ہے اور اعصاب پر اثر پڑ رہا ہے۔ اگر طبیعت میں صحت مندی ہو تو بڑی باتیں بھی چھوٹی اور کم اہم بن جاتی ہیں۔ خود کو اس طرح تباہ کرنے سے نہ آج تک کوئی مفید نتیجہ نکلا ہے اور نہ نکل سکے گا۔ دوسری بات یہ کہ جب تم بمبئی چھوڑ رہی رہے ہو، خواہ تمہارا یہ دن کاٹنے پڑ رہے ہیں تو اس کے ساتھ مجبوری کا احساس شامل نہ کرو۔ البتہ اب جو تم آؤ تو دوبارہ جوری میں جانے کا سلسلہ لگا کر مت آؤ۔ اس کا کوئی تک نظر نہیں آتا۔ خواہ ابھی تم کو دو چار دن زیادہ ہی کیوں نہ ٹھیرنا پڑ جائے لیکن آؤ تو بس Wind up کر کے۔

"اے دوست کسی روز نہ جانے کے لئے آ"

تیسری بات تو یہ ہے کہ تم زبانی تو نہ کہہ سکو گے۔ احسان کی معرفت نواب صاحب کو رقعہ لکھ کر بھیجو اور Demand ایسی زوردار رکھو کہ وہ مجبوراً کچھ نہیں تو پانسو تو دیدیں۔ تمھارے بمبئی چھوڑ دینے پر تو ایک پیسہ بھی وصول ہونا ناممکن ہے۔

یہ سب باتیں اس لئے لکھ رہی ہوں کہ Practical پہلو انھی باتوں کا متقاضی ہے۔ تمھاری شرافت اور طبیعت کی لطافت بمبئی کی فطرت سے سازگار نہ ہوئی۔ بمبئی رہنا ہے تو تھوڑی سی ڈھٹائی کی ضرورت ہے۔

آتے وقت اپنے دونوں صندوق ساتھ لانا۔ جو کچھ وہاں چھوڑ آؤ گے وہ پھر اِدھر اُدھر ہی ہو جائے گا۔

سب سے زیادہ ضروری بات یہی ہے کہ میری وفاداری، میرے پیار اور میرے بچوں کی قسم ہے جو تم "زنجری" کا ایک قطرہ بھی پیو اختر! مجھ سے یہ تباہی قطعی برداشت نہ ہوسکے گی۔ بہادر بنو اور با حوصلہ" یوں زندگی سے بھاگ کر جینا نہیں ہے زندگی" تم نے ہی تو کہا ہے!

آؤ ساتھی میری آغوش تمھاری منتظر ہے۔

تمھاری صفیہ

بھوپال

۱۲ دسمبر ۱۹۵۱ء

میرے اختر

تمھارے خط ملے۔ ادھر میری طبیعت خراب سی رہی اسی لئے تمھیں خط بھی نہ لکھ سکی۔ اس کے بعد کالج جانے پر معلوم ہوا کہ الیکشن کے سلسلے میں مجھے Presiding officer بنایا گیا ہے۔ مردوں کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ بہر حال اس کے لئے دو تین دن پریشان ہونا پڑا اور بمشکل جان بچی اب میرا نام لیڈیز Booth کے لئے کر دیا گیا ہے۔ پہلے امکان اس کا تھا کہ باہر جانا پڑے، اب غالباً یہیں کام کرنا ہوگا

الکشن کے اعزاز میں کل بہ اجازت چیف کمشنر صاحب، تعطیلات بھی کٹ گئیں۔ اب کالج صرف ستائیس سے دوسری تک بند رہے گا۔ تم نے لکھنؤ جاکر میرے دوبارہ مشورہ حاصل کرنے کے لئے لکھا ہے تو جی ضرور چاہتا ہے۔ لیکن اختر جھنجھٹ بہت ہے۔ جیسے تیسے یہ دن گزر ہی جائیں گے۔ دوا کا استعمال جاری رہی ہے۔ میں ڈاکٹر بہادر کو اپنا تفصیلی حال لکھ کر ہی مشورہ

لے لوں گی۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک زندگی کی یہ الجھنیں دور نہ ہونگی میں لاکھ دوائیں پیوں انجام کچھ نہ ہو گا۔ آج تمھیں اور تمھارے ساتھ مجھے اور میرے بچوں کو سکون میسر ہو، پھر میں بغیر دوا کے ہی اچھی ہو جاؤں گی۔

سالم نے خط کا جواب ابتک نہیں دیا۔ خدا جانے کیا بات ہوئی وہ جواب کے بارے میں عام طور پر بہت ہی مستعد رہا ہے۔ دیکھو تم نے چھبیس تک آنے کو لکھا ہے۔ آج بائیس ہے۔ نہیں معلوم وہاں کی مصروفیتیں تم پر کیسی گزر رہی ہیں۔ میرے خیال سے تو اچھا ہے کہ نلستان کے معاملہ کو انجام تک پہونچا کر آؤ۔ ورنہ ذہن کی وہی اگلی سی حالت رہے گی اور کسی اور طرف ہاتھ پاؤں نہ چلا سکو گے۔ اگر نلستان کے معاملات گرم ہوں تو پھر چند دن اور ٹھیر جاؤ۔

اور کیا لکھوں۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ تمھاری یاد اور تمھارے خیال کے لئے وقف ہے۔ نہ جانے کیسی کیسی ترکیبیں ذہن میں تراشتی رہتی ہوں کہ یہ دور گزر سکے اور ہم تم دونوں اپنے سایے میں ان بچوں کو ہنسنے کھیلنے کا موقع دے سکیں۔

اچھا اب تمھارا راستہ دیکھوں یا تمھارے خط کا

ساتھی !

تمھارے پریم کی بھوکی

صفیہ

بھوپال
۲۷ر دسمبر ۱۹۵۱ء

اختر میرے۔

خط ملا۔ اس طرف میرے خط مستقل تمہیں دیر سے مل رہے ہیں، مگر کیا کروں کہ آئے دن نئی پریشانیوں کا سامنا ہے۔

ادھر جادو کے لئے کوٹ کا کپڑا خرید ڈالا تھا۔ سنو جا کے ہمراہ کوٹ سلوانے ٹھہر گئے۔ واپسی میں جو تیز بخار چڑھا تو چار دن اسی چکر میں گزرے ہیں تو سمجھی کہ قطعی Relapse ہو گیا ہے ڈاکٹر سلطان صاحب کی مدد شامل حال رہتی ہے بس یوں ہی دن رات گزرتے ہیں۔

تمہارے خط سے پتہ چلا کہ جگر کی تکلیف تمہاری پھر تازہ ہو گئی ہے۔ "رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھئے کیا ہو" والی بات ہے اختر اس تکلیف کا سبب تو تم کو خود معلوم ہے۔ بھلا ہو اس زنجیری کا مجھے اسی طرح کے خدشے تھے اس سے۔ اب تم میری التجا کی خاطر اس سلسلے کو بند کر دو اور کیلے اور سنترے کا استعمال کرو، یہ مفید ہیں۔

اب کالج چھ دن کے لئے بند ہے۔ دن بھر بچے ہیں، گھر ہے اور میں ہوں۔ پرسوں اختر ہماری شادی کی آٹھویں سالگرہ تھی۔ تم ہوتے تو ہم کیا کچھ جشن نہ مناتے لیکن تم آج کے دن بھی مجھ سے دور ہو، ہاں جنوری میں تمہارے آنے کا آسرا ہے۔

کل دن بھر سلائی سے دل بہلاتی رہی گو کہ ہاتھوں سے ٹھیک کام نہیں ہو سکتا پھر بھی ذہن تو مشغول رہتا ہے۔ پھر تمہارے آنے کا خیال جو ہے

"دل میں ہے خوش سلیقگی بیدار" گاؤ تکیہ کا غلاف۔ تی کوزی کا کور تخت کی چادر سبھی چیزیں ضروری معلوم ہونے لگی ہیں اختر۔ تم یہ دن سکون سے گزار کر اور فلمستان کے اُبھیڑوں سے فارغ ہو کر میرے پاس آجاؤ۔ میں تمھیں بہت سا آرام دوں گی۔

ہاں ایک فرمائش جو فی الحال بے موقع ضرور ہے لیکن "دنیا امید پر قائم ہے" کے تحت کر رہی ہوں، آتے ہوئے یاد رکھنا ایک چائے کا سیٹ White-metal کرافورڈ مارکیٹ سے ضرور خریدتے لانا اور آٹھ دس چینی کی پیالیاں اور چمچے۔ بس ایک پچاس روپئے کا صرفہ سمجھو۔ ہاں سیٹ پائیدار زیادہ ہو اور نفاست زدہ کم۔ غصہ مت کرنا اختر کہ یہاں تو پیسے پیسے کی دقت ہو رہی ہے۔ اور بیگم صاحبہ اس قدر اونچے سے بول رہی ہیں۔ دوست! یہ بیوی کی جہالت بھری فرمائش نہیں ہے، دوستی کی باتیں ہیں۔ تم آتے ہو تو گھر کی فضا جاگ جاتی ہے۔ تمھارے دوست احباب کو بُرے برتنوں میں چائے پلانی بری لگتی ہے خیر۔

جاوداویس نے سُن لیا ہے کہ تم آنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ بس پھر کیا ہے پھولے نہیں سماتے "ہمارے ابی آنے والے ہیں" "ان کو آنا ہی پڑے گا"۔ وہ تو آہی رہے ہوں گے"۔ دن بھر تمھارے آنے کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ کل جاوِد کہہ رہا تھا کہ "امی گھبراؤ نہیں اگر ابی نہیں آئیں گے تو میں خود انھیں جا کر لاؤں گا"۔ اس کی ایسی معصوم اور بھولی باتوں سے میرا کلیجہ کٹنے لگتا ہے

اپنا حال کیا لکھوں "تیری آمد کا تصور، تیرے خط کا انتظار"۔ اپنے سارے حالات لکھو۔ اپنی تندرستی کی طرف سے مزید غفلت کی گنجائش نہ سمجھو پرہیز

ضرور رکھواور بھی میری فرمائش سے کھاؤ۔ اچھا

تمہاری ہی صفو

بھوپال

۳۰ر دسمبر ۱۹۵۱ء

اختر میری جان!

تمہارا صرف ایک خط اس دوران میں ملا۔ اب تو مجھے تمہارے آنے کی آس بندھی ہوئی ہے۔ گھر کے کاموں میں میرا جی جمتا ہے۔ کتنی ہی چھوٹی چھوٹی سلائیاں کرتی رہتی ہوں۔ جی چاہتا کہ ہر شے درست ہو اور جب تم آؤ تو تمہیں راحت مل سکے۔

آج شام کو عالیہ عسکری کے یہاں جانے کی نیت کر رہی ہوں، کچھ گپ شپ ہو سکے گی۔ یہاں تو تم جانتے ہو کہ انسانوں کا قحط ہے۔

بمبئی کے مفصل حالات لکھو۔ جگر کی شکایت کا کیا حال ہے انجکشن لگوا ڈالو۔ میں دواؤں کا استعمال کر رہی ہوں۔ مرض ٹھہر گیا ہے اور بہت سی باتوں میں افاقہ بھی ہے۔ تم کب تک آسکو گے۔ پیسوں کے لئے بھی جیسا کچھ ہو لکھو۔

جادو اور اس ہر لمحہ تمہارے منتظر ہیں۔ ہزاروں پیار

تمہاری صفو

بھوپال

۹ر جنوری ۱۹۵۲ء

میرے اپنے اختر:

ہزار دل پیار،

تمہارا خط ملا۔ ادھر میرا کوئی خط تمھیں نہیں ملا ہوگا، تمھیں اس بات پر غصہ بھی ہوگا، لیکن یقین کرو پورا ہفتہ شدید کرب کے عالم میں گزرا۔ ایکا ایکی میرے کان میں ایسا درد اٹھا کہ تکیہ سے سر اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔ اسی حال میں کئی بار الکشن کی مصروفیت کے سلسلے میں دوڑنا پڑا۔ گو کہ کالج سے چھٹی لے لی تھی۔ شکر ہے اب ڈاکٹر کی دوا سے درد کم ہے۔ ایسے حال میں تمھیں کیا لکھتی ادھر لکھنؤ بھی پورے پندرہ دن سے کوئی خط نہیں لکھا ہے میں نے، وہ سب پریشان ہوں گے۔ بہر حال تم فکر مند نہ ہونا، ہر بات تمھارے ہی سہارے سے آسان ہو جاتی ہے یہ بے خواب راتیں بھی تمھارے تصور ہی میں کٹ گئیں۔

تم نے فلمستان اور نواب صاحب کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے تو بھئی فلمستان والے حصے سے تو مجھے اتفاق ہے، البتہ نواب صاحب سے جب تم نے اتنی حد تک نبھایا ہے تو آخر میں مروت مت توڑو حالانکہ ان کی حد درجہ زیادتی ہے کہ تمھارے تقاضے کو انھوں نے درخور اعتنا نہ جانا۔ بہرحال Poise سے کام لو، ان کے گانوں کی دھنیں تمھارے ہی ہاتھوں ہونی چاہیئے۔ اور بس کیا کہتے ہیں اس بارے میں۔

جادو اب ٹھیک ہے اسکول جاتا ہے۔ اور کلاس کلاس نظمیں اور اشعار سناتا پھرتا ہے۔ اب بھی پاس بیٹھا ہے "وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی" عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی، نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی" کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔ اسکول کی طرف سے بیس ہزار کی ایک نہایت نفیس بس خریدی گئی ہے۔ اس پر تختیاں اتارتا رہتا ہے۔ سوچتی ہوں اویس کو بھی بھیجنا شروع

کر دوں۔ تم نے اویس کا نام بدلنے کے لئے لکھا ہے، سو نام بھی تمہیں تجویز کرو۔ میں نے اویس سے کہا کہ اس کا نام اسکول میں سلمان لکھوا دوں تو نہ اس بات پر اویس راضی ہے اور نہ جادو۔

جادو کا کوٹ سلوا دیا ہے اب ایک گرم پتلون کی فکر لاحق ہے۔ بچوں کے لئے ماسٹر بھی رکھ دیا ہے۔ شام کو آتے ہیں پڑھانے کو۔

اب خط جلدی لکھو، گولیوں کا استعمال ضرور رکھو، انجکشن کے لئے تم سے نہ کہوں گی۔ ولی کو لکھوں گی، وہی اس بارے میں مدد کر سکتے ہیں۔

اب بچے بہت ستا رہے ہیں اس لئے فی الحال خدا حافظ۔

تمہاری صفو

۱۴ر جنوری ۵۲ء

اختر میرے

تمہارے کئی خط اکٹھے ملے تمہارے جگر کی تکلیف سے اب تو سنجیدہ قسم کی فکر پیدا ہے۔ کیا ہونا ہے آخر؟ تم شروع میں پرہیز نہیں کرتے اور بعد میں علاج سے تغافل برتتے ہو۔ انجکشن نہایت ضروری ہیں۔ میں ساتھ ہوں یا نہیں۔ اس کا خیال نہ کرو۔ ولی کم سے کم اگر تمہیں انجکشن لگا جایا کریں گے۔ تم بس ایک بار ولی سے مل لو بلکہ اس کے ساتھ کسی ڈاکٹر کو بھی دکھا دو۔ تلخ اور مایوس نہ ہو۔ بیماریاں زندگی کے ساتھ ہیں۔ دیکھو میں ہی سال بھر سے ایسے موذی مرض سے کش مکش جاری رکھ رہی ہوں۔

اختر تم پریشانیوں کو ہنس کر ٹالنا سیکھو اس اعتماد پر کہ کوئی تمہارا شریک بھی ہے اور اگر تم بمبئی میں وقت گزارنا دشوار پا رہے ہو تو بلا تاخیر و تامل وہاں

چلے آؤ۔ اپنے ذہن و دماغ کا خون نہ کرو اور نہ خود پر کسی طرح شکستگی طاری کرو۔ انقلاب پسندی موت سے رغبت نہیں دلاتی۔ زندگی کا حوصلہ بیدار کرتی ہے۔ آؤ زندہ رہیں ایک روشن مستقبل کی امیدوں میں ساتھی!

میری طبیعت جیسی تیسی چل رہی ہے، دوا کا برابر استعمال کر رہی ہوں۔ حال میں نے لکھنؤ لکھ کر بھیج دیا ہے۔ ڈاکٹر ٹی بہادر کے علاج سے مرض ٹھہر گیا ہے۔ ہاتھوں کی تکلیف بھی کم ہے۔ سلائی وغیرہ بھی کر لیتی ہوں۔ البتہ ٹانگیں قطعی بیکار ہیں۔

ہاں اختر سعید، سنا ہے زوروں پر الکشن لڑ رہے ہیں۔ شاکر علی خان کی زیر قیادت۔ ادھر آصف شاہمیری صاحب نے بمبئی سے ایک نہایت فحش قسم کا پوسٹر ان لوگوں کی مخالفت میں نکلوا بھیجا ہے۔ مجھے تو عالیہ عسکری سے پتہ چلا۔

جاد داویس تمہاری یاد سے مسرور رہتے ہیں۔ میں نے انھیں تمہاری طبیعت کے خراب ہونے کا حال نہیں بتایا۔ خواہ مخواہ انھیں اُداس کرنے سے فائدہ! یہ فکریں ہم تم ہی مل کر جھیل لے جائیں تو اچھا ہے۔

بمبئی کے قیام میں کوئی مصلحت نہ ہو تو فوراً آنے کا ارادہ کر لو۔

زیادہ پیار

تمہاری اپنی صفو

بھوپال

۱۸ر جنوری ۵۲ء

اختر میرے!

آج تمھارے کا خط شدید انتظار ہے۔ تمھاری طبیعت ٹھیک نہ ہونے سے فکر زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ خدا کرے اب تم کو کچھ سکون ہو۔ تم اپنی خیریت کی اطلاع میں تاخیر نہ کیا کرو۔ میرے لئے اس حالت میں تمھارے خط ٹانک کا کام کرتے ہیں۔

کل جادو کی سالگرہ تھی۔ میں نے صرف دو گلاب جامن منگا کر ایک جادو کے منہ میں رکھ دی اور دوسری اویس کے منہ میں اور جادو کو ان کی پیدائش کی تفصیلات سنا کر خوش کر دیا۔ دن بھر امی امی کس قدر وابستگی اور کتنا قرب، ہاں کبھی جادو بھی جوان ہو کر مجھ سے چھوٹ جائے گا اور پھر ہم تم دونوں اپنے بڑھاپے کے رو پہلے دن ایک دوسرے ہی کے سہارے سے گزار سکیں گے۔

گھبراؤ مت ساتھی۔ بد دل مت ہو، اچھے دن آکر رہیں گے۔

تمھاری چاہنے والی

صفیہ

بھوپال

۲۴ر جنوری ۵۲ء

میرے عزیز اختر!

آج بارہواں دن ہے کہ تمھارا کوئی حال مجھے نہیں معلوم سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا سوچوں، تمھاری طبیعت کی خرابی، پیسے کی تنگی اور ذہنی پراگندگی یہ سب چیزیں اتنی دور سے میرے لئے کتنی اذیت انگیز بن سکتی ہیں۔ سوچو تو؟ تمھارے خطوں کے بغیر میں یہاں کیونکر رہوں اور کیسے ان بچوں کی کشتی کو تنہا کھیتی رہوں۔ ان کو تو میں نے آج تک ہر سرد و گرم سے بچائے رکھا ہے۔ تم مجھے بے سہارا نہ کرو میں حد سے زیادہ فکرمند ہوں۔

تمھاری اپنی صفیہ

بھوپال
۲۹ر جنوری ۵۲ء

جان عزیز!

کیوں بھولے ہوئے ہو مجھے؟ میں تو تمھاری یاد سے خالی نہیں ادھر دو چار دن الکشن کی حد درجہ سرگردانی جھیل کر جو بستر پر پڑی ہوں تو کل سے اٹھنے کے قابل ہوئی ہوں۔ میری زندگی بیکار سی ہو کر رہ گئی ہے۔ دسمبر کا مہینہ تکلیفوں کے اعتبار سے قدرے ہلکا گزرا تھا۔ میری ڈھارس بندھ گئی تھی۔ جنوری پھر مصیبت ہی رہی اب دیکھو تس پر ستم یہ کہ ہفتے کے ہفتے نکل رہے ہیں کہ تم مجھے خط نہیں لکھ رہے۔ میری حالت کا اندازہ کرو۔ کل پیروں میں پٹیاں کس کر کالج گئی۔ بہ مشکل وقت کاٹ کر واپس آگئی۔ آج اور جانا ہے کل بسنت کی چھٹی ہے۔

جادو اور ادیس اچھے ہیں اور خوش۔ صبح شام تمھارے انتظار میں رہتے ہیں۔ روزانہ ادھورے خط لکھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔

تمھاری صحت کا حال بھی تو مجھے نہیں معلوم، درد کیسا ہے؟ گیتوں کی مصروفیت کا کیا حشر ہوا؟ تم فروری کے پہلے ہفتہ میں ضرور آ جاؤ۔ کچھ دن تو سکون سے گزر سکیں گے۔

ہاں الیکشن کی نامبارک اطلاعات یہ ہیں کہ نئی راہ[1] کا ایک ایک نمائندہ بری طرح پٹ گیا۔ شاکر علی خان ہار گئے۔ اختر سعید کی ضمانت ضبط ہو گئی۔ شنکر دیال کا حریف بھی ہارا۔ مسلمانوں میں بس وہی نمائندے آئے ہیں جو کانگریس ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ میمونہ[2] کے منسٹر ہونے کی خبر گرم ہے "آگے آگے دیکھیے ——" بہرحال اپنے دن رات تو ویسے ہی اندھیر ہیں کہ جیسے تھے۔

آ جاؤ دوست! آج کل زندگی کا احساس مٹ سا رہا ہے۔ مجھے مرنے سے بچا لو۔

تمھاری صفیہ

بھوپال
یکم فروری ۵۲ء

اختر میرے!

بہت پیارا سا خط ملا۔ شکر ہے کہ تم بخیر ہو۔

البتہ یہ "نیچرل کیور" کی ہرگز نہ سنی جائے گی۔ تم ذرا بھی میرا خیال کر سکتے ہو تو ایک قطرے کی بدپرہیزی ناروا سمجھو، ورنہ ظاہر ہے کہ اپنی مرضی کے

---

[1] بھوپال میں ترقی پسند خیالات رکھنے والی پارٹی "نئی راہ پارٹی" کے نام سے منسوب تھی۔

[2] بھوپال میں مزدور تحریک کے لیڈر رشتہ میمونہ سلطان۔

مالک ہو میں بچاری کون؟

ہاں کل مصداق[1] کا خط آیا تھا کہ وہ بھوپال سے گزر رہی ہیں اگر میں اسٹیشن پر مل سکوں تو اُتر جائیں گی چنانچہ ہزاروں دشواریوں کا مقابلہ کر کے صبح اسٹیشن پہونچی۔ ان کی ایک نند بھی موجود تھیں۔ فی الحال وہ شہر ان کے گھر گئی ہیں شام سے پہر تک۔ نماز میں آجائیں گی۔ تم نے میرے خطوں کی خشکی کی شکایت کی ہے! "تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے؟"

آخر میرا رنگ روپ تو تمہیں سے ہے۔ جب تم نہیں تو پھر زندگی کا دعوےٰ بے سود ہے۔ بہر حال صورت "انتظار" جیتی ہوں اور جیوں گی۔

تمہارے ارادے تلون آشنا ہوتے ہیں۔ آنے کا ارادہ رکھتے رکھتے ڈھیلا کر دیتے ہو۔ آخر کوئی بات پکی تو کرو جس کے سہارے یہ دن کاٹ سکوں۔ کب آؤ گے ٹھیک لکھو۔ تمہاری شاعری سے مجھے پیار ہے مگر اس درجہ نہیں کہ اس کے پیچھے ہم سب کو بھول بیٹھو۔ بچے تمہارے لئے بری طرح تڑپتے ہیں

آؤ میں تمہارے پیاروں کو ترستی ہوں۔

تمہاری صفیہ

بھوپال

۵ رفروری ۵۲ء

جان عزیز!

خط ملا۔ تم میری نگرمیں خود کو اس طرح نہ گھلاؤ اختر! تم تو جانتے ہو کہ

[1] بیگم صالحہ عابد حسین

مجھ میں عزم اور حوصلہ ہے۔ اور آج بھی میں نے ہتھیار نہیں ڈالے ہیں۔ میں تمھیں اپنے دکھڑے سنا کر کبھی کبھی پریشان کر دیتی ہوں لیکن کیا کروں دوست مجھ پر جو گزرتی ہے، اس کا ذکر تمھارے سوا کسی اور سے ممکن بھی تو نہیں ہے۔ دسمبر میں میری تکلیفیں نمایاں حد تک کم رہیں اب پھر انھوں نے سر اٹھایا ہے جب تک یہ سلسلہ چلے، چلانا ہی ہے۔ اب تعطیل میں پھر جم کر علاج کی فکر کرنی ہوگی اور طریقہ بھی کیا ہے؟

تم کہتے ہو کہ بمبئی چھوڑ کر آ بھی گئے تو بیکار رہ کر بھی گزر مشکل ہو جائے گی۔ میں تمھاری طبیعت اور مزاج کو جانتی ہوں۔ تم بے روزگاری کا صدمہ ضرورت سے زیادہ کرتے ہو۔ پھر آخر تم کیا سوچتے ہو؟

میں تو اتنا جانتی ہوں کہ ان حالات میں تمھیں میرے لئے اور مجھے تمھارے لئے اور ہم دونوں کو مل کر بچوں کے لئے زندہ رہنا ہے۔ ان بچوں کی نظریں ہماری ہی طرف اٹھتی ہیں۔ اور ہم انھیں فریب نہیں دے سکتے۔

تم بارہ فروری تک آ جاؤ لیکن ایک ہفتہ کے لئے نہیں کم سے کم دو ہفتوں کے لئے۔ پھر کچھ آئندہ کی بات سوچیں گے۔

مستداق آئی تھی۔ جادو اس کے گلے پڑ گیا۔ اپنی نوٹ بک میں اس سے ایک کہانی لکھوا کر ہی چھوڑی اور کہانی کے فن پر ایسی بصیرت افروز تنقیدیں کیں کہ مصداق دنگ رہ گئی۔

اب تو ادیس بھی اسکول جانے لگا ہے۔ جادو کی قیادت میں۔ کل جادو نے بتایا کہ ادیس تین غلطیاں کرتا ہے جن کا دور ہونا ضروری ہے اور جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر گھنٹی کی آواز کو سمجھ لیتا ہے کہ گھر جانے کی گھنٹی

بچ گئی ہے۔

بچے تمھاری آمد کی خبر سے اس قدر خوش ہیں کہ رات کو نیند آنی مشکل ہوتی ہے انھیں خط جلدی جلدی لکھا کرو۔ مجھے تو جنوری بھر الیکشن اور بیماری دونوں نے خاصا پریشان رکھا۔ سو الیکشن کا نتیجہ تو سامنے آ گیا "نئی راہ" کا ایک نمائندہ بھی منتخب نہ ہوا، اختر نہ جانے یہ لوگ کچھ کام کرتے بھی ہیں یا نہیں مجھے تو بڑی مایوسی ہوئی۔ بھوپال کے حالات تو بہت سازگار ہیں لیکن دراصل یہاں اچھے ورکروں کی بڑی کمی ہے۔ اب رہی میری بیماری، سو اس کا انجام اور دیکھنا ہے!

بمبئی کی انڈسٹریل نمائش کی تعریفیں مصداق سے سُنیں۔ جی چاہنے لگا کہ دو چار دن کے لئے بمبئی آ سکتی لیکن صحت اور روپیہ دونوں کی اجازت نہیں ہے۔

یہ خط کالج سے لکھ رہی ہوں۔ لڑکیوں کی آمد و رفت سے مسلسل ذہن برہم ہو رہا ہے، گھر جا کر لکھتی تو کوئی ڈاک میں ڈالنے والا نہ ہوتا۔ جادو اور ادیس تو اسکول ہوں گے۔

اچھا ہزار دل پیار، آمد کی تاریخ سے اطلاع دو
تمھاری صفوؔ

بھوپال
۸ر فروری ۵۲ء

جانِ عزیز!
کئی دن سے تمھارا خط نہیں ملا۔ تم میرا علاج ہی سمجھ کر مجھے برابر خط

لکھتے رہا کرو اختر! مجھے تمھاری تھوڑی سی بات کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے۔ مجھے اپنے حالات، عزائم اور پروگرام سے جلد کیا فوراً مطلع کرو۔ کب آ رہے ہو؟ مجھے بھروسہ ہے کہ تم ضرور ابھی آؤ گے!

یہاں کے حالات کیا لکھوں جبکہ کوئی بات ہی نہیں ہوتی، زندگی میں کالج کا چکر، بچوں کے ہنگامے۔ گھر کی مصروفیتیں اور بس رہا آنے جانے کا مسئلہ سو فیض کی نظم آپ بیتی سی بن کر رہ گئی ہے۔

اختر سعید سے بے وجہ بڑی ہمدردی سی محسوس ہوتی رہتی ہے۔ بچارے پر وہی عالم گذر گیا[1] "دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے" بیوی ٹنسیلٹی کے ڈیڑھ سو ماہوار سے بھی محروم ہوا اور بھوپال میں رسوائی کے سوا اور کچھ بھی ہاتھ نہ لگا ملاقات تو کیوں ہوگی، وہ آنے ہی کیوں لگے۔ بہرحال میرا احساس اپنی جگہ پر ہے۔ کیا ضروری ہے کہ اس کا اظہار بھی ہو۔ اویس کو آجکل اردو پڑھنی سکھا رہی ہوں۔ بہت بد کتے ہیں۔ جاوید کو تو اپنے عالم فاضل ہونے پر بڑی طرح ناز ہے۔ اسے ہر وقت کچھ کہتے رہتے ہیں۔

خلیل صاحب کو میرا آداب کہو۔ میں ان کی ہر طرح سے بہت شکر گزار رہی ہوں۔ ایسی بے نفس ہستیاں آجکل کم نظر آتی ہیں۔

زیادہ کیا لکھوں۔ زندگی کی ایک ایک رمق تمھاری یاد سے آباد اور لبریز ہے۔ آؤ تمھیں پیار کروں

تمھاری صفو

---

[1] "تنہائی" فیض احمد فیض کی نظم

بھوپال

۸ر مارچ ۵۲ سنہ ء

اختر میرے

آج ساتواں دن آگیا تم سے جدا ہوئے۔ میں نے تم کو خط بھی نہیں لکھا بس اسی دن سے جو منزل کا سلسلہ لیکر پڑی ہوں تو سر اٹھانے کی مہلت نہ تھی۔ بہر کیف! اکثر تمھاری یاد بھی غم میں تحلیل ہونے لگتی ہے۔ میں تمھارے سکھ سے اور تم میرے سکھ سے محروم ہو دوست! تمھارے بچے مجھے زندہ رکھ رہے ہیں۔ ورنہ میرا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

کل کیمبرج میں نمایش وغیرہ تھی۔ جادو کو بچّوں کے مشاعرہ میں شریک کیا گیا تھا۔ سکنڈ پرائز ملا ہے۔ نہ پوچھو کس درجہ نازاں ہے وہ خطوں میں کمی نہ کرو۔ میں تو کبھی کبھی اس لئے نہیں لکھتی کہ پریشانی سے تم کو بچا لینا چاہتی ہوں۔ تم اپنے حالات تو لکھتے رہو۔ تمھارے جاتے ہی گھر پر اُداسی مسلط ہو گئی۔ کوئی جھانک کر بھی دیکھنے والا نہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ "ترا خیال ہے تیرا جمال ہے تو ہے!" اس کے آگے مجھے کسی اور بات کی فرصت بھی تو نہیں ہے۔ آؤ میرا سر اپنے شانے پر ٹک جانے دو۔ میرا ہر غم بھول جاتا ہے۔ اس طرح۔

تمھاری اور صرف تمھاری صفیّہ

بھوپال

۱۴ر مارچ ۵۲ سنہ ء

اختر م!

تمھیں گئے ہوئے کتنے دن ہو گئے۔ اور اس عرصہ میں مجھے تمھارا صرف

ایک ہی خط ملا۔ تمہاری خیریت اور تمہارے حالات کی طرف سے فکر رہتی ہے۔ گھڑی گھڑی کی خیر مناکر یہ جدائی کا عرصہ کٹتا ہے۔ تم نے حکیم صاحب سے مشورہ کرنے کو لکھا تھا۔ ابھی تک اس کی نوبت نہیں آسکی ہے۔

یہاں کی منسٹری کے سلسلے میں سنا ہے کہ کل آفیشل اعلان ہو گا۔ ستیا نند دیال چیف منسٹر ہوئے ہیں۔ کامتا پرشاد ڈپٹی منسٹر اور طرزِ ہی تعلیمات کے "محافظ" خیر یہی کا ہے۔

رفیق کا پوسٹ کارڈ آیا ہے اس نے آنے کو لکھا ہے۔ آئے تو اچھا ہی ہے۔ اس مرتبہ میں کچھ بھی تو تمہارے ساتھ نہ کر سکی۔ اب کی تم نے یہ سارا عرصہ اس بری طرح سے بھوپالیوں کے نذر کیا کہ مجھے تو محسوس ابھی نہ ہو سکا کہ تم میرے پاس ہو۔ آخر دن تو سمجھو کہ زبردستی ہی نے تمہیں لینے اور بچوں کے پاس پھر گھڑا کر ٹھہرا لیا تھا۔

تمہارے کپڑوں کی طرف سے فکر ہے۔ ہاتھ پیر تو لکھنؤ ہی جا کر چل سکیں گے۔ پاجامے کس طرح کے سلواؤ گے؟ اب تمہارا جی کرتوں سے بھی بھر گیا ہے تو کیا پھر قمیصوں ہی کی فکر کی جائے؟ اپنی مصروفیت کے بارے میں لکھو چین والا حصہ نظم کا شروع کیا یا نہیں؟

یہاں جاوید اور سلمان کے ہنگامے ہیں اور میری جان ناتواں ہے لکھائی پڑھائی، کھیل، لڑائیاں، مقدمے، فیصلے، یہ ہے چکر ان کی زندگی کا اور اسی چکر پر میں بھی گھوم رہی ہوں۔ "تمہارا عطیہ تمہاری نشانی" والی بات ہے۔ صبح سے شام تک کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جس میں ابی کا ذکر نہ آجائے ہاں وہ لال موٹر والی نظم کہہ ڈالو۔ پر ایسی ہو کہ بچے آسانی سے سیکھ سکیں اُنھیں

ارمان ہیں تمھاری نظم سیکھنے کے۔

جوشؔ صاحب تو اللہ رکھے آج کل پاکستان براج رہے ہیں۔ ایک خط ان کی واپسی پر انھیں لکھ کر اپریل میں ان کے پاس پہونچنے کی دھمکی تو دے ہی ڈالی۔ ان چھٹیوں میں کچھ تو ایسے ہاتھ پیر چلاؤ کہ مجھے تمھاری قربت حاصل ہو جائے ورنہ آئندہ سال یہ گاڑی چلانا میرے لئے قطعی مشکل بن جائے گا۔ اور تمھاری زندگی برباد ہے سو الگ۔ یہاں دو چار دن رہ کر بھی تمھارا چہرہ بحال ہو گیا تھا۔ کھانے کی طرف سے اتنی غفلت مت برتو۔

اور کیا لکھوں دوست؟ میں نے تمھارے اور تمھارے بچوں کیلئے اپنی زندگی میں اب تک عزم پیدا کر رکھا ہے۔ آج مجھے تمھاری ہمدردی اور تمھارے سہارے کی ضرورت ہے۔ تم اپنے میں دُگنی طاقت پیدا کر کے میری مدد کو اٹھ کھڑے ہو اختر! آؤ میں تمھارے گلے سے لگ جاؤں۔

تمھاری صفو

بھوپال

۲۰ مارچ ۵۲ء

میرے اختر!

خط مل گیا۔ میں تمھیں بہت دیر دیر سے لکھ رہی ہوں۔ پر کیا کروں جی ہی اچھا نہیں رہتا۔ کالج کی ذمہ داریاں بھی ساتھ چل رہی ہیں انٹرمیڈیٹ کے امتحانات میں نگرانی کی ڈیوٹی بھی لگ گئی ہے، ادھر ممانی بہت بیمار رہیں اُن کی دیکھ بھال بھی ضروری تھی۔ شکر ہے کہ اب حالات اچھے ہیں۔ تم خود کو زیادہ متفکر نہ کیا کرو۔ یہ سب باتیں اگر میں لکھ ڈالتی ہوں تو اس لئے کہ کسی

اور کو تو لکھتی نہیں تم جانتے ہو کہ ہمت اور حوصلہ مجھ میں بہت ہے حالات کا مقابلہ کر لیتی ہوں۔

تم نے پرنسپل کے خط کے بارے میں لکھا تھا آج تک اس کی نوبت نہیں آسکی۔ تمہارے کاموں میں میں نے کبھی اتنی تاخیر نہ کی تھی، لیکن تم جانو کہ ؎

وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے
ناز کھینچوں بجائے حسرت ناز

کا مرحلہ زندگی میں آ سا گیا ہے بگل ہی کہوں گی اُن سے۔

کلکتہ جانے کو لکھتے ہو ضرور جاؤ اور واپسی پر میرے پاس ہوتے جاؤ۔ البتہ مجھے فی الحال تم پیسے نہ بھیجو۔ اوّل تو نمیلیل صاحب کے پیسے چکا کر تمہارے پاس کیا بہت رہ جائے گا؟ دوسرے پھر سفر وغیرہ کا بھی قصد ہے پیسے کے سلسلے میں تم پر سد آتخی کا دور رہتا ہے — ایسے کا فر شہر میں رہ کر خالی جیب سے گزارہ کرنا اور اپنے Morale کو برقرار رکھنا یہ کوئی ایسی آسان بات تو نہیں ہے۔

نفیس کا اور اماں جان کا خط دوبارہ آیا ہے۔ شعری[1] نے ان لوگوں کو میری بیماری کی خبر سنا دی۔ چنانچہ پریشان ہیں۔ خط لکھوں گی۔ لکھنؤ سے کوئی خط نہیں آیا ہے۔ پریشانی ہے۔ اسرار بھائی[2] گھر بلائے گئے ہیں۔ دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ ہر طرف سے ذہن پر پریشان کن اثرات ہی مرتب ہوتے ہیں۔ آخر دماغ کو کیونکر سخت بنایا جائے۔

---

[1] شعری بھوپالی [2] اسرار الحق مجاز

تم مجھے کیونکر ملو گے ؟ میں کیسے تمھارا ساتھ پا سکوں گی، میری زندگی کا یہ ردکھا سوکھا پن کیسے ختم ہو گا، کچھ تو بتاؤ اختر! تمھارے مشاغل اور تمھارے Achievements کی اطلاع ہی سے مجھ میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ تم زندہ دل اور خوش رہو۔ اس سے میری زندگی بڑھتی ہے، کوئی بات نہیں۔ آؤ اب صوفیائے کرام کی طرح عشق حقیقی کی منزل طے کرنے کی کوشش کر ڈالی جائے۔ دوری کا احساس شاید یوں ہی مٹ سکے دوست!

سلمان اور جادو مجھ تمھاری یاد میں محو رہتے ہیں۔ پیار کہہ رہے ہیں تم کو۔ جادو کہہ رہا ہے کہ میرا انگریزی پیار لکھ دو۔

تمھاری صفو

بھوپال

۲۴ مارچ ۶۲ء

اچھے اختر!

سیکڑوں پیار۔ خط ملا۔

یہاں کے حالات کیا لکھوں اپنا تو وہی رنگ ہے۔ البتہ بھوپال کا رنگ بدل سا رہا ہے۔ وزارت کی تفویض کے بعد ہی، پرنسپل کا بنگلہ ضبط ہوا۔ اور آئے دن کسی نئی شامت کی اطلاع ملتی ہے۔ آج کل شنکر بھی مورد عتاب ہیں۔ تعلیم کا محکمہ شنکر دیال نے اپنے ہی پاس رکھا ہے۔

تم اپنا پروگرام لکھو۔ کلکتہ کب روانہ ہو گے؟ واپسی پر یہاں ہوتے جانا۔ وقت کس طرح گزر رہا ہے۔ کہیں میری طرف سے بے تعلقی کا دور مت شروع کر لینا۔ میں مر جاؤں گی۔ مجھے یہ اعتماد ہی اس خشک اور ویران دنیا

میں زندہ رکھ رہا ہے کہ تمھارا پیار مجھے حاصل ہے ساتھی۔ نظم کس منزل سے گزر رہی ہے۔؟

ہاں تمھارے خبطی مقصود عمرانی نے ایک رپورتاژ حمیدیہ کالج کی ادبی شام سے متعلق "نیا بھوپال" میں چھپوا دیا ہے۔ جس میں تمہیں نہایت تیز سُرخ رنگ میں ڈبو کر پیش کیا ہے۔ مبارک ہو۔

ابھی کالج سے لوٹی ہوں، آج طبیعت خاصی ہلکی پھلکی محسوس ہو رہی ہے بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ہی رہوں گی مگر کیا بھروسہ؟ اس عارضی اچھائی کا۔ مجھے تو تمھارے ساتھ کی گرمی ہی صحت بخش لگتی ہے - اور بس مسکرا دو دوست! تمھاری مسکراہٹ میری زندگی کو بڑھاتی ہے۔

تمھاری اپنی صفو

بھوپال

۲۸ مارچ ۶۲ء

اختر میرے :

خط ملا۔ تم کلکتے سے واپسی پر میرے پاس نہ آسکو گے تو اس کے معنی ہوئے کہ بات اب تعطیل پر گئی۔ بہر حال میں انتظار دوست میں جی لوں گی لیکن تعطیلات کا پروگرام تم پورے طور سے سوچ سمجھ کر ابھی سے بنا ڈالو ورنہ تم رہ رہ کے رائے بدل دیتے ہو اور معاملات سب Upset ہو جاتے ہیں۔

تم کلکتے سے واپسی پر مجھے فوراً ہی خط لکھنا اور کانفرنس کی تفصیلی کارروائی بھی۔

آج کل میری طبیعت بہت کچھ سنبھل سی گئی ہے۔ اس طرف کچھ لکھائی پڑھائی بھی کرتی رہی۔ کتابیں گھر ہی میں اتنی جمع ہیں کہ پورے طور سے انجیں کے مطالعہ کو ایک عمر چاہیئے۔ اس عرصے میں احتشام صاحب اور سرور صاحب کی چند تازہ تنقیدیں بھی نظر سے گزریں۔ سرور صاحب کا حال تو بس "یوں بھی ہے اور یوں بھی" والا ہے۔ اور احتشام صاحب جیسے شریف نقاد" دراصل ہمارے ادب کو ایک "بلنسکی"[1] کی ضرورت ہے جو لگی لپٹی نہ رکھے۔ نقاد کا Attitude یقیناً مصنف کی طرف ہمدردانہ ہونا چاہیئے۔ لیکن تنقیدی اصولوں کو نرم کر دینے کی چھوٹ تو نہیں دی جاسکتی۔ تمھیں یاد ہوگا، تم نے "جلال و جمال"[2] پر ایک تبصرہ لکھا تھا لیکن تم خود اس میں بڑی حد تک مروتوں کا شکار ہوئے ہو۔ میں تو ندیم کو شاعر سے زیادہ افسانہ نگار مانتی ہوں۔ میرے خیال میں وہ اپنا زورِ قلم افسانہ نگاری کے لئے وقف کر دیں تو ان کے پاکستان کے کرشن بن جانے میں کوئی شبہہ ہی نہیں۔ بہرحال "قاضی جی کیوں دُبلے" والی بات ہے یہ۔

اچھا اختر، اب تمھاری خیریت مجھے بہت دن تک نہ معلوم ہو سکے گی دوست۔ کلکتہ خیریت سے پہونچنے کی اطلاع تو دے ہی دینا۔ جاد اور سلمان اچھے ہیں۔ خوش اور مگن۔

تمھاری اپنی صفو

---

[1] روسی ادب کا مشہور نقاد۔
[2] احمد ندیم قاسمی

بھوپال

۱۴؍ اپریل ۵۲ء

میرے اپنے اختر!

ابھی ابھی تمہارا خط ملا۔ کلکتہ والا خط معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ ہی رہ گیا شکر ہے کہ تم بعافیت واپس آ گئے۔ دن رات یہی فکر تھی۔ خط میں نے اس لئے نہ لکھا کہ تمہاری رسید پالوں جب ہی لکھوں گی۔ لیکن "ترے خیال سے غافل نہیں رہا" کا یقین رکھو۔

ادھر کے حالات! رزمی صاحب[1] کو میں نے اپنے ایک شاگرد کے ذریعہ سے پیغام کہلوایا تھا کہ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں لہٰذا اس کے لئے وقت دیں۔ انھوں نے مجھے آنے سے روک دیا۔ اور خود کل یا پرسوں شام کو آنے کا وعدہ کر لیا۔ اس کے بعد انتظار ہی رہا اور وہ نہ آئے۔

ہاں تازہ خبر یہ ہے کہ پانچ مضامین میں ایم اے جولائی سے کھلنے والا ہے۔ یونیورسٹی کو سفارش چلی گئی ہے۔ اس میں اردو بھی شامل ہے۔ پرنسپل نے مجھے بلا کر کہا کہ کام مجھے ہی چلانا ہو گا۔ مزید تقرر نہ کیا جائے گا۔ بہر حال اس بارے میں کوشش کی گنجائش ضرور ہے۔

کالج اب سے بند ہے اور جادو کا امتحان اکیس سے شروع ہے کیا خرابی ہے کہ ستائیس اٹھائیس تک ضرور ٹھہرنا ہو گا۔ میری رائے تمہارے پروگرام کے بارے میں یہ ہے کہ تم آخر اپریل ہی میں بھوپال آؤ اور یہاں ضروری ملاقاتیں وغیرہ کر کے لکھنؤ چلے آؤ۔ یہاں اگر اب تم آتے بھی تو بہت سی باتیں الجھی

---

[1] مولانا سعید رزمی ایم۔ پی۔

ہو جائیں گی اور بے فکری نہ تم کو میسر آسکے گی نہ مجھے۔ میرے خلوص پر شبہہ نہ کرنے لگنا ساتھی! تمھارا کوئی ٹھیک نہیں!

بھئی تمھارا "امن نامہ" کیسا پسند کیا گیا؟ "نرم نظروں کے تیر" سے گھائل ہو کر بنگال سے نہ لوٹے ہو۔ یہی غنیمت ہوگا۔ لیکن کیا پتہ کلکتہ کا ذکر تمھارے لئے بھی "سینے پر تیر مارنے" کے برابر ہو۔

اس طرف ایک اچھا ناول Steel & Slag ہاتھ لگ گیا تھا، سات سو صفحے بغیر رومانس کے، مگر ایسا inspiring جیسی زندگی خود! اسٹالن پرائز حاصل کر چکا ہے، پڑھ ڈالا۔ تم اس مرتبہ دو ایک اچھے ناول ضرور لانا۔

اچھا کل پھر لکھوں گی۔

تمھاری اپنی صفو

بھوپال

۱۵ر اپریل ۵۲ء

محترم

کل تمھیں خط لکھ چکی ہوں۔ خدا کرے یہ دن تمھارے ٹھیک سے گزر رہے ہوں۔ ضروری حالات تو تمھیں تقریباً سب کل ہی لکھ دیئے ہیں البتہ یہ لکھنا زیادہ ضروری ہے کہ ہر وقت یاد آتے ہو۔ آج کل کالج کی مصروفیت بڑھی ہوئی ہے۔ انہیں سے فراغت ہوگی۔ اور ایک یہ راہ تمھارے جادو کی خاطر کاٹنا ہوگا۔ کیسی مشکل ہے۔

تم اپنا پروگرام لکھو۔ میری خواہش پوچھو تو یہی ہے کہ اب تم

لکھنؤ میں میرے پاس آؤ۔ یہاں سے تو جی بس ہر طرح اچاٹ ہو چکا ہے۔
یہ خط امتحان کے کمرے میں گھسیٹ رہی ہوں۔ ذہن آزاد نہیں ہو رہا پھر بھی تمھیں پیار کر لینے کی آزادی تو مجھے شرعاً قانوناً اور اخلاقاً ہر جگہ حاصل ہے نا؟

تمھاری صفوؔ

بھوپال
۲۶ر اپریل ۵۲ء

اختر میرے
اس مرتبہ پھر میں نے حسب دستور تمھیں خط لکھنے میں دیر کی ہے اس طرف اکٹھی تین مصیبتیں نازل رہیں۔ سلمان کو شدید حملہ نمونیہ کا ہوا۔ اُن کے علاج دوا کی ساری پریشانیاں سر پڑ گئیں۔ آدمی کے نہ ہونے سے دقیتیں دونی ہو جاتی ہیں۔ وہ تو شکر ہے کہ ڈاکٹر سلطان صاحب ہر طرح کا ساتھ دیے جاتے ہیں۔ بارے اب سلمان اچھا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ٹھیکیدار صاحب کو بڑے کمرے کے فرش بنوانے کی لہر اٹھی۔ چھوٹا سا مکان، اس میں ایک طوفان برپا تھا۔ اس پر جادو کے امتحانات نے برابر مبتلا رکھا۔ آج جادو کا امتحان ختم ہو گیا ہے۔ رزلٹ تیار نہیں۔ پھر بھی اطلاع مل گئی ہے کہ پاس ہیں۔ کل کوچ کا عزم ہے۔ تمھارے قطعوں کا پارسل تیار کر لیا ہے کوئی مناسب آدمی پارسل کرنے والا نہ مل سکا۔ لکھنؤ پہونچتے ہی بھیجوں گی تمھارے مجموعے کا نام بھی سوچتی رہتی ہوں۔ ابھی کوئی اچھا سا نام ذہن میں نہیں آسکا ہے۔ تم ناموں کے بارے میں خاصے لاپروا ہو اس لئے اپنے فیصلے سے نام

تجویز مت کرلینا۔ میری رائے تم ریگ ہوئی چاہیئے۔

ہاں تو اب بھوپال سے رخصت ہو کر لکھنؤ کا رخ کرنا ہے۔ پچھلے سال کی بات یاد آرہی ہے۔ جب ارمانوں کی ڈبیا لئے ہوئے تمہارے پاس جا پہونچی تھی۔ اب تم مئی کے پہلے ہفتہ میں تو ا بھی جاؤ گے نا؟ بھوپال رزمی صاحب سے ملنے کے لئے اتر لینا۔ کچھ شکل پیدا ہو سکے آئندہ کے لئے شاید۔

ہاں ایک ضروری اور اہم بات! تم جانتے ہو لکھنؤ میرا میکا ہے، وہاں پہونچکر میری نفسیات بدل جاتی ہے۔ وہاں جب تم مجھے بہت دن تک خط نہیں لکھتے تو لوگ تمہارے شاعرانہ تغافل کو کیا سمجھیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ میرے شوہر کو میری فکر نہیں ہے، دوسرے سالم بھی وہیں ہو گا۔ اُن دونوں کی آباد زندگی سے مجھ میں رقابت کا احساس پیدا ہو سکتا ہے اس لئے بھی تم مجھے ضرور ہی خط لکھتے رہنا۔

پیسے تمہارے بھیجے ہوئے مجھے مل گئے تھے۔ عین اس زمانے میں جب سلمان کو نمونیہ نے تباہ کر رکھا تھا۔ مجھے تو ان پیسوں سے بہت آسانی ہو گئی۔ البتہ تمھیں ضرور تنگی برداشت کرنی پڑ رہی ہوگی۔ اس احساس سے فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ کل روانگی کا قصد کر رہی ہوں۔ سارے دھندوں کی فکر اپنی ہی جان پر ہے۔ نہ جانے ابھی کیا کیا کرنا باقی ہے۔

اور کیا لکھوں دوست "ترے خیال میں گم ہوں ترے جمال میں گم" باقی اور مجھے کچھ نہیں معلوم۔ اب لکھنؤ پہونچتے ہی تم کو خط لکھوں گی۔ اور راستے بھر تمہیں یاد کرتی جاؤں گی۔ یہ ٹرین کا سفر کیوں رومانٹک بنا دیا کرتا ہے؟

سلمان اور جاد و تم کو ہر لمحہ یاد کرتے ہیں۔ لکھنؤ ضرور آنا۔ میرا ہر پیار تمہارے لئے بیتاب ہے ساتھی۔

تمہاری ہی صفو

لکھنؤ
۲۰ مئی سنہ ۵۲ء

اچھے اختر

میں پرسوں لکھنؤ پہونچی۔ تنہا سفر ہونے کی وجہ سے تکلیف کا خدشہ تھا لیکن شکر ہے کہ کوئی پریشانی پیش نہیں آئی۔ البتہ یہاں آ کر محسوس ہوا کہ قطعی دیوالہ نکل گیا ہے۔ کل صبح ہی ٹیلیفون کر کے ڈاکٹر بی ٹہا در سے وقت لیا اور انھیں بلا کر دکھایا۔ ان کو میڈیکل کالج والوں کی تشخیص سے اتفاق ہے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ دماغی کوفت اور پریشانیوں کے اثر سے اعصاب سخت پڑ گئے ہیں۔ اور انھیں Relax ہونے کی ضرورت ہے۔ دوائیں تجویز کر گئے ہیں جن کا استعمال شروع کر دوں گی۔

اختر اب تم جس طرح بن پڑے میرے پاس آ جاؤ۔ کمائی اور پیسوں کے چکّر میں نہ پڑو۔ جتنا کچھ ملنا ہو گا ہر حال میں مل ہی جائے گا۔ تمھیں بھی Change محسوس ہو گا اور میری دنیا تو بدل ہی جائے گی۔ میرے لئے تمہارے ساتھ ہونے سے بڑی کوئی مسرت نہیں ہے۔ میں تندرست ہونے کی خواہش اگر رکھتی ہوں تو وہ بھی تمہاری ہی خاطر ورنہ تمہارے بغیر زندگی کی ہر لذت بے کار و بے معنی ہے۔

تم اب اطلاع دیئے بغیر چل پڑو۔ میں چشم براہ ہوں ہزاروں

تمنّائیں !"

تمھاری صفّو

لکھنؤ
۱۰ رمئی سنہ ۱۹۵۲ء

میرے اپنے اختر !

بہت سے پیار۔ کل شام تمھارا خط ملا۔ جس سے پتہ چلا کہ ۸ رمئی تک میری کوئی تحریر تمھیں نہیں ملی۔ اب اگر قابل ہوتی تو اسے تقدیر ہی معاملہ کہتی کہ لکھنؤ آتے ہی میرا سکون تمھاری جانب سے مفقود ہو جاتا ہے۔ میں دو تین خط تمھیں لکھ چکی ہوں، قطعات کا پارسل بھی بھیج چکی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تم میری خیریت نہ سُن کر حد درجہ پریشان ہوگے۔ کوئی کام بھی تو سکون سے نہ ہو سکتا ہو گا۔ پر کیا کروں ؟

بہر حال اب کام کی بات یہ ہے کہ ساری مصروفیتوں سے فراغت حاصل کر کے جس طرح بنے میرے پاس ہی پہونچ جاؤ۔ میری سوکھی کھیتی ہری ہو جائے گی۔ تم نہیں جانتے کہ زندگی کتنی خشک اور اُداس ہے تم بغیر۔

خط لکھو۔ غصّہ نہ کرو۔ میرا پیار کیا تمھیں خوش نہ کر سکے گا ؟ او تمھاری پیشانی کو بار بار چوم لوں۔

تمھاری صفّو

لکھنؤ
۱۲ رمئی سنہ ۱۹۵۲ء

اچھے اختر !

بہت سے پیار۔ خط ملا چلو ایک خط تو میرا تم تک پہونچ گیا غنیمت ہے اس ڈاک کے انتظام کو اللہ سمجھے۔

یہاں اس طرف تقریباً ہر روز پرویز شاہدی۔ یوسف امام سہیل عظیم آبادی کی تحریریں آتی رہیں۔ اسرار بھائی[1] کی دماغی حالت کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ کلکتہ کی سڑکوں پر بھیک مانگنے کی نوبت تھی۔ انصار[2] بھائی یوسف امام کو ہمراہ لے کر کل رانچی پہونچے ہیں اور کل رات ہی داخلہ کی اطلاع کا تار آیا ہے۔ ان کی دماغی حالت کو دیکھتے ہوئے ہوائی جہاز سے یہ سفر مکمل کرنا پڑا پورا ایک ہزار روپیہ اس سعی و کاوش کی نذر ابا کا ہو چکا ہے۔ اس ضعیفی کے عالم میں جس استقلال سے وہ ان تمام پریشانیوں کو برداشت کر رہے ہیں اس سے میرے ذہن پر ان کی عظمت کا نقش بہت ہی گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ تم لکھنا کہ سہیل سے تمہاری کیسی واقفیت ہے۔ اور یہ کس طرح کے آدمی ہیں۔ اب اسرار بھائی کی دیکھ بھال کا ذریعہ انھیں کو بنایا جا سکتا ہے۔

آج ہی جوش صاحب کا خط پھر اماں کے نام اسی سلسلے میں آیا ہے انھیں بھی جواب لکھنا ہے۔

میں دوائیں پی رہی ہوں گھر کی سہولتیں میسر ہونے سے تکلیفوں میں سکون بھی ہے۔ ویسے ذہنی افکار تو انسان کو ہر طرح سے پست کر ہی دیتے ہیں۔ بہر حال تم میری طرف سے متفکر نہ ہو۔ میری ہر طرح دیکھ بھال ہو رہی ہے۔ البتہ تم آنے کی پوری کوشش کرو۔ اور اب جلد ہی آ جاؤ۔ بچے تمھارا راستہ دیکھ رہے ہیں اور میرا تو رونگٹا رونگٹا منتظر ہے تمھارے لئے۔

---

[1] مجاز [2] انصار ہروانی

مجموعہ کی ترتیب کا کیا حشر ہوا؟ اب اس مرتبہ اس کام میں ڈھیل نہ کرو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر تمھیں معلوم ہو کہ اِس بار اسرار بھائی نے اپنا مجموعہ کس مکتبہ سے چھپوایا ہے۔ تو ضرور لکھو تاکہ بمبئی وغیرہ کے متعلق وہاں سے دریافت کرایا جا سکے۔

کپڑے تمھارے جو کچھ میری سمجھ میں آرہا ہے وہ سلوا رہی ہوں تم تو کچھ لکھ ہی نہیں رہے۔

گرمی یہاں خوب تیز پڑ رہی ہے پچھلے سال یہ دن بمبئی میں کیسے مختلف طریقے سے گزرے تھے۔ زندگی تو اپنے چھوٹے پن ہی کے ساتھ زندگی بنا کرتی ہے نا؟ اچھا اختر آؤ اور مجھے اور اپنی عزیزاماؤں کو اپنے پیار سے زندہ کر جاؤ۔

تمھاری اپنی صفو

لکھنؤ
۱۲ مئی ۱۹۵۲ء

اختر میری جان!

خط ملا۔ میرا حال بدستور ہے۔ دواؤں۔ غذاؤں اور پرہیز کا پورا زور صرف ہو رہا ہے۔ دیکھو مالش کے لیے ڈاکٹر نے مچھلی کا تیل تجویز کیا ہے۔ چنانچہ دوپہر کو یہ بھی گوارا بنانا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے شام کو ابٹن لگا کر گرم پانی سے نہانا ہوتا ہے۔

بچے خوش ہیں۔ خصوصاً جادو۔ آج سے اُن کے ٹیوٹر Tutor کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ پڑھنے کا سلسلہ چلنا ہی چاہیے۔

سالم یہیں ہیں۔ ہاجرہ آپا بھی ایک شام آئی تھیں۔ تم کو بہت پوچھ رہی تھیں۔ غالباً پرسوں بمبئی روانہ ہو گئی ہوں گی۔

اچھا کب آرہے ہو؟ میرے ہزاروں پیار تمھارے منتظر ہیں۔

تمھاری صفو

لکھنؤ

۱۶ مئی ۱۹۵۲ء

اختر میری جان!

ہر روز تمھاری تحریر کا انتظار رہتا ہے۔ خدا کرے تم اچھے ہو، اور آنے کا پروگرام بنا چکے ہو۔

تمھیں جیسا پچھلے خطوں میں لکھ چکی ہوں، علاج ڈاکٹر ٹی بہادر ہی کا ہو رہا ہے۔ ابا کی مرضی حکیم کے علاج کی نہیں ہوئی ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ افاقہ بہت دیر میں ممکن ہے۔ تم آؤ تو طے کرنا کہ دو ایک ماہ اور بھی گھر پر رہ کر علاج کی تکمیل کرا سکوں۔

بھئی رومانی مجموعہ کی بات تو میرے گلے تو نہیں اترتی۔ تم الہ آباد سے بھی چھپواؤ تو مجموعہ مخلوط ہونا چاہیے اور طویل بھی۔

یہاں آج کل گھر میں چار چھ بچوں کا ہنگامہ ہے اور مہمانوں کا زور ہے[1] اس کی چھوٹی بہن اور منا یہ سب آئے ہوئے ہیں۔

اور کیا لکھوں اختر! تم بن نہ جوانی ہے اور نہ زندگی۔ بس تمھارے بچوں کو تمھاری محبت ہی کی طرح سینے سے لگائے ہوئے یہ خشک اور ویران

---

[1] زبیدہ محمود

دن گزار رہی ہوں۔ تم آجاؤ۔ میری زندگی کا پودا لہلہا اٹھے گا ساتھی۔

ہاجرہ آپا کے ہمراہ تم کو پہنچنے کا حلوہ بھیجا تھا۔ ڈبے کے اوپری حصے میں تھوڑے شکر پارے تھے۔ نیچے حلوہ تھا۔ ملا؟

کپڑے اب تمہارے آنے ہی پر بن سکیں گے۔

بے شمار پیاروں کے ساتھ۔

تمہاری صفو

لکھنؤ

۱۰ / مئی ۱۹۵۲ء

اچھے اختر!

خدا کرے تم خوش ہو۔ خط ملا۔ کل بھی خط لکھ چکی ہوں۔ حلوہ ہاجرہ آپا سے منگوا لینا۔ کوشش اس بات کی کی ہے کہ تمہاری پسند پر پورا اترے۔ عادل رشید کی کتابیں فی الحال یہاں پہونچی نہیں۔ دیکھو ضرور کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کروں گی۔ پر عادل سے کسی اچھی چیز کی توقع کم ہی ہوتی ہے۔

تم اپنے مجموعے کی طرف سے پھر غافل مت ہو جاؤ۔ چھپ جائے تو اچھا ہے۔ ہاں روپیوں کے بھیجنے کی فی الحال تم کو ایسی کیا پریشانی تھی۔ تم جانتے ہو میں گھر پر ہوں اور تم پردیس۔ بہر حال یہ بھی جانتی ہوں کہ تم اپنی خوشی سے زیادہ میری اور بچوں کی خوشی سے خوش رہتے ہو۔

حمیدہ آج رانی کھیت جا رہی ہیں۔ بلی وغیرہ بھی کل چلی جائیں گی۔

؎ ”آنا جو ہو تو آؤ کہ خالی مکان ہے اب“

خط لکھتے رہو۔ حالات سے اطلاع دیتے رہو۔ ہزاروں بوسے۔ تمہاری صفو

لکھنؤ

۲۱ر مئی ۱۹۵۲ء

اچھے اختر

تمہارے خط ملتے رہے۔ اتنے دنوں ڈاکٹر کا علاج چلاتے رہنے کے بعد آج آپا کے ساتھ جاکر ایک حکیم صاحب کو دکھایا ہے۔ اب کل سے اُنکی دوا کا استعمال شروع کردں گی۔

اسرار بھائی کی کوئی خیریت ابتک اسپتال میں جانے کے بعد معلوم نہیں ہو سکی ہے۔ آج میں نے نہیکل صاحب کو خط لکھا ہے۔ حمیدہ رانی کھیت گئی۔ یہاں کے حالات سوا اس کے کہ گرمی بہت ہے اور کچھ نہیں جاوید پورا وقت کھیل کود کر گذارتا ہے۔ سلمان میری خدمت بھی کرلیتا ہے۔

اچھا خط لکھو، بلکہ اچھی بات یہ ہوگی کہ خط کے بجائے خود ہی چلے آؤ۔ بہرحال کچھ تو ایسا کرو جس سے مجھے زندگی مل سکے۔

میرے اپنے اور بہت ہی عزیز ساتھی، ہزاروں پیار

تمہاری صفو

لکھنؤ

۳۰ر مئی ۱۹۵۲ء

اختر میری جان!

جب تمہیں اس طرف خط نہ لکھ سکی اور تمہارا خط آئے ہوئے تو آج دس بارہ دن ہو گئے۔ ذہن بار بار یہی کہتا ہے کہ یا تو تمہاری طبیعت خراب

۱؎ نہیکل عظیم آبادی

ہے یا پھر کسی چکر میں مبتلا ہو۔ خدا رحم کرے۔ یہ تو سوچ نہیں سکتی کہ تم تغافل سے کام لے رہے ہو۔ جب تم جانتے ہو کہ دماغی پریشانیوں کے ساتھ نہ مجھے دوا راس آسکتی ہے نہ غذا۔

اختر! اب تو تمھارا انتظار بھی کمزور پڑتا جا رہا ہے کیسے ہو۔ دوست کچھ لکھو۔ آج کل سلمان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ زیادہ پیار ہو۔

تمھاری صفو

لکھنؤ

۲۰ جون ۱۹۵۲ء

اچھے اختر!

تمھارا خط ہفتے کو مل گیا تھا۔ اتوار سکون سے گزر سکا۔ شکر ہے تم اچھے ہو۔ یہ مجموعے مرتب کرنے کا شغل ہے اچھا لیکن اسی شکل میں کہ ان کا کوئی خریدار بھی پیدا ہو سکے۔ تم مجامت پہلے کر لو اور محنت بعد میں کرو تو زیادہ اچھا ہو گا۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ وقتی جوش کے تحت مجموعے تو مرتب ہو جائیں اور پچھلی بار کی طرح اشاعت کی نوبت نہ آئے۔ رہا ناموں کا مسئلہ تو سچی بات یہ ہے کہ ان تجویز کردہ ناموں سے مجھے قطعی اتفاق نہیں ہے۔ تمھیں اپنے پچھلے سوچے ہوئے ناموں "شہر رنگ" اور "شرار جستہ" پر کیا اعتراض ہے۔؟

تم نے رومانی نظموں کے پس منظر کے بارے میں مجھے لکھنے کا موقع دیا ہے اس نوازش اور کرم کا لطف کچھ مجھی کو محسوس ہو سکتا ہے دوست

لیکن اس قسم کی چیزیں تو شاعر کے گزر جانے کے بعد زیادہ دلچسپ اور دلکش بنتی ہیں۔ اور یہ تو طے ہے کہ مجھے تم سے بہت پہلے مرنا ہے لہٰذا اسکی نوبت نہ آسکے گی۔ بہر حال تمھاری رومانی شاعری یا رومانی زندگی کے لئے میری طرف سے تو یہ مصرع ہی کافی ہے۔ ع

"تو مشق ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر"

تم نے حلوے کا جو حشر لکھا اس سے رنج ہوا۔ جعفری[1] نے موذی پن سے کام لیا۔ گرمیوں کی ایک پوری دوپہر صرف کر کے نہایت ہی مزے دار حلوہ بنایا تھا میں نے۔ خیر!

آنے کے بارے میں تمھارے وعدے ایشیائی محبوبوں کے وعدوں سے کم نہیں ہیں۔ سوچو تو سہی۔ اپریل سے آ رہے ہو۔ یہ سب ہی لیکن تم میرے لکھنؤ کے قیام میں ضرور آجاؤ۔ اس کے بغیر میں اچھی نہ ہو سکوں گی۔

حکیم کا علاج چل رہا ہے۔ افاقہ تو اتنی جلدی کیا ممکن ہے۔ البتہ دوائیں مسکن ضرور ثابت ہو رہی ہیں۔ دیکھو۔

ہاں آؤ گے تو دو Pouch ضرور لانا۔ حمیدہ اور بانو کی فرمائش ہے۔

تم دس جون تک ہر حال میں چلے آؤ۔ اس سے زیادہ تاخیر کی گنجائش نہیں۔

"صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا"

جاوید خوش ہے اور تم سے بے نیاز۔

زیادہ پیار
تمھاری صفو

---

[1] سردار جعفری

لکھنؤ

۶؍ جون سنہ ۱۹۵۲ء

اچھے اختر

بہت سے پیار کئی دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔ اس طرح سے فکر بڑھ جاتی ہے۔ میں حکیم کی دوا برابر پی رہی ہوں۔ گرمی چین نہیں لینے دیتی ورنہ شاید کوئی افاقہ نظر آتا۔ رہا بالکل تندرست ہونے کا سوال تو اس کے لیے ڈیڑھ سال سے جد و جہد کر رہی ہوں۔ اور اگر تمہاری محبت میرے ساتھ رہی تو فی الحال مایوس ہونے کا ارادہ بھی نہیں ہے۔

رومانی نظموں پر واقعی اگر مجھ سے لکھواؤ گے تو مجموعہ ساتھ لیتے آنا۔ البتہ چھپنے کی بات پوری کوشش سے اس مرتبہ پکی ہی کر لو۔ خواہ پیسے ملیں یا نہ ملیں مگر کام ہو ہی جانا چاہیئے۔

تم نے India Today کی خریداری کے لئے لکھا تھا۔ سچ جانو کہ وہ رسالہ آنے کے دوسرے دن ہی غائب ہو گیا۔ اب تم پتہ مجھے لکھو تو خط فوراً لکھ ڈالوں۔

سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ تم آ جاؤ اور اب مجھ سے بہت زیادہ تقاضے نہ کراؤ۔ ورنہ سچ جانو، "ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے"

سہیل صاحب نے تمہاری نظم یا غزل کے لئے لکھا ہے۔ لکھو کب آ رہے ہو؟ سارے پیار آنے پر ملتوی۔

تمہاری صفو

لکھنؤ

۱۶ر جولائی ۱۹۵۲ء

اختر میرے

خدا کرے تم بعافیت ہو۔

حسب اندیشہ تم نے رخصت ہوتے ہی خیریت کو ترسا دیا۔ آج بدھ ہے۔ ہر دن اسی انتظار میں کٹتا رہا کہ اب تو تمہارا خط ضرور آتا ہی ہو گا۔ تم جس حالت سے گئے تھے اس سے یہ بھی ڈر ہوتا ہے کہ پھر بیمار تو نہیں ہو گئے غرضکہ۔۔

"میں ہوں اور رازہائے سینہ گداز"

اعصاب کی سنسناہٹ اور خاموشی بعض وقت ناقابل برداشت سی بن جاتی ہے۔ ہر چیز فریب سی معلوم ہونے لگتی ہے۔ بہر حال تم نہ گھبراؤ جانتے ہو کہ خاصی بہادر ہوں۔ البتہ اپنی خیریت سے محروم نہ کرو۔ فوراً خط لکھو۔

میری طبیعت ٹھیک ہی سمجھو، بچے اپنی مصروفیتوں میں گم ہیں۔ اور میں تمہاری یاد سے بھرپور۔ ہزاروں پیار

تمہاری صفیہ

لکھنؤ

۲۰ر جولائی ۱۹۵۲ء

"صبر پڑے۔۔۔ جس من ہر لیا ہمارا"

آخر اس درجہ بے نیاز ہی کیا اختر۔ تار کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھتے

اپنی خیریت کی اطلاع دو، مجھ سے پوچھو کہ تجھ پر کیا گزر رہی ہے۔؟

بھوپال سے اکثر خط آ رہے ہیں۔ سرکاری ملازمین کے لئے شام کی کلاسیں کھولی گئی ہیں لیکن اردو کے لئے کوئی نیا تقرر نہیں کیا جا رہا ہے۔

کل سرور صاحب مع اپنی بیگم عیادت کے لئے آئے تھے۔ عبید آرٹسٹ صاحب بھی دہلی جاتے ہوئے آئے تھے جادو کو آج ہاجرہ آپا کے مانٹیسوری اسکول بھیجا ہے۔ وہ خود آئی تھیں انھیں سے طے کر لیا تھا۔

Peace Conference لکھنؤ میں ہونے والی ہے۔ ڈرامے وغیرہ کی تیاری میں ہم لوگوں کی مدد چاہ رہی ہیں ہاجرہ آپا۔ دیکھو۔

ہاں تو کیا سچ مچ ہی اتنے کم خط لکھا کرو گے؟ خلیق ابراہیم کی دوستی کا الزام دوں یا کیا؟

ساری باتیں سچ سچ لکھو۔ زیادہ پیار

تمھاری صفو

لکھنؤ

۲۵؍ جولائی ۱۹۵۲ء

اچھے اختر!

ہزاروں پیار

تمھارا خط کل ملا۔ چوبیس گھنٹوں میں سے کونسا لمحہ ہوتا ہے جو تمھاری یاد اور تمھارے تصور سے خالی جاتا ہو لیکن اب زندگی میں یہ ایک کمزوری بھی داخل ہو چکی ہے کہ لاکھ ارادے کرتے رہو عمل کی نوبت نہیں آتی۔ برسوں سے تم کو ذہنی طور پر خط ہی لکھ رہی ہوں۔

بمبئی کے طوفانوں کی خبر سُنکر اکثر پریشانی ہو جاتی ہے۔ موسم تو خنک ہو گیا ہو گا۔ کام کرنے کو جی چاہتا ہو گا۔ کیا کرتے رہتے ہو ساقی؟ بعض وقت اپنی اور تمھاری زندگی محض ایک مضحکہ سا نظر آنے لگتی ہے۔ اس طرح بھی کوئی جیتا ہو گا؟ پر کیا کریں، الکھ اُو نہیں۔ خوش رہو اور بے فکر میرے لئے یہ بہت بڑی بات ہوتی ہے۔

تم خط بہت مختصر لکھتے ہو۔ کچھ بھی تو پتہ نہیں چل سکتا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تم سے باتیں ہوں جی بھر کے، آؤ آنند اور پریم کی بات کریں۔ اس طرح کہ تم بمبئی کے ہنگامے اور میں لکھنؤ کی ویرانی بھول جاؤں آخر کیا کروں؟ بعض وقت تو تم بیساختہ یاد آتے ہو۔

ہاں، ایک کام کی اور ضروری بات بھی ہے۔ یہ کہ پریم دھون کا خط اسرار بھائی کے نام آیا تھا جس کا ایک صفحہ ہی رہ گیا ہے۔ دوسرا صفحہ جادو سلمان نے غائب کر دیا ہے۔ بال چھابڑا نے آوارہ[2] کے دو بند Record کر لئے ہیں۔ اور اپنی تصویر میں استعمال کر لئے ہیں اس کے لئے Authority Slip چاہتے ہیں۔ Authority ہم نے راجہ کی بھیج دی ہے ڈاکٹر کو کہ وہ اسرار بھائی کے دستخط لے کر بھیجدے۔ اس میں یہی لکھا ہے کہ جو شرائط جاں نثار اختر کو منظور ہوں اس پر دو بند ریکارڈ کئے جا سکتے ہیں۔

اب قصہ یہ ہے کہ پریم دھون نے لکھا ہے کہ ۱۰۰ روپے دیئے جائیں گے تم بال چھابڑا سے ملو اور کوشش کرو کہ کم سے کم ۲۰۰ تو وہ دیں

---

[1] ڈائریکٹر Progressive Pictures [2] مجاز کی مشہور نظم

ورنہ فائدہ بھی کیا۔ یہ کام تم ضرور اور جلدی ہی کر ڈالنا۔

اچھا اب پھر لکھوں گی۔ دواؤں کا استعمال باقاعدگی سے کر رہی ہوں اور اُس نے سوا کیا لکھوں۔

بچّے اچھے ہیں اور پیار کرتے ہیں۔

تمھاری صفو

نوٹ:- ہاں امّاں نے خیرآباد خط لکھوا دیا ہے۔ پیر کے دن صبح سے شام تک کا پروگرام وہیں کا ہوگا۔ "دل بدستِ دیگرے دست بدستِ دیگرے" والا مضمون ہے جانا ہی ہوگا۔

لکھنؤ

۲ر اگست ۱۹۵۲ء

اختر عزیز میری جان!

ہزاروں پیار۔ میں خود ہی تم کو کون سا جلدی جلدی لکھتی ہوں کہ تم سے شکایت رکھوں۔ پھر بھی مجھے تم سے گلا ہے کہ میری معذوریوں سے رہ رہ کے بے خبر سے ہو جاتے ہو۔ آج پورا ہفتہ ہو گیا تمھارا کوئی حال نہیں معلوم

خیرآباد ہو آئی۔ صبح کی بس سے گئی اور رات کے ساڑھے آٹھ بجے کی گاڑی سے واپس ہوئی۔ اماں اور میاں بھی گئے تھے پھوپھی جان نے اتنی بے پناہ خاطر تواضع کی کہ مجھے تو رونا آگیا۔ اس غریبی میں بھی بچاروں کے ظرف کتنے وسیع ہیں۔ بچوں کے نہ لے جانے کی وجہ سے بہت ناراض تھیں۔ تم کو سب کی سب بہت یاد کر رہی تھیں۔ بھائی ظفر یہ سُن کر بہت

خفا ہوئے کہ تم ایک ماہ لکھنؤ ہی قیام کر کے واپس ہو گئے۔

اماں جان کی بیماری کی شدت کی اطلاع بھی وہیں ملی۔ نہ معلوم نفیس[1] کا کوئی خط تم تک آیا یا نہیں؟ لکھو، فکر ہے۔

یہاں گرمی کی شدت اور ذہنی تکدر کے سوا اور کیا ہے۔ اب تو بس جی یہ چاہتا ہے کہ اِس طرف یا اُس طرف ہو چکے۔ اس مجبوری کو سب کب تک گوارا بنائیں گے۔ ضعیف ماں باپ سینے سے لگا لیتے ہیں۔ پر وہ خود ہی چراغ سحری ہیں۔

بچے اچھے ہیں اور اپنی ہنگامہ خیزیوں میں مست ہیں۔

تمہاری نظم کا کیا ہوا؟ میرا اندازہ ہے کہ ہو رہی ہو گی۔

اسرار بھائی والے معاملے کی تکمیل ضرور کرا دینا۔ Authority دستخط ہو کر آ گئی ہے۔ پرسوں بھیجوں گی۔ اور کیا لکھوں۔ ہزاروں دعائیں۔

تمہاری صفو

لکھنؤ

، راگست ۱۹۵۲ء

اختر عزیز میری جان!

خط ملا۔ اماں جان کی بیماری کی اطلاع مجھے خیر آباد میں ملی تھی۔ تعلق اس بات کا ہے کہ اُن کی آخری خدمت بھی ہم لوگوں کے حصے کی نہیں ہے خدا جانے آج وہ سلامت بھی ہیں یا نہیں۔ تمہیں دیکھنے کی خواہش ان کو سکون نہ بخشتی ہو گی۔ سوا تڑپ کر رہ جانے کے اور شکل بھی کیا ہے۔ کوئی خط آیا ہو تو خیریت

[1] نفیسہ رشید

لکھو۔ نشتر بھائی کا خط آیا تھا۔ انھیں بھی جواب لکھا ہے۔

میں اپنی حالت کیا لکھوں؟ بس جیسی تیسی کھنچ رہی ہے۔ بمبئی آنے اور وہاں رہ کر علاج شروع کرنے کے بارے میں جو تم نے لکھا ہے تو اختر! تمھارا پیار اور تمھارا خیال اپنی جگہ ہے لیکن دوست بمبئی میں گھر پر رہ کر علاج کرانے کے مالی حالات متحمل نہ ہو سکیں گے۔ بمبئی کے قیام کا معمولی صرفہ اوسطاً پانچ سو روپیہ مہینہ ہے۔ پھر تشخیص وغیرہ کی مار جو ہوگی اس کے لئے کم سے کم دو چار سو اور رکھ لو، اور اسپتال میں قیام کرنے کی اعصابی ہمت مجھ میں باقی نہیں رہی ہے تم پر ہر طرح سے بہت بوجھ پڑ جائے گا۔ اب تو یہی ہے کہ حالات کو قدرت پر چھوڑنا چاہیئے۔ نتیجہ جو کچھ بھی ہو۔ بچاری رشید[1] آپا ماسکو ہی جا کر نہ بچ سکیں۔ صابرہ[2] نے بمبئی میں بہترین علاج کرایا۔ اور آج وہ بھی علی گڑھ میں ہومیوپیتھک علاج پر ہیں کیا کیا جائے۔ مسئلہ ان بچوں کا ہے۔ تندرست ہو ہی جانا چاہیئے لیکن تمام باتوں کو عملی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

خیرآباد کے حالات تمھیں تھوڑے بہت ملے تھے۔ مقبول[3] میاں کی خدمت میں ہم سب بھائی ظفر کی پھوپھی (مولانا عبدالحق خیرآبادی کی صاحبزادی) کی معیت میں گئے تھے۔ مقبول میاں بطور تعظیم تانگے تک ہم سب کو پہنچانے آئے اور صحت کی دعا فرمائی۔ پھوپھی جان بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ مگر تکیہ مجھے اس درجہ کشش انگیز معلوم ہوا کہ جی چاہتا تھا کہ رہ پڑوں۔ افسوس اس بات کا ہوا کہ اس سے قبل میں کبھی نہ گئی تھی۔ ورنہ ایک آدھ چھٹی اس گھر میں ضرور گزارتی۔

---

[1] ڈاکٹر رشید جہاں [2] صابرہ زیدی لیکچرار ٹریننگ کالج علی گڑھ [3] خیرآباد اودھ کے ایک مشہور خدا رسیدہ بزرگ۔

مجھے ایسی فضا آج بھی سازگار معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال اب کبھی تندرست ہو سکی تو تم کو زبردستی اپنے ساتھ لے کر چلوں گی اور کچھ دن وہاں گزاریں گے۔

کراچی سے کوئی خط آیا ہو تو لکھو۔ اپنی اس مجبور حالت میں سوا دو چار آنسو بہا لینے کے میرے پاس رکھا بھی کیا ہے۔

اسرار بھائی کے دستخط کے ساتھ Authority Slip آگئی ہے بھیج رہی ہوں۔ تم تھوڑی سی زحمت اٹھا کر یہ مسئلہ ضرور طے کرا دو اور پیسے وصول کر لو۔ اماں کو بہت سہولت ہو جائے گی۔ اس معاملے کو ڈھیل میں مت چھوڑنا۔

خط لکھو حالات لکھو۔ دل کا حال بھی لکھنا ساتھی!

تمہاری اپنی صفو

لکھنؤ

۱۴ اگست ۱۹۵۲ء

اچھے اختر!

خط ملا۔ تمہارا مضمون مکمل ہو گیا۔ ہاں بھئی ماشاء اللہ سے قابل ہو، تندرست ہو، اور محنتی، سب کچھ کر سکتے ہو۔

جادو نے تم کو نظم کے لئے لکھا تھا۔ تم نے انکی فرمائش کو شاید ہی درخور اعتنا سمجھا ہو۔ دراصل کانفرنس میں ہاجرہ آپا نے جادو سے امن پر کوئی نظم Recit کرنے کو کہی ہے۔ آج چودہ ہے۔ تم سولہ۔ سترہ تک بھی نظم بھیج سکو تو اس کو یاد کرا دوں گی۔ چند شعر ہی ہوں، بات تو رہ جائیگی۔

تمہارے خلیق ابراہیم تو آئے نہیں انتظار ہی رہا۔ میں نے ایک

ہومیوپیتھک ڈاکٹر کو دکھا لیا ہے۔ اور اس کی دی ہوئی گولیوں پر بسر اوقات ہو رہی ہے۔ غذا پر زیادہ زور دینے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کیا کروں، کیا نہ کروں۔ سخت شرمندہ ہوں تم سے دوست

اسرار بھائی کے معاملہ کا تم نے کوئی حشر کیا یا نہیں؟ اماں جان کی خیریت معلوم ہوئی ہو تو لکھو۔ پھوپھی جان کو میں نے خط لکھا تھا۔ ان کا جواب بھی آیا ہے۔ ان کو کسی وقت بھی کچھ پیسے بھیج سکو تو بہت اچھی بات ہوگی۔

میرے خرچ کے لئے تم اتنے پریشان نہ ہو۔ جون کی تنخواہ میں نے منگوالی تھی۔ جولائی کی چھٹی ہی کی منظوری اب تک نہیں آئی تو تنخواہ کا کیا سوال، بہر حال گاڑی چلتی رہے گی۔

تم اپنے سارے حالات مفصل اور سچ سچ لکھا کرو۔ کپڑوں کی کمی تو اب بھی ہو گی، اور بھی کسی طرح کی ضرورت جو یہاں سے پوری ہو سکتی ہو ضرور لکھو۔ میری خدمتوں سے تمہاری زندگی خالی سی ہو رہی ہے۔ یہ خیال کتنا سوہان روح ہے اختر!

اور کیا لکھوں، لیٹے لیٹے یہ خط لکھ رہی ہوں۔ بس یونہی سستی اور کیا۔ لکھائی اور بھی زیادہ دلکش ہو گئی ہے۔ ہاں بانو کے بٹیا پیدا ہوا ہے گھر کے ہنگاموں میں غیر معمولی اضافہ ہے۔

جاوید سلمان اچھے ہیں اور شرارتوں میں مست ——

زیادہ کیا ہے سوا تمہاری گردن میں باہیں ڈال کر سب کچھ بھول جانے کی آرزو کے۔

ہزاروں پیار

تمھاری اپنی صفو

لکھنؤ

۱۴ر ستمبر ۱۹۵۲ء

اختر میرے

اب تو یہ نوبت ہے کہ میرے خط بھی تم تک نہیں پہونچتے۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ ہاں اس طرف تمھارے خط مجھے برابر ملتے رہے۔ ادھر تین چار دن ہوئے خلیق[1] آئے تھے۔ حکیم عبدالمعید صاحب کو لے کر۔ اُن کا علاج جاری ہے۔ کل خلیق کا انتظار ہی رہا۔ خیال تھا کہ وہ آجائیں تو ان کی معرفت سرٹیفکٹ حاصل کیا جائے۔ ناشتہ کی تیاری بھی کی لیکن وہ وعدے کے بعد بھی نہ آئے۔ آج ڈاک سے خط ڈالا ہے انھیں دیکھو۔

میں نے چار مہینے کی چھٹی کی درخواست بھیج دی ہے اس کے علاوہ چارہ بھی کیا تھا۔ اگر اپنے میں ذرا سی بھی سکت محسوس کرتی تو اٹھ کھڑی ہوتی۔

روپئے مل گئے۔ نہ معلوم دل کیسا کیسا ہوا یہ سوچ کے کہ کہیں تم نے قرض اُدھار کر کے تو نہیں بھیجے ہیں اختر، حالات کا چکر ہے۔ میں نے تم کو اس بارے میں کبھی پریشان نہیں کیا تھا، پر آج میں دست نگر ہوں۔ تم کمر بستہ ہو کر چار مہینے میری کفالت کرو، اس کے بعد مجھے اِدھر یا اُدھر ہو ہی جانا چاہیئے۔ اور کیا لکھوں۔

---

[1] د خلیق ابراہیم۔

تم نے انجمن میں اپنی ٹانگ پھنسالی - ہاں بھئی لوگ اس قسم کے اعزاز پر فخر کیا کرتے ہیں۔ جہاں رہو سرفراز رہو، میری خوشی یہی ہے۔

India Today میں تمہاری نظم چھپ گئی ہے - دوسرا مضمون بھی پورا کر ڈالو۔ کام کو ادھورا چھوڑنے سے کوفت ہی رہتی ہے۔ ہاں پرکاش نے مجموعے کے بارے کیا فیصلہ کیا؟ اور بھائی عادل کے خلوص کا کیا نتیجہ نکلا؟

کیا کیا کتابیں پڑھ ڈالیں؟ مالی حالت سچ سچ لکھو کیسی ہے؟ اس محاذ پر سنجیدگی سے ڈٹ جاؤ ورنہ مشکل ہو جائے گی۔

دل کے حالات کیا ہیں؟ یہاں تو مستقل خشکی اور بے رنگی ہے۔ ہاں " تو جو آئے تو بیاباں میں بہار آجائے " ہزاروں پیار

تمہاری صفو

لکھنؤ

۱۰ ستمبر ۱۹۵۲ء

میرے معصوم اختر!

ہزاروں پیار - اپنی معصومیت پر حیرت نہ کرنا میری جان۔ جذبہ معصوم ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد انسان شدید سے شدید معصیت کے بعد بھی معصومیت نہیں کھوتا۔ جس انداز سے تم بعض لمحے مجھے پیار کرتے ہو وہ مجھے بہا دینے کے لئے کافی ہوتا ہے ساتھی! میرے جسم میں تمہارے لئے کون سی ایسی انوکھی لذت رکھی ہے جس کے تم شیدائی بن سکو۔ اور آج تو میں ہڈی کے ایک ڈھانچ کے سوا کچھ بھی نہیں - البتہ میرا پیار، میری وفا، میری قدرشناسی، اگر کچھ بھی

ٹ پرکاش پنڈت ہٹ عادل رشید

تم کو ذہنی تشفی بخش سکی ہے۔ تو یقین رکھو کہ اس سے تم میرے مرتے دم تک محروم نہ رہو گے۔ آؤ میری تندرستی کے لئے دل سے خواہش کرو۔ میں دوبارہ زندہ ہو کر تمہاری خدمت اور آرام کا ذریعہ بننا چاہتی ہوں۔ آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ اور میں بے جان کسی ہو کر تم سے چمٹ جاؤں۔ بقیہ سب کچھ بھول جاؤں۔

خلیق نے خاصی تو بہ بلا رکھی ہے۔ فیس لینے سے حکیم پر جو دعویٰ ہوتا ہے وہ بھی نہ رہا۔ اب سرٹیفکٹ حاصل ہونے میں تاخیر ہو رہی ہے ابا پرسوں گئے تھے، کل پھر جائیں گے دیکھو۔

آج کل منضج کا سلسلہ چل رہا ہے۔ مسہل کی نوبت غالباً اکتوبر میں آئے۔

اسرار بھائی کے پیسے ابتک تو نہیں آئے۔ اپنے کاروبار کا رنگ لکھو۔ جی چاہتا ہے تمہارے بارے میں سب کچھ جان سکوں۔

تمہارے پاس سردیوں کے لئے جرزی نہیں ہے، جلد ہی بنوا دوں گی۔ اور؟ بیار تو کر لو دوست

تمہاری اپنی صفو

لکھنؤ

۱۲ ستمبر ۱۹۵۲ء

اچھے اختر!

تمہارا خط آج ہی ملا، تھوڑا بہت باتوں کا سا لطف محسوس ہوا، مگر وہی تمہاری کم گوئی کے ساتھ۔

علاج چل رہا ہے۔ ماشاء اللہ سے ڈھائی روپیہ روزانہ کا نسخہ ہے
حکیم ذرا اونچے قسم کے ہیں۔ ابا ایک بار گئے تھے۔ ادھر مسلسل انتظار کے بعد خلیق
صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ سرٹیفکٹ حاصل کرنے کی ذمہ داری اپنے
سر لے گئے تھے۔ کل پھر انھیں خط بھجوایا۔ آج لے کر آنے کا جواب لکھا ہے
انھوں نے۔ دیکھو۔

بھوپال سے ٹھیکیدار کا بل آیا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ فرمائش بھی کہ
مکان خالی کر دیا جائے۔ میں نے ذرا ڈانٹ لکھدی ہے انھیں اور پیسوں
کے لئے ڈاکٹر جین کو لکھدیا ہے کہ فی الحال میری Invigilation
کی رقم جو کچھ ملے انھیں پہونچا دیں۔

ہاں، سالم تین اکتوبر کے جہاز سے انگلستان روانہ ہو رہے ہیں
چنانچہ ۳۰ ستمبر کو یہاں سے روانہ ہو کر بمبئی کو تمہارے پاس پہونچیں گے۔
ایک دن اُن کی دیکھ بھال تمھارے ذمہ ہوگی۔

ناول اگر کوئی بغیر خریدے بھیجنا ممکن ہو تو بھیجدو ورنہ نہیں۔
اختر بمبئی میں رہ کر تم تو بہت ہی پڑھے لکھے آدمی بن گئے۔
اور میں روز بروز جاہل سے جاہل تر ہوتی جا رہی ہوں۔ یہ بات تو ٹھیک
نہیں۔

جادو کی شرارتیں اور ہنگامے لیں ہی دن دونی رات چوگنی
ترقی کر رہی ہیں۔ اب وہ بغیر تمھارے دباؤ کے نہیں رہ سکتا۔
اور کیا لکھوں، میرے چراغ کو تیل ملتا ہے تو تمھاری توجہ سے اُسے
روشن رکھنا تمھارے ہی بس کی بات ہے دوست۔

سالم کے ہاتھ تم کو کیا بھیجوں ؟ ضرور لکھنا۔ احسان کو دعا۔ اور خلیل صاحب کو آداب۔

تمھاری صفو

لکھنؤ
۱۶ ستمبر ۱۹۵۲ء

اختر میرے!

آج کئی دن سے نہ میں نے ہی تمکو خط لکھا اور نہ تم نے میری خبر لی۔ میں جانتی ہوں اختر، تمھیں میرے لئے پیسوں کی فکر ہوگی اور دوڑ دھوپ ہی میں تمھارا سارا وقت جاتا ہوگا۔ نہ جانے تم پر کیا کیا بیت رہی ہوگی۔ میں تم سے الگ شکوے شکایت لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔ یہ کہاں تک ٹھیک ہے دوست! میں اکثر اپنے دل میں شرمندہ ہونے لگتی ہوں، لیکن کیا کروں تمھارا خط نہ پا کر میں دیوانی سی ہو جاتی ہوں۔ ایک دو حرف ہی لکھ دیا کرو۔

مجھے اس طرف بخار آتا رہا۔ اب بھی ہے۔ اس سے الجھن اور بڑھ گئی ہے۔ خلیق سارٹیفکٹ لے آئے تھے۔ اسی دن پوسٹ کر دیا تھا ساتھ ہی وہ حکیم صاحب کو بھی ساتھ لاکر دکھلانے کا وعدہ کر گئے تھے۔ لاکھ کہا کہ میاں خود ہی حال کہنے آجائیں گے۔ انھوں نے نہ سنی بطور نتیجہ پھر ایک بجے تک فاقہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد مایوسی۔ اب کل میاں ہر حال میں جائیں گے۔ غالباً منضج اب پورے ہو چلے ہوں اور مسہل کا چکر شروع ہو جائے دیکھو۔

اور کیا لکھوں۔ تازہ خبر یہ ہے کہ جادو کی شرارتوں سے عاجز آکر
پرسوں ان کا داخلہ St. Mary's میں کرا دیا ہے آخر کچھ تو پابندی
ہو۔ داخلہ پر چالیس خرچ ہو گئے۔ اور ماہانہ صرف ستائیس ہے۔ اب یہ
سارے عذاب اپنی گردن پر سمجھو۔ میں خود ہی تمھاری محتاج ہوں۔

اور کیا لکھوں۔ سالم بیٹس کو چل کر یہاں کو پہونچیں گے۔ تم انھیں
اپنی کتابوں میں سے کوئی قلمی نسخہ دینا پسند کرو تو دے دینا۔ India office
اب بھی خریدتا ہے۔ حیات نے ایک کتاب دو ہزار میں بیچ
لی ہے سوچنا۔

اپنے حالات لکھو۔ کہو تو سیلیٹی رنگ کا سوٹر بنوا لوں تمہارے
لیے۔

خط لکھو۔ موسم کے تیور اب تک نہیں بدل رہے ہیں گرمی سخت
ہے اور جان لیوا نابت ہو رہی ہے۔ ہزاروں پیار

تمھاری صفو

لکھنؤ

۲۲ ستمبر ۱۹۵۲ء

اچھے اختر!

خط ملا۔ تم بے کیف نہ ہوا کرو میری جان، بہادر بنو۔ مجھے تمھارے
سہارے کی ضرورت ہے اور تم بھی کمزور پڑ جاؤ گے تب؟ گھبرانہ جایا کرو
سارے وقت نکل ہی جاتے ہیں۔ یہ دور بھی گزر جائے گا۔ آج بھی یہ
اُمید سینے کو روشن رکھتی ہے کہ بھلے دن ضرور آئیں گے۔

میرا حال منفضجوں نے خاصا تباہ کر رکھا ہے۔ اور اس سے زیادہ خلیق[1] نے۔ نہ معلوم اُسے کیا خبط ہے کہ خود زبردستی آگے بڑھ کے وعدے کر لیتا ہے اور ان کی تکمیل ہفتوں نہیں کر سکتا۔ مجبوراً ابا نے دو پیکر چھوائی ٹولہ کے گئے۔ آج حکیم صاحب نے کل آ کر دیکھنے کا اور مسہل کا نسخہ لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ دیکھو اس بار پھر انھیں زبردستی فیس دینے کی کوشش کروں گی۔ گر ان پر اپنا کچھ زور تو ہے۔ بچارے میاں اس ضعیفی میں اس دوڑ کے قابل ہرگز نہیں ہیں۔ پر کروں بھی کیا۔

تم نے اکتوبر کا پروگرام ابھی سے بدل دیا۔ ارے کچھ دن تو امّید ہی کے سہارے گزر جانے دیئے ہوتے ساتھی۔ اب میں بھی غور کروں گی کہ اکتوبر کا کیا انجام کروں۔ جیوں یا مر جاؤں

تم "نیا چین"[2] کیوں نہیں پورا کر ڈالتے کچھ تو کرتے ہی رہو تمھارا خاموش بیٹھنا کچھ ٹھیک نہیں دکھائی دیتا۔

ہزاروں پیار تمھاری تھکی ہوئی پیشانی پر۔

تمھاری صفوؔ

لکھنؤ

۲۷ ستمبر ۱۹۵۲ء

اچھے اختر!

خط ملا۔ خدا کرے تم خوش رہو۔ میرا حال تم کیا سنو گے؟ اتوار کو ابا حکیم صاحب کو لے آئے تھے۔ پیر سے مسہل کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے نہایت

---

[1] خلیق ابراہیم [2] جاں نثار اختر کی ایک نامکمل نظم۔

مفصّل قسم کا قدح پی کر دن بھر عالم سکرات میں مبتلا رہتی ہوں۔ شام کو آب انار شیریں اور شلہ مونگ پر بسر اوقات ہے۔ آج وقفہ کا دن ہے۔ کل تیسرا مسہل ہو گا۔ انجام خدا جانے۔

منی آرڈر اسرار بھائی کا پہونچ گیا۔ البتہ ان لوگوں نے اتھارٹی مانگی ہے وہ تم کو بھجی جا چکی ہے۔ بھوپال سے ابھی تک پچھلی چھٹیوں ہی کی منظوری نہیں آئی۔ کسی کو کھٹ کھٹا سکو تو شاید کچھ پیسے ہی وصول ہو جائیں۔

خلیق غالباً اب تک یہیں صحرا نوردی کر رہے ہیں۔ کل میاں جھوائی ٹولہ حکیم صاحب سے حال کہنے گئے تھے۔ اس وقت ان کا حال دریافت کرایا تھا۔ اور کیا لکھوں ساتھی! زندگی کی ہر لطیف شئے تم سے وابستہ ہے اور تم دور ہو۔ آؤ ہم ایک دوسرے کو پیار ہی کر لیں۔

تمھاری صفّو

لکھنؤ

۲۹ ستمبر ۱۹۵۲ء

اختر ڈیرے

دو تین دن سے تمھاری خیریت نہیں معلوم ہوئی۔ خدا کرے آج ہی خط آ جائے۔ کل پھر مسہل ہے اس کے بعد حکیم صاحب فیصلہ کریں گے کہ آگے کا پروگرام کیا ہو؟

سالم کل یعنی تیس کو روانہ ہو کر پہلی کو پہونچیں گے اسٹیشن پر آ جانا۔ کھانے کی تھوڑی سی چیزیں تم کو بھیج رہی ہوں۔ ظاہر ہے کہ دوسرو ںکی

بنائی ہوئی ہیں خدا کرے پسند کرو۔
اور کیا لکھوں، بچے تم کو بہت یاد کرتے ہیں۔
تمھاری یاد سے سرشار
صفیہ

لکھنؤ
۴ر اکتوبر ۵۲ء

اچھے اختر
خط مل گیا تھا۔ میرے حالات سالم سے معلوم ہی ہوئے ہوں گے چار مسہل ہو چکے ہیں۔ چوتھے مسہل نے حالت خاصی پست کر دی۔ اٹھنے بیٹھنے میں بھی دوسروں کی مدد درکار ہو گئی ہے۔ دوسری پیچیدگی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ چھبیس ستائیس دن سے ہر شام حرارت ہو جاتی ہے جو سو سے اوپر چلی جاتی ہے۔ چنانچہ کل حکیم صاحب آئے تھے۔ انھوں نے مسہل ایک ہفتہ کے لیے بند کر کے ٹھنڈائی دی ہے۔ ویسے مرض میں کمی ضرور محسوس ہوتی ہے لیکن کمزوری اور بخار نے حال پتلا کر رکھا ہے۔ حکیم صاحب کو نہ جانے کیوں ہمدردی ہے۔ بغیر فیس کے بہت زیادہ توجہ سے علاج کر رہے ہیں۔ ادھر ابا اس عالم ضعیفی میں حد سے زیادہ مستعدی سے جھوائی ٹولہ کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ کیا کیا جائے حکیم صاحب کل ابھی غذا اور بے حد زور دیے گئے ہیں۔ ویسے ان کی روزمرہ کی دوا دو ڈھائی روپے سے کم کی نہیں ہوتی اور مسہل تو یقین کرو دس روپے کا پڑتا ہے۔ ستم ظریفی سی معلوم ہوتی ہے۔

اختر! اب مجھے تمہارا سہارا درکار ہے۔ تمھیں مضبوط بننے کی ضرورت ہے۔ تم کمزور پڑ گئے تو کیا ہو گا۔ تمھیں تو آج دوگنی طاقت پیدا کرنی ہے دوست!

اور کیا لکھوں؟ بستر ہے اور میں ہوں۔ ہاں صبح سے شام ضرور ہوتی ہے۔ پیسے جب مجھے تم بھیجو تو ایسا کرنا کہ پچاس روپیہ براہ راست ٹھیکیدار کو بھیج دینا اور لکھ دینا کہ بقیہ رقم جلد ہی ادا کر دی جائے گی۔

تم نے سوئٹر کے بارے میں نہیں لکھا، اب مجبوراً اپنی ہی پسند کا اُون منگوا کر بنواؤں گی۔ پہننا ہی پڑے گا تم کو۔

بچے تمھیں پوری عقیدت مندی سے یاد کرتے ہیں۔

زیادہ پیار
تمہاری صفیہ

لکھنؤ

۸ ، اکتوبر ۱۹۵۲ء

اختر عزیز!

تمہاری خیریت نہیں معلوم ہوئی۔ ہر ڈاک سے انتظار ہے۔ کل رات کراچی سے تار آیا۔ اماں جان ہم سب کو اپنے لیے ترستا چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ میرا تو ان سے واسطہ ہی تھا تمہارا بچپن اور نوجوانی ان کے ساتھ دفن ہو گئی۔ غم اس بات کا ہے کہ ان کا یہ دور بڑی اذیتوں سے گزرا۔ جیسے سُکھ انھوں نے دیکھے تھے ویسے ہی دُکھ بھی جھیلے۔ ہم تو خیر ان کی راحت کا ذریعہ بن ہی نہ سکے۔

خود غرض سمجھو یا جو کچھ بھی، آج بھی یقین تھا کہ میں نہ ہوئی تو وہ تجوں

کو اچھی بڑی طرح سمیٹ ہی لیں گی۔ مجھے ان سے انوکھی محبت کا مزا ملا تھا۔ سادہ دل، سادہ طبیعت۔ میرا دل انھوں نے ضرور جیت لیا تھا۔ ساتھ چھوڑ گئیں اور ایک داغ دے گئیں بس۔

بہادر بنو ساتھی! آپا کو اپنا سمجھو۔ وہ اماں کی محبت سے محروم ہو کر اب تمھاری ہی طرف دیکھ سکتی ہیں۔ ہزار وں پیار

تمھاری ... غیہ

لکھنؤ

۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۲ء

اچھے اختر!

تمھارے دو خط اکٹھے ملے تھے۔ تم میرا حال نہ معلوم ہونے سے بے چین رہتے ہوگے۔ آج پانچ ہفتے ہو گئے۔ ایک لمحہ کے لئے میرا بخار نہیں اترا ہے۔ آخری مسہل تیس ستمبر کو ہوا تھا۔ اس کے بعد ہی سے حالت تباہ ہو گئی۔ میرا اندیشہ صحیح ہی نکلا کہ اس ناتوانی میں مسہلوں کی متحمل نہ ہو سکوں گی۔ حکیم صاحب کل بھی آئے تھے، بخار اتارنے کی کوشش میں ہیں۔ اب علاج کی تبدیلی بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ بہر حال۔

تمھارے بھیجے ہوئے پیسے بھی مل گئے تھے۔ پیسوں کی کمی کے بارے میں تم نے جو معذرت لکھی ہے اس کی تو کوئی بات نہ تھی اختر۔ تم اس طرح سے اپنا دل مت کڑھا یا کرو۔

بچے اچھے ہیں، اور تمھاری محبت میں مست۔ کیسے ہو؟ اور کیسی گذر رہی ہے؟ تم اپنا حال بھی تو کچھ لکھا کرو، صرف میرا ہی رونا تمھارے

خطوں میں ہوتا ہے۔

بھوپال سے جین[1] کا خط آیا ہے، گریڈ اب تین سو سے چھ سو تک کا ہو گیا ہے۔ لیکن اب آسمان سے بادۂ گلفام برسا بھی تو کس کام کا۔

آؤ مجھے اپنے پیار کی گرمی سے تھوڑی دیر کے لئے زندہ محسوس کرنے دو ساتھی!

تمھاری صفّو

لکھنؤ

۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۲ء

اختر عزیز!

آخر بھئی یہ خاموشی کیوں؟ تمھارا یہ تغافل مجھے کل کا مرتا آج ہی مار ڈالے گا! میرے خط تمھیں جلدی جلدی نہیں ملتے تو تم روٹھ جاتے ہو۔ لیکن میری جان تم میری حالت تو آکر دیکھو۔ میرا سارا جسم اکڑ کر رہ گیا ہے۔ انگلیوں کا یہ حال ہے کہ قلم نہیں پکڑا جاتا۔ نہ جانے کیسے تمھیں ہمت کر کے چند سطریں لکھ لیتی ہوں کہ تم میری تحریر سے اندازہ لگا سکتے ہو اختر، اب تمھیں حمیدہ سے اپنی خیریت کا خط لکھوا دیا کروں گی۔ لیکن تم خط لکھنے کی طرف سے غفلت نہ برتو۔ تم اس تجویز سے ناراض نہ ہونا دوست، مجبوری ہے پھر بھی میں کبھی کبھی تمھیں خود بھی لکھتے رہنے کی کوشش کروں گی۔ دل کی باتیں تو دوسروں سے نہیں لکھوائی جا سکتیں۔

میرا حال بہت برا ہے صبح ۲۔۹۹ اور شام ایک سو دو سے بخار

[1] ڈاکٹر گیان چند جین لکچرار حمیدیہ کالج بھوپال۔

کسی حال میں کم نہیں ہوتا۔ حکیم صاحب کا علاج سرے سے الٹا پڑ گیا۔
آؤ میرے پیارلو۔ تم میرا ساتھ نہ چھوڑنا ساتھی! خط لکھو۔
تمھاری صفیہ

لکھنؤ
۳ر نومبر ۱۹۵۱ء

اختر عزیز!

خط ملے اور پیسے بھی۔ میں تمھیں اس طرف نہیں لکھ سکی۔ حمیدہ کے خطوط سے تمھیں میرا مفصل حال معلوم ہوتا رہا ہو گا۔ میری حالت گزشتہ ماہ میں مسہل کی وجہ سے سخت خطرناک پلٹا کھا گئی تھی۔ اب بھی بستر پر پڑی رہتی ہوں، منھ ہاتھ تک دھونے کی حالت نہیں ہے۔

تم نے بمبئی بلایا ہے لیکن میری حالت سفر کی نہیں ہے۔ راستے میں خلیق ابراہیم مجھے لادلا دکر کیسے اٹھائے گا؟ اور پھر وہ تو ایسا لاپروا کہ ایک دن کا وعدہ کر کے دو مہینے غائب رہتا ہے۔ ابا تین چار روز ہوئے اس کے پاس گئے تھے، بولا کر سات آٹھ تک بمبئی جاؤں گا۔ گو کہ امید کم ہی ہے۔

تم آسکو تو آجاؤ۔ میں چارپائی سے لگ گئی ہوں۔ تباہی کی تکمیل حکیم معید کے ہاتھوں ہونی تھی، کیا کیا جائے جواہر سے افاقہ ضرور ہے مگر بہت سست رفتاری کے ساتھ۔ دراصل علاج سے زیادہ تیمارداری ضرور ہو گئی ہے۔

ٹھیکیدار کو ایک پیسہ بھی نہیں جا سکا ہے۔ تم ایڈوانی سے کچھ

تھوڑے سے پیسے اور وصول کر کے اُسے بھجدو۔ ضرورت کے وقت ہی پیسے نہ ملے تو کس کام کے۔

پرکاش کا خط آیا ہے، اُس نے لکھا ہے کہ "مجاز فنڈ" کی اپیل شائع کرنے کی اجازت اُس نے تم سے کلکتہ میں حاصل کر لی تھی۔ دلچسپ بات ہے۔ میں نے خط لکھوا دیا ہے کہ مجھے اختر کی غیور طبیعت پر اس درجہ اعتماد ہے کہ یقین نہیں آتا کہ انھوں نے مجاز کے جنون اور بے زری کا ڈھنڈورا رسالے کے ذریعہ پیٹ کر پڑھنے والوں سے دو دو چار چار روپیوں کا چندہ وصول کرنے کا مشورہ دیا ہو۔

اختر! تم جانتے ہو، اسرار بھائی کو اسپتال گئے آٹھ مہینے کے لگ بھگ ہو گئے ہیں۔ ایک ڈیڑھ مہینے کے اندر وہ اسپتال سے Discharge ہونے والے ہیں۔ اب اس ایک مہینہ کے لئے دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے کیا حاصل۔ شاہراہ والے اپنے سر سہرا باندھنا چاہتے ہیں، لیکن مجاز فنڈ کا حشر تو سنو کہ مجاز کے نام پر یہاں پچھلے مہینے صرف سوا سترہ روپے جمع ہو سکے۔ اس سے اُردو والوں کی ادب دوستی کا بھی اندازہ کر لو۔

اختر! خط لکھو۔ تھک مت جاؤ۔ مجھے تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔ ہر طرح تمھیں مجھے سنبھال سکتے ہو۔ مجھے دیکھو، میں آج مر کر بھی مایوس نہیں ہوں بہت سے پیار۔

تمھاری اپنی

صفو

لکھنؤ

۸ر نومبر ۱۹۵۲ء

اختر اچھے

خط ملا۔ تمہاری فکرمندی مجھے اور پست کر کے رکھ دیتی ہے۔ گھبراؤ نہیں ساتھی! شاید یہ آزمائش کے دن گزر ہی جائیں۔ بھوپال کے قیام اور حکیم ضیاء الحسن کے علاج کی تجویز سے کیسے اتفاق کروں۔ عبدالمجید کے علاج نے تو جنبش کے قابل بھی نہ رکھا۔ بستر ہے اور میں ہوں۔ دیکھو کیا ہوتا ہے بشکل حرارت ۹۹.۸ پر آئی ہے۔ کوئی نیا سلسلہ شروع کرتے بھی جی ڈرتا ہے۔

بھئی مجاز والا اعلان تم نے انجمن میں پڑھایا نہیں؟ بر کاش تو بہت ہی پریشان ہو گیا ہے خاصی تیج چل گئی ہے۔

امراوتی کے بلاوے کی خبر سنی اب تم میری بات مانو اور سیدھا طریقہ یہ اختیار کرو کہ نومبر میں مار گھسیٹ کر جو کچھ اور وصول کر سکو کر لو، اور دسمبر شروع ہوتے ہی سیدھے لکھنؤ بھاگ آؤ۔ ایک مہینہ گھر پر گزار دو۔ تمہیں بہت سکون ملے گا۔ اس وقت تک میں بھی کچھ سنبھل جاؤں گی، ورنہ تیمارداری ہی کے مزے سہی۔ تم پروگرام بنا کر فسخ کر دینے کے عادی ہو۔ اس لئے اسی پروگرام کو جو میرا بنایا ہوا ہے فائنل سمجھو۔

پلاسٹک کے تھیلے بچوں کو ملے۔ بہت خوش ہیں، گو کہ تھیلے پائے دار نہیں ہیں۔ خط لکھنے ہی والے ہیں تم کو۔

بس اب زیادہ کی سکت نہیں۔ پیار لو، ہنس کر مسکرا کر ساتھی!

تمہاری اپنی صفو

لکھنؤ

۲۷ر نومبر ۱۹۵۲ء

اختر اچھے!

آج چار پانچ دن سے اس فکر میں ہوں کہ تم کو ایک مختصر سا ہی خط لکھ ڈالوں، مگر سکت نہ پیدا ہوئی۔ دسمبر میں تم نے آنے کا وعدہ کیا ہے۔ تم پُرسشِ احوال کو آؤ گے۔ اس خبر سے ہی مجھے زندگی ملنی چاہیئے!

جاوید اور سلمان تمہارے آنے کی تاریخیں گنتے ہیں اور انگلیوں کے استخارے نکالتے رہتے ہیں کہ کب آؤ گے؟

امراوتی سے کیا جواب آیا۔؟

حمیدہ کے خطوں سے میرے حال کی تفصیل تمہیں معلوم ہو ہی جاتی ہے۔ آج کل ہومیوپیتھک کی دوا کھا رہی ہوں۔ تم لکھنے ہو تو ڈاکٹر عبدالحمید کو بھی بلا کر دکھا دوں گی۔

اور کیا لکھوں اختر۔ تم ایک بار خود کو مجھے دکھا جاؤ۔ سیکڑوں پیار۔

تمہاری صفو

لکھنؤ

۲۳ر دسمبر ۱۹۵۲ء

اختر عزیز

دسمبر کا مہینہ تمہارے انتظار ہی میں بیت گیا تو اب کیا جنوری میں آنے کا قصد کر رہے ہو، میرے بہت پیارے دوست! میں جانتی

ہوں کہ تم میری ہی ضرورتوں کی خاطر وہاں پریشان ہو رہے ہو۔ لیکن ایک بار مجھے اپنی صورت تو دکھا جاؤ۔ جنوری میں ضرور ہی آجاؤ اس سے زیادہ مجھ میں انتظار کی سکت نہیں ساتھی۔

دو دن بعد ہماری شادی کی نویں سالگرہ ہونے والی ہے۔ اختر مجھے تمھارے پیار کا تحفہ درکار ہے۔ کیا تم میری آشا پوری نہ کروگے ؟

اچھا پیار لو، بچوں کے بھی پیار۔

تمہاری دیدار کی پیاسی

صفیہ

لکھنؤ

۲۹ر دسمبر ۱۹۵۲ء

عزیز اختر میری جان!

نظم ملی، تمھارا بہت پیارا تحفہ! سچ جانو میرے آنسو ہی تو چھلک پڑے آج میں کتنی مغرور ہوں اور نازاں۔ مجھے تمھاری محبت، ملائمت دوستی، شفقت، خلوص، اور اعتماد سب کچھ تو حاصل رہا ہے۔ آج تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں نے تمھاری شاعری کو بھی جیت لیا ہے۔ اب مجھے اور کیسا چاہیئے۔

اختر آؤ، تم مجھے مرنے نہ دو۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔ البتہ میں تھک بہت گئی ہوں ساتھی! آؤ میں تمھارے زانو پر سر رکھ کر ایک طویل نیند لے لوں۔ پھر تمہارا ساتھ دینے کے لئے میں ضرور ہی اٹھ

کھڑی ہوں گی۔

میرے بے شمار پیار تم پر نچھاور رہیں۔

تمھاری اپنی

عفو

خاکِ دل

(صفیہ کے انتقال پر لکھنؤ سے جاتے ہوئے)

لکھنؤ میرے وطن میرے چمن زارِ وطن !
تیرے گہوارۂ آغوش میں اے جانِ بہار
اپنی دنیائے حسیں دفن کئے جاتا ہوں
تو نے جس دل کو دھڑکنے کی ادا بخشی تھی
آج وہ دل بھی یہیں دفن کئے جاتا ہوں

دفن ہے دیکھ مرا عہدِ بہاراں تجھ میں
دفن ہے دیکھ مری روحِ گلستاں تجھ میں
میری گلپوشش جواں سالِ اُمنگوں کا سُہاگ
میری شاداب تمنا کے مہکتے ہوئے خواب
میری بیدار جوانی کے فروزاں مہ و سال!
میری شاموں کی ملاحت، میری صبحوں کا جمال!
میری محفل کا فسانہ، مری خلوت کا فسوں
میری دیوانگیٔ شوق، مرا نازِ جنوں
میرے مرنے کا سلیقہ، مرے جینے کا شعور
میرا ناموسِ وفا، میری محبت کا غرور،
میری نغموں کا ترنم، مرے نغموں کی پکار
میرے شعروں کی سجاوٹ، مرے گیتوں کا سنگھار
لکھنؤ! اپنا جہاں سونپ چلا ہوں تجھ کو
اپنا ہر خوابِ جواں سونپ چلا ہوں تجھ کو
اپنا سرمایۂ جاں سونپ چلا ہوں تجھ کو

لکھنؤ میرے وطن، میرے چمن زارِ وطن!
یہ مرے پیار کا مدفن ہی نہیں ہے تنہا
دفن ہیں اس میں محبت کے خزانے کتنے
ایک عنوان میں مضمر ہیں فسانے کتنے

اک بہن اپنی رفاقت کی قسم کھائے ہوئے
ایک ماں مر کے بھی سینے میں لئے ماں کا گداز
اپنے بچوں کے لڑکپن کو کلیجے سے لگائے
اپنے کھلتے ہوئے معصوم شگوفوں کے لئے
بند آنکھوں میں بہاروں کے جواں خواب لئے

یہ مرے پیار کا مدفن ہی نہیں ہے تنہا!
ایک ساتھی بھی تہِ خاک یہاں سوتی ہے
عرصۂ دہر کی بے رحم کشاکش کا شکار
جان دے کر بھی زمانے سے نہ مانے ہوئے ہار
اپنے تیور میں وہی عزمِ جواں سال لئے

یہ مرے پیار کا مدفن ہی نہیں ہے تنہا
دیکھ اک شمع سرِ راہگذر جلتی ہے
جگمگاتا ہے اگر کوئی نشانِ منزل
زندگی اور بھی کچھ تیز قدم چلتی ہے

لکھنؤ! میرے وطن! میرے چمن زار وطن!
دیکھ اس خواب گہِ ناز پہ کل موجِ صبا
لے کے نوروزِ بہاراں کی خبر آئے گی!

سُرخ پھولوں کا بڑے ناز سے گوندھے ہوئے ہار
کل اسی خاک پہ گلرنگ سحر آئے گی :
کل اِنہی خاک کے ذرّوں میں سما جائیگا رنگ
کل مرے پیار کی تصویر اُبھر آئے گی

اے مری روحِ چمن ! خاکِ لحد سے تیری
آج بھی مجھ کو ترے پیار کی بو آتی ہے
زخم سینے کے مہکتے ہیں تری خوشبو سے
وہ مہک ہے کہ مری سانس گھٹی جاتی ہے
مجھ سے کیا بات بنائے گی زمانے کی جفا
موت خود آنکھ ملاتے ہوئے شرماتی ہے

میں ، اور ان آنکھوں سے دیکھوں تجھے پیوندِ زمیں
اس قدر ظلم ! نہیں ، ہائے نہیں ، ہائے نہیں

کوئی اے کاش ! بُجھا دے مری آنکھوں کے دیئے
چھین لے مجھ سے کوئی کاش نگاہیں میری
اے مری شمعِ وفا ! اے مری منزل کے چراغ !
آج تاریک ہوئی جاتی ہیں راہیں میری

تجھ کو روؤں بھی تو کیا روؤں کہ ان آنکھوں میں
اشک پتھر کی طرح جم سے گئے ہیں میرے!
زندگی عرصۂ جہدِ مسلسل ہی سہی!
ایک لمحے کو قدم تھم سے گئے ہیں میرے

پھر بھی اس عرصۂ جہدِ مسلسل سے مجھے
کوئی آواز یہ آواز دیے جاتا ہے!
آج سوتا ہی مجھے چھوڑ کے جانا ہوگا!
ناز یہ بھی غمِ دوراں کا اٹھانا ہوگا!

زندگی دیکھ مجھے حکمِ سفر دیتی ہے
اک دلِ شعلہ بجاں ساتھ لیے جاتا ہوں
ہر قدم تو نے کبھی عزمِ جواں بخشا تھا!
میں وہی عزمِ جواں ساتھ لیے جاتا ہوں

چوم کر آج تری خاکِ لحد کے ذرّے
اَن گِنت پھول محبت کے چڑھاتا جاؤں
جانے اس سمت کبھی میرا گزر ہو کہ نہ ہو
آخری بار گلے تجھ کو لگاتا جاؤں

لکھنؤ! میرے وطن، میرے چمن زار وطن!
دیکھ اس خاک کو آنکھوں میں بسا کر رکھنا
اس امانت کو کلیجے سے لگا کر رکھنا

جاں نثار اختر
جنوری ۵۲ء

خاموش آواز!

جنوری کی چاندنی رات میں صفیہ کے مزار پر

کتنے دن میں آئے ہو ساتھی
میرے سوتے بھاگ جگانے
مجھ سے الگ، اس ایک برس میں
کیا کیا بیتی تم پہ نہ جانے
دیکھو کتنے تھک سے گئے ہو
کتنی تھکن آنکھوں میں گھلی ہے
آؤ تمھارے واسطے ساتھی
اب بھی مری آغوش کھلی ہے

چپ ہو کیوں، کیا سوچ رہے ہو
آؤ سب کچھ آج بھلا دو
آؤ اپنے پیار سے ساتھی
پھر سے مجھے اک بار جلا دو

اتنے دن کے بعد کہیں تم!
آئے ہو ساجن میرے دوارے
آج اندھیرے انگنا مورے
ناچ اُٹھے ہیں چاند ستارے

دیکھو کتنی رات حسیں ہے
جیسے میرا پیار کھلا ہو!
آج تو ایسی جوت ہے جیسے
چاند زمیں سے آن ملا ہو

بولو ساتھی کچھ تو بولو
کب تک آخر آہ بھروں گی
تم نے مجھ پر ناز کئے ہیں
آج میں تم سے ناز کروں گی

آؤ میں تم سے رُوٹھ سی جاؤں
آؤ مجھے تم ہنس کے منا لو
مجھ میں سچ مُچ جان نہیں ہے
آؤ مجھے ہاتھوں پہ اُٹھا لو

تم کو میرا غم ہے ساتھی
کیسے اب اس غم کو بھُلاؤں
اپنا کھویا جیون بولو!
آج کہاں سے ڈھونڈھ کے لاؤں

یہ نہ سمجھنا میرے ساجن
دے نہ سکی میں ساتھ تمھارا
یہ نہ سمجھنا میرے دل کو
آج تمھارا دُکھ ہے گوارا

یہ نہ سمجھنا میں نے تم سے
جان کے یوں مُنھ موڑ لیا ہے
یہ نہ سمجھنا میں نے تم سے
دل کا ناتہ توڑ لیا ہے

یہ نہ سمجھنا میں نے تم سے
آج کیا ہے کوئی بہانا
دنیا مجھ سے روٹھ چکی ہے
ساتھی! تم بھی روٹھ نہ جانا

آج بھی ساجن میں ہوں تمھاری
آج بھی تم ہو میرے اپنے
آج بھی ان آنکھوں میں بسے ہیں
پیار کے اَنمٹ گہرے سپنے

دل کی دھڑکن ڈوب بھی جائے
دل کی صدائیں تھک نہ سکیں گی
مٹ بھی جاؤں، پھر بھی تم سے
میری وفائیں تھک نہ سکیں گی

یہ تو پوچھو مجھ سے چھُٹ کر
تیرے دل پر کیا کیا گذری
تم بن میری ناؤ تو ساجن
ایسی ڈوبی پھر نہ اُبھری